ایک محبت اور سہی

ایک محبت اور سہی

''وہ نظام بدلنا چاہتے تھے، لیکن انہیں ہر قدم پر
سماج کے اک نئے ''ان داتا'' کا سامنا تھا''

ہاشم ندیم

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور
فون: 7352332-7232336

نام کتاب	....	ایک محبت اور سہی
مصنف	....	ہاشم ندیم
ناشر	....	گل فراز احمد
		علم وعرفان پبلشرز، لاہور
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
پروف ریڈنگ	....	منصور بٹ، شیر محمد طاہر
کمپوزنگ	....	عاصم، انیس احمد
سن اشاعت	....	دسمبر 2010ء
قیمت	....	=/500 روپے

......ملنے کے پتے......

علم وعرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اردو بازار، لاہور

فون: 7352332-7232336

ادارہ علم وعرفان پبلشرز کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جہت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔ (ناشر)

باب 1

کبھی کبھی شام اس طرح ڈھلتی ہے جیسے وہ افق کے پار نہیں بلکہ قطرہ قطرہ کر کے ہمارے اندر اتر ر
سرمئی جھالروں سے ڈھکے گلابی بادل سورج ڈھلنے کے بہت دیر بعد بھی فلک پر دکتے رہتے ہیں۔ وہ بھی ایک ا
شام تھی۔ دلوں میں بھیگا سرمئی اجالا بکھیرنے والی شام...... فضا کو گلابی کر دینے والی شام......

بارش کی بوندوں سے تازہ تازہ بھیگی ہوئی سڑک پر "کیفے فراق" کے ادھ جلے یا ادھ بجھے نیون سائن کی زر
کا عکس وقفے وقفے سے ابھر رہا تھا۔ کبھی کبھی "اصل" سے "عکس" زیادہ خوبصورت ہوتا ہے۔ یا شاید انسان ہمی
طے شدہ اجسام کی ترکیب و ترتیب بدلنے کا خواہش مند رہا ہے۔ تبھی وہ حقیقت سے زیادہ سراب کو نہارتا ہے۔
فراق" جو کبھی "کیفِ فراق" تھا، آج بھی ہمارے محلے کی بیرونی سڑک کے چوراہے کے بائیں کونے پر اس
عاشق کی طرح خاموش ایستادہ تھا جسے مدتوں پہلے سے اس حقیقت کا ادراک ہو چکا ہے کہ اب اس کا محبوب کبھ
نہیں لوٹے گا...... لیکن انتظار تو عاشق کی سرشت ہے، سو محبوب کی واپسی بھلا کب شرطِ عاشقی ٹھہری......؟

میں نے جب سے ہوش سنبھالا تب سے کیفے فراق اور اس کے اکلوتے "پروپرائٹر" چچا فراق کو ا
حالت میں پایا تھا، مہ و سال کی گردش دونوں کی خستگی میں کچھ زیادہ بدلاؤ نہیں لا سکی تھی۔ کہتے ہیں جب چچا فر
اپنے آخری عشق میں ناکامی کے بعد شاعری اور عشق دونوں کو خیر آباد کہہ کر یہ ریسٹورنٹ کھولنے کی ٹھانی، تب ا
انہوں نے اپنی طبعی حالت غیر اور اپنے تخلص، دونوں کو یکجا کر کے "کیفِ فراق" رکھا تھا لیکن یہ "لطف جدائی
عرصہ ریستوران کے بورڈ کا ساتھ نہ دے سکا اور رفتہ رفتہ لوگ اسے "کیفے فراق" کے نام سے پکارنے لگ
زمانے میں یہاں کی ہاف سیٹ چائے کا شہرہ دور دور تک تھا اور سرشام ہی کیفے کے باہر فٹ پاتھ پر پڑی
دفتری بابوؤں اور نچلے درمیانے طبقے کے سرکاری ملازمین سے بھر جاتی تھیں۔ ہماری کالونی جو خود بھی ایسے
درجے کے سرکاری ملازمین کی رہائش گاہ تھی اور بابو کالونی کے نام سے جانی جاتی تھی۔ دراصل اسی کیفے
شہرت کی مرہون منت تھی، کیفے سے ذرا آگے چند قدم دور سڑک کے پار جو پرانا بس اسٹاپ تھا وہ بھی بابو کالو
یا فراق سٹاپ کہلاتا تھا۔

مجھے یاد ہے کہ بچپن میں ہم سب دوست اسکول جاتے وقت صبح سویرے یا پھر شام کی چائے سے

جیبوں میں سکے چھنکاتے فراق بچا کے ہوٹل آ دھمکتے اور شیشے کے لمبے لمبے مرتبانوں میں شہر کی مشہور بیکری سے بنے ہوئے کیک رس، بن شیر مال یا پھر ایرانی "کلیک" بتلی کی زرد اور سبز پتیوں کو پھرولتے تو بچا سے خوب ڈانٹ پڑتی۔ کاؤنٹر کے ساتھ ہی پولکا آئس کریم سے بھرا بڑا سا واٹر کولر نما فریزر بھی رکھا رہتا تھا۔ جس دن ہمارے پاس سب دوستوں کے لئے علیحدہ علیحدہ پولکا آئس کریم کی کون یا کپ خریدنے جتنے پیسے جمع ہو جاتے اس روز تو گویا ہماری عید ہو جاتی تھی، اور جب بھی لکا سوڈا، سیون اپ یا ایکل سوڈا کی ٹھنڈی بوتلیں ہماری دسترس میں آتیں تو ہم ان کے ڈھکن میں چھپے نرم ربڑ کے گول اسٹکر نکال کر اپنی جیبوں میں بھر لیتے۔ اس ڈھکن میں پیوست گول ربڑ کے اوپر ہمارے پسندیدہ کارٹونز، مشتا، پوپائے، ڈونلڈ ڈک، اور دیگر کی تصاویر چھپی ہوتی تھیں۔ پھر سارا سال ان ربڑ کی گول مہروں کی میٹھی مہک سے ہمارے اسکول کی کتابوں اور کاپیوں میں خوشبو بسی رہتی تھی۔ جانے ہماری زندگی سے ہمارے بچپن کے رنگ اور خوشبو وقت کے ساتھ ساتھ کیوں اڑ جاتے ہیں؟ جیون اتنا پھیکا کیوں پڑ جاتا ہے؟

ہمارے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ اسکول سے کالج اور کالج سے یونیورسٹی تک زندگی کی قوس و قزح سے کئی رنگ اڑ گئے۔ ہمارے والدین بوڑھے اور ان کی فکر اور پریشانیاں فزوں تر ہوتی چلی گئیں۔ شاید غربت بذات خود ایک ایسی آکاس بیل کی جڑ ہے جسے دکھوں، غموں اور پریشانیوں کی ڈالیاں پھیلانے کے لیے مزید کسی آبیاری کی ضرورت نہیں پڑتی۔ غم کے کالے سائے سدا کے لیے اس کا مقدر اور فکر کی گھنی پرچھائیاں ہمیشہ سے غربت کا نصیب ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی میں سوچتا تھا کہ اگر خدا ہم بھی کو ایک جیسی تقدیر سے نواز دیتا تو اس کے خزانے میں کون سی کمی آجاتی؟

لیکن یہ تب کی بات ہے کہ جب ہم آوارہ گردوں کو غربت نام کی دیمک چھو نہیں پائی تھی۔ ہم سب اپنی ایک الگ دنیا میں مست تھے۔ جہاں فکر اور غم نام کا کوئی بھی گھنا سایہ ہمارے بلند قہقہوں کی دھوپ کے سامنے ٹک نہیں پاتا تھا۔ ایک ایسی دنیا جہاں صبح زیادہ روشن اور دن کہیں زیادہ کھلے رہتے۔ جہاں شامیں گلابی اور راتیں سرمئی خوابوں کی آماجگاہ بنی رہتی تھیں۔ میں آیان احمد ایک ایسی ہی دنیا کا باسی تھا۔ ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر توقیر کا نالائق بیٹا...... رشتے سے پہلے کا سابقہ میرے ابا کے الفاظ میں میرے تعارف کا سدا بہار حصہ تھا۔ ان کے بقول میرے "آوارہ" اور "لوفر" دوستوں کی صحبت نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ہم چاروں کے والدین ایک جیسی رائے رکھتے تھے لہٰذا ہم بھی دوستوں کے لیے یہ بات ہمیشہ سے ہی ایک معمہ بنی رہی کہ آخر ہم میں سے اصل آوارہ اور لوفر ہے کون۔۔۔؟؟؟

آیان احمد یعنی میں، اقبال (بالا)، ربیعہ اور جہانگیر عرف مشی...... ہم سب ٹاٹ کے پرائمری اسکول سے یونیورسٹی تک نہ صرف ہم پیالہ ہم نوالہ بلکہ "ہم محلہ" بھی رہے تھے۔ ہماری دوستی "فرض" نام کی کسی بھی بیماری سے مبرا تھی اور ہم بھی کو ایک دوسرے کے ماں باپ کی اپنے بارے میں تمام "زریں" آراء کا بچپن سے ہی بخوبی علم تھا لیکن ہم نے بھی اپنے بارے میں ایسی کسی رائے کو بدلنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ ہم جو تھے، بس تھے اور زمانے سے ہمیں بس یہی درکار تھا کہ "جہاں ہے جیسا ہے" کی بنیاد پر ہمیں قبول کیا جائے۔

میرے ابا سرکاری اسکول کی ہیڈ ماسٹری سے ریٹائر ہونے کے بعد بس ایک ہی ارمان دل میں بسائے جی رہے تھے کہ ان کے دونوں بیٹے کمیشن پاس کر کے بڑے ماسٹر (اسسٹنٹ پروفیسر) بھرتی ہو جائیں تا کہ ان کی زندگی کی سب سے دیرینہ خواہش پوری ہو سکے۔ مجھ سے بڑا ریحان احمد تو پھر بھی کسی نہ کسی طور محنت کر کے ۱۶ جماعت پاس کر چکا تھا اور اب ابا کے حکم اور خواہش کی تعمیل میں دن بھر پبلک سروس کمیشن کے دفتر کے چکر کاٹتا رہتا تھا لیکن جی پوچھیں تو یہ

پروفیسری میرے بس کا روگ نہ تھی۔ مجھے تو اپنی کلاس کے پروفیسروں کو دیکھتے ہی خلجان سا شروع ہو جا
میرے ابا پر ہی کیا منحصر؟ اس کالونی میں ہم بھی نوجوانوں کے والدین اپنی اولاد سے اپنی ہی کسی حسرت کا
چاہتے تھے۔ بالے کے ابا کسی سرکاری ورکشاپ میں مکینک تھے اور ان کی خواہش تھی کہ بالا اسی ور
ہیڈ مستری لگ جائے۔ ربیعہ کے ابا کلرک تھے اور وہ دن رات اسی فکر میں دبلے ہوئے جاتے تھے کہ جانے
بی اے کرنے کے بعد ابھی کے محکمے میں کم از کم سپرنٹنڈنٹ بھرتی ہوگا۔

جہانگیر (مشی) اور جاوید (مٹھو) کے ابا محکمہ صحت میں ڈسپنسر تھے اور دونوں میں ہی سارا سال
ٹھنی رہتی تھی کہ پہلے کس کا سپوت ہسپتال میں انچارج ڈسپنسر کی کرسی سنبھالے گا۔ جانے یہ والدین اپنی زند
ناکامیوں کے داغ اپنے بچوں کی خواہشات کے خون سے ہی کیوں دھونا چاہتے ہیں؟ حالانکہ ہم بھی کے
خواہشات معصوم اور ہماری دسترس سے زیادہ دور بھی نہ تھیں لیکن ہماری بدنصیبی یہ تھی کہ ہمارا خمیر بابو کا لوگ
کوسوں پرے گوندھا گیا تھا۔ اگر کوئی قصوروار تھا تو وہ ہمارا نصیب تھا، اگر کچھ قابل تعزیر تھی تو وہ قسمت
ہمیں ان معصوم خوابوں کی بھٹی میں جھونک تو ڈالا مگر خود ہمارے اندر خواب گرنے کی صفت پیدا کرنا بھول گ

گھر میں میرے علاوہ مجھ سے بڑا ریحان اور مجھ سے چھوٹی رافعہ تھی جس کی صبح ہم دونوں بھ
کے نام کے ورد سے شروع ہوتی اور رات مجھے ابا کے غیض و غضب سے بچانے میں صرف ہو جاتی تھی۔ ا
ہی دھان پان سی، آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگانے والی ہزاروں، لاکھوں امیوں جیسی تھیں جنہیں آخر وقت تک
ہے کہ ان کا ہونہار سپوت دنیا کی تمام تر توقعات کے باوجود ایک دن سکندر اعظم کی طرح فاتح بن کر لو
اس معاملے میں ریحان کافی ہوشیار واقع ہوا تھا اور وہ اپنی روایتی مسکینی اور عاجزی کے بدلے رافعہ اور
کچھ زیادہ ہی نمبر حسبِ کرائی کا لاڈلہ بنا رہتا تھا۔ ابا بھی ریحان سے ہی اپنی ہر آس جوڑے بیٹھے تھے
خاصے اچھے نمبروں کے ساتھ ایم اے پاس کر لیا تھا اور امید یہی تھی کہ جلد یا بدیر وہ ابا کے خوابوں میں رنگ
کامیاب ہو جائے گا۔

باقی رہا میں...... تو میری زندگی تو کٹ ہی رہی تھی۔ بی اے کے پرچے ختم ہونے کو تھے اور ہ
معمول کیفے فراق میں اپنی مخصوص میز کے گرد سر شام سے ہی سر جوڑے بیٹھے تھے۔ باہر بارش تیز ہو چکی تھ
کیفے فراق کی ٹین کی چھت پر کسی بے ترتیب تال کی سرگم بکھیر رہی تھیں۔ چچا فراق کے کیفے کی ا
نشانی...... یعنی ان کے ابا کے دور کا گراموفون بھی ہمیشہ کی بلیک اینڈ وائٹ دور کے نغموں کے سر بکھیر رہا تھ
کو چھیڑا کرتے تھے کہ اب اس گراموفون سے ان گلوکاروں یا مغنیوں کے گیتوں کے بجائے ان کی ج
آوازیں سنائی دیتی ہیں لہٰذا خدا کے لیے اسے بدل ڈالیں۔ مگر بدلے میں ہمیشہ ہمیں چند ناقابل اشاعت
سننے کو ملا کرتے تھے۔ اس بھیگی شام میں بھی گراموفون چہچہا رہا تھا۔

"اے میرے دل کہیں اور چل

غم کی دنیا سے دل بھر گیا —— ڈھونڈ لے اب کوئی گھر نیا......"

ربیعہ نے کل رات کی بچائی ہوئی سگریٹ کے ٹوٹے سے آخری کش باقاعدہ کشید کیا اور سگ
اچھال دی۔

"ہاں یار..... اب تو دل یہی کہتا ہے کہ کہیں اور چلا جائے..... بھیا ہمارا تو اب اس "بابو کالونی" میں دل نہیں لگتا....."

ہالے نے اپنے ہاتھ کی پرانی سی Camy گھڑی پر نظر دوڑائی.....
"یار بڑی دیر کر دی اس کالج کے کلرک نے..... اب تک تو پرچہ آؤٹ ہو جانا چاہیے تھا۔ کہیں مروا ہی نہ دے..... میں نے بارہ لڑکوں سے پیسے جمع کر کے خود اس کے حوالے کیے تھے۔ کہہ رہا تھا 12 بجے رات تک پرچہ پہنچا دے گا....."

قریب سے گزرتے کیفے کے سدا بہار منشی مرزا نے ہالے کی بات سن لی۔ "جتنی محنت اور وقت تم لوگ پرچہ آؤٹ کروانے پر صرف کرتے ہو۔ اس کا دس فیصد بھی اگر پڑھنے پر لگا دو تو تم سب کی فرسٹ ڈویژن آ جائے گی۔" مرزا آگے بڑھ گیا۔
مشی نے اپنی اداسی بھری نگاہیں اٹھائیں.....
"یار تم لوگوں کو اپنی پڑی ہے۔ کسی کو میرے اردو کے پرچے کی فکر نہیں ہے..... یقین کرو اس بار میرے ابا کم نمبر آنے پر میری جان ہی لے لیں گے....."
مشی کی پریشانی بالکل بجا تھی۔ اس کے ابا محلے کے جز وقتی شاعر بھی رہ چکے تھے اور ان کا بیٹا پچھلی بار پرچے میں اقبال کا مشہور شعر کچھ اس طرح لکھ آیا تھا

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

ہم سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔ رعبہ نے اس کی ہمت بندھائی
"فکر نہ کرو..... مجھے پورا یقین ہے کہ نمبر دیتے وقت ممتحن تمہارے "شعری وزن" کی داد ضرور دے گا....."
شاباش "ہالے نے ایک گہری سانس لی" آخری وارننگ تو مجھے بھی گھر سے مل چکی ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ محمود غزنوی سترہ حملوں کی بجائے ایک ہی بار چڑھائی کر کے سومنات کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا تو تاریخ پر کیا فرق پڑ جاتا..... ؟ کم از کم میں تو ان سترہ تاریخوں کے جھنجٹ سے نکل پاتا۔ ہر بار کہیں نہ کہیں ان سن اور تاریخوں کے جھمیلے میں چوک جاتا ہوں....."
"سٹاپ لفنگو..... کیا ضروری ہے کہ ہر رات تم لوگوں کو باقاعدہ اعلان کر کے گھروں کو بھیجا جائے..... ابھی کچھ دیر میں ہی تم لوگوں کے گھروں سے پیغامات کا سلسلہ شروع ہو جائے گا..... پھر سب یہی کہیں گے فراق تم لوگوں کو بگاڑ رہا ہے....."

رعبہ نے دور سے ہی ہانک لگائی
"فکر نہ کرو چاچا..... اب ہمیں مزید بگاڑنا ممکن نہیں....."
ہم سب کیفے سے باہر نکلے تو بارش کچھ تھم سی گئی تھی، لیکن ہوا میں موجود نمی کے قطرے جھونکوں کے ساتھ ہمارے چہروں پر شبنم بکھیرنے لگے..... میں نے ہالے اور رعبہ کو یاد دلایا کہ صبح آخری پرچہ ہے لہٰذا وہ مجھے وقت پر گھر سے لینے چلیں۔ گلی کے کونے پر میں نے ان سب کو رخصت کرتے ہوئے ہاتھ ہلایا اور گلی میں داخل ہوتے وقت دل ہی دل

میں گڑگڑا کر دعا کی کہ ابا سو چکے ہوں۔ زمین سے کچھ کنکر چن کر میں نے وقفے وقفے سے تین کنکر صحن میں آہستگی
اچھال دیئے۔ یہ میرے اور مجھ سے چھوٹی رافعہ کے درمیان بہت پرانا اشارہ مقرر تھا۔ کنکر صحن میں گرنے کی آواز
وہ چپکے سے صحن کے اندر دروازے کی چٹخنی اندر سے کھول دیتی تھی کیونکہ ابا کے فرمان کے مطابق ٹھیک عشاء کی نماز
بعد گھر کا دروازہ بند کر دیا جاتا تھا۔ رافعہ کو میری اس "غیبی امداد" پر بچپن سے لے کر اب تک درجنوں مرتبہ ابا سے
ڈانٹ پڑ چکی تھی لیکن وہ بھلا اپنے "الو بھیا" کو رات کا کھانا کھلائے بغیر کب سکون کی نیند سو سکتی تھی۔ لہٰذا ہر با
بے چاری کو ابا کے غیظ و غضب کا نشانہ بننا پڑتا تھا۔
تیسرے پتھر کے چند لمحوں بعد صحن میں قدموں کی دھیمی سی آواز ابھری اور پھر رافعہ نے دھیرے سے در
کھول دیا۔
"آیان بھیا..... آپ آج بھی اتنی دیر سے آئے ہیں..... ؟..... پتہ ہے ابا کتنے غصے میں تھے..... ؟
میں نے کندھے اچکائے "یہ کون سی نئی بات ہے..... مغل اعظم کا پارہ ہمیشہ ہی بلند رہتا ہے....." رافعہ نے مجھے گھور
"الو بھائی..... بری بات....."
"ارے یار ہم مغل ہیں..... تو ابا مغل اعظم ہوئے ناں اس گھر کے..... اچھا بہت بھوک لگی ہے.....
کھانے کو بھی ملے گا یا پھر یونہی کھڑی میرا سر کھاتی رہو گی..... ؟"
رافعہ جلدی سے باورچی خانے کی طرف پلٹی۔ "تین مرتبہ گرم کر چکی ہوں"
"وہ پڑھاکو پروفیسر کہاں ہے۔ سو گیا کیا..... ؟" میں نے باورچی خانے میں پڑی چوکی گھسیٹی اور وہیں
گیا۔ رافعہ نے سالن گرم کرنے کے لیے چولہے کو آگ دکھائی۔ "اس طرح پکارتے ہیں اپنے بڑے بھائی کو
پورے ڈیڑھ سال بڑے ہیں ریحان بھیا آپ سے....."
"سب تاریخ پیدائش کا چکر ہے..... ڈیڑھ سال پہلے میں پیدا ہوا ہوتا تو آج میں بڑا ہوتا....." میں نے
نوالہ منہ میں رکھا "بھائی..... کیوں ایسی باتیں کرتے ہیں آپ..... پتہ ہے ابا آپ کی تعلیم اور نوکری کے لیے
پریشان رہتے ہیں..... اور امی تو آپ کی فکر میں پہلے سے بھی آدھی رہ گئی ہیں..... آخر آپ ان دونوں کی بات پر کا
کیوں نہیں دھرتے....."
میں نے چڑ کر ہاتھ جوڑے "خدا کے لیے چھوٹی..... اب تم میری نانی اماں بننے کی مشق شروع نہ کرو.....
کام امی ابا کے لیے ہی چھوڑ دو..... اور پھر مجھ سے جو بھی بن پڑتا ہے کرتا تو ہوں..... لیکن اگر ابا یہ سمجھتے ہیں کہ بی ا
کرتے ہی وزیراعظم لگ جاؤں تو یہ میرے لیے ناممکن ہے..... آخر تم سب کو یہ بات سمجھ میں کیوں نہیں آتی ک
سرکاری بابو گیری میرے بس کا روگ نہیں ہے..... مجھ سے نہیں ہوتی یہ سرکار کی چوبیس گھنٹے کی غلامی..... اس قربانی
لیے ریحان موجود ہے..... بکرا بننے کے لیے..... مجھے تو تم لوگ بخش ہی دو....."
میری آواز بلند ہوتے دیکھ کر رافعہ نے جلدی سے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا لیکن
شاید تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔
اچانک میرے عقب میں ابا کی گرجتی ہوئی آواز سے ماحول کانپ سا گیا۔
"مل گئی فرصت گھر آنے کی..... [illegible]

پڑی تھی آوارہ گردی اور لوفر گیری کرنے کے لیے...... میں پوچھتا ہوں یہ کون سا وقت ہے گھر واپس آنے کا...... یہ گھر ہے یا کوئی سرائے......؟؟"

رافعہ جو پہلے سے ہی گھبرا کر کھڑی ہو چکی تھی اس نے مجھے نظروں ہی نظروں میں کھانا جلدی ختم کرنے کا اشارہ کیا۔ میں بادل نخواستہ پانی کا ایک لمبا سا گھونٹ لے کر کھانا ادھورا چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ چھوٹی جانتی تھی کہ ابا کے قہر وغضب سے بچنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ فی الوقت ان کی آگ برساتی نظروں سے دور ہٹ جایا جائے۔ ابا کی آواز سن کر اندر سے امی اور ریحان بھی بوکھلائے ہوئے سے باہر نکل آئے۔ میں سر جھکا کر چھت کی سیڑھیوں کی جانب بڑھا تاکہ اوپر بنے جزوقتی گودام اور کل وقتی اس "کمرہ نما" میں جا کر پڑ رہوں جو بچپن سے اب تک میری آخری پناہ گاہ تھا، لیکن میرا قدم اٹھتے ہی ابا ایک بار پھر زور سے چلائے۔

"کہاں چل دیے...... رکو...... آج ایک بات کا فیصلہ ہو کر رہے گا۔"

ریحان اور چھوٹی نے گھبرا کر امی کی طرف دیکھا۔ میرے سیڑھیوں کی طرف بڑھتے قدم رک گئے۔

ایک محبت اور سہی

باب 2

مجھے اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ راتوں کو دیر تک گھر سے غائب رہنے پر ڈانٹ پڑ چکی تھی لیکن آج مغل اعظم کا پارہ واقعی ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔ امی نے کمزور سی مدافعت کرنے کی کوشش کی۔

"اب جانے بھی دیں...... رات بہت ہو گئی ہے...... صبح بات کر لیں گے......"

ابا پھر گرجے "خبردار...... آج کوئی بیچ میں نہیں بولے گا...... اور رافعہ کی ماں...... تمہاری اسی طرف داری نے اس لوفر کو آج اس مقام پر پہنچا دیا ہے۔ لوگ میری پیٹھ پیچھے ہنستے ہیں کہ سارے زمانے کو اصولوں کا سبق دینے والے ماسٹر توقیر کی اپنی اولاد اس کے کہے میں نہیں ہے...... ہاں تو میاں...... آج صاف صاف بتا ہی دو کہ کب تک یونہی ہمارے سینوں پر مونگ دلتے رہو گے...... تمہاری یہ آوارہ گردیاں کب ختم ہوں گی......"

میں نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنا چاہا۔ امی نے ابا کے عقب سے مجھے گھور کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ریحان نے بھی غیر محسوس طور پر ہاتھ جوڑے۔ میں نے ہتھیار ڈال دیے۔

"جی...... کوشش کروں گا کہ آئندہ دیر نہ ہو......"

لیکن میرا یہ کہنا ہی غضب ہو گیا۔ آتش فشاں پھٹ پڑا......

"کوشش...... بہت خوب...... سنی ہو رافعہ کی ماں...... ابھی بھی یہ لوفر صرف کوشش کرے گا۔ آج اس کی بلی ایک نہ کی تو میرا نام بھی توقیر احمد نہیں ہے......"

ابا اپنی چھڑی سنبھال کر میری طرف لپکے۔ امی جلدی سے ان کی راہ میں مزاحم ہو گئیں اور چھوٹی نے فوراً ... کر ابا کی چھڑی پکڑ لی، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ ابا صحن میں ٹھیک وہاں کھڑے تھے جہاں چھت پر جانے کے لیے سیڑھیوں ... ایک چھوٹی سی ڈیوڑھی بنی ہوئی تھی لہٰذا میرے پاس اپنے کمرے کی طرف بڑھنے کے تمام راستے مسدود ہو چکے ... امی اور رافعہ ابا کی منت سماجت میں مصروف تھیں لہٰذا میرے پاس گھر سے باہر نکل جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ... صحن کا دروازہ کھول کر باہر گلی میں نکل گیا۔ پہلے تو سوچا کچھ دیر یہیں گلی میں کھڑے رہ کر اس لاوے کے سرد ہو... انتظار کروں لیکن پھر دوسرے ہی لمحے ابا کے چلانے کی آواز آئی "ریحان...... دروازہ بند کر دو...... ایک رات باہر کی ...

لینے کے عادی نہیں ہیں۔ لمحے بھر میں میرے مغل خون نے بھی جوش مارا "ٹھیک ہے اگر مغل شہنشاہوں کو دیس نکالا دینے کی عادت ہے تو مغل شہزادے بھی اپنی سلطنت کو ٹھوکر مار کر خاک چھاننے کا ہنر جانتے ہیں۔" سو میں بھی اماں کے اس دو کمروں کے سرکاری کوارٹر کی ریاست کو ٹھکرا کر رات گزارنے کے لیے کسی جزیرے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ جزیرہ اس لیے کہ فی الحال تو سارا شہر بارش کے بہتے پانی کی وجہ سے ایک چھوٹے دریا کا منظر پیش کر رہا تھا۔ میں نے اپنی شرٹ کے کالر کھڑے کر لیے کیونکہ تیز بوندوں نے ایک بار پھر زمین کو جل تھل کرنے کے لیے سازش باندھ لی تھی۔ جانے بارش کا واسطہ ہمیشہ غریب کے کچے گھروندے سے ہی کیوں ہوتا ہے؟ یا پھر امراء کے محلوں پر برسنے والی بارش شاید کوئی اور ہوتی ہوگی---؟؟؟

پہلے میں نے سوچا کہ کالونی سے نکل کر سڑک کے اگلے چوراہے سے متصل سڑک پر واقع بالے کے اڈے کے گیراج چلا جاؤں، لیکن جانے کالونی سے نکلتے ہی میرے قدم خود بخود کیفے فراق کے باہر بچھے لکڑی کے بنچ نما تختوں کی جانب کیوں بڑھتے گئے۔ کیفے کے لکڑی سے بنے چاروں دروازے تو بند تھے لیکن کھڑکیوں سے چھن کر سڑک پر گرتی روشنی کے مستطیل ٹکڑے اس بات کا پتہ دے رہے تھے کہ اندر صبح کے ناشتے کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں۔ کیفے فراق کی حلوہ پوری سارے شہر میں مشہور تھی اور صبح منہ اندھیرے ہی شہر سے باہر موجود سیمنٹ کی فیکٹری کو جانے والے پہلی شفٹ کے بہت سے مزدور یہیں سے ناشتہ کر کے صبح چھ بجے والی پہلی بس پکڑتے تھے۔

بارش تیز ہو چکی تھی۔ میں ٹین کی چھت والے برآمدے کے نسبتاً خشک حصے میں پڑے ایک تختے کی جانب بڑھ گیا۔ اندر سے چائے کی سوندھی اور کچھ بے چین سی کر دینے والی مہک باہر کیفے کے برآمدے تک آ رہی تھی۔

اگر صبح کا واحد تعارف روشنی اور سورج کے طلوع ہونے سے ہی تھا تو ابھی صبح ہونے میں کافی دیر باقی تھی۔ میں کچھ دیر تک بنچ پر لیٹا سڑک پر گرتی بوندوں کے فنا ہونے کا کھیل دیکھتا رہا۔ پھر نہ جانے کب نیند کی روٹھی پری میری پلکوں کے مورپنکھ سے آ کر لپٹ گئی اور میں نے آنکھیں موند لیں شکر ہے ہم غریبوں کو امیروں کی طرح نیند خریدنی نہیں پڑتی۔

مجھے سوئے کچھ ہی دیر گزری ہوگی کہ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے دھیرے سے میرا شانہ ہلایا ہو۔ چند لمحوں کے لیے میں بھول گیا کہ میں اپنے گھر میں نہیں سڑک کنارے سو رہا ہوں۔ مجھے لگا جیسے حسب معمول دیر تک سونے کی وجہ سے چھوٹی مجھے چھت پر جگانے آئی ہے۔ میں نے نیند میں اپنا غصہ نکالا "کیا مصیبت ہے.....سونے دو نا....."

"معافی چاہتا ہوں برخوردار......وہ دراصل......میں---"

ادھ کھلی پلکوں سے میں نے اپنے سامنے بارش میں شرابور ایک بزرگ کو پریشان کھڑے دیکھا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"میں تمہاری نیند خراب نہیں کرنا چاہتا تھا.....لیکن مجبوری ہی کچھ ایسی آن پڑی تھی.....گھر والی اور بچیاں میرے ساتھ ہیں اور بارش ہے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہی....."

سڑک کے کنارے ایک عورت اور دو لڑکیاں ہاتھ میں کپڑے کی چند گٹھڑیاں تھامے، ٹین کے ایک صندوق کے قریب کھڑی، خود کو بارش سے بچانے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔ ماں اور ایک لڑکی باقاعدہ برقعے میں اور دوسری لڑکی نے بھی مناسب پردہ کر رکھا تھا، لیکن تیز ہوا کے تھپیڑے انہیں بار بار سر کا پلو ٹھیک کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ سر کا

عورت کا سائبان ہوتا ہے لیکن طوفان کو بھی تو صدا ہی سائبانوں سے سروکار رہا ہے۔

میں نے سر جھٹک کر اپنے حواس بحال کیے۔

"جی فرمایئے---"

بزرگ نے اپنی بات کا سلسلہ جوڑا "دراصل ہم لوگ ابھی کچھ دیر پہلے ہی لور پوری گاڑی سے اترے ہیں۔ ہماری کل شام پانچ بجے اس شہر کے پلیٹ فارم سے لگنا تھا لیکن سیلابی پانی کی وجہ سے رات تین بجے پہنچی۔ جنہوں نے ہمیں اسٹیشن لینے کے لیے آنا تھا وہ نہ جانے کب تک ہمارا انتظار کرنے کے بعد واپس جا چکے ہیں۔ میں اس شہر میں پہلی بار آیا ہوں۔ تانگے والے کو جو پتہ زبانی یاد تھا وہی بتا دیا لیکن یہاں اترنے کے بعد اندازہ ہو رہا ہے کہ شاید ہم کسی غلط جگہ اتر گئے ہیں۔ یہ سادات محلہ نہیں ہے....."

"سادات محلہ یہاں سے زیادہ دور تو نہیں لیکن آپ اس برستی بارش میں خواتین کو لے کر وہاں تک پہنچیں گے کیسے....؟"

میری بات سن کر بزرگ نے کچھ تامل کیا۔

"میاں.....اسی لیے تو تمہیں سوتے سے جگایا ہے۔ میں جانتا ہوں تم دن بھر کی محنت مشقت کے بعد ہی یوں بے سدھ تان کر سوئے ہو گے.....لیکن اگر تم ہمیں سادات محلے کے اس مکان تک پہنچا دو تو میں معقول مزدوری دوں گا تمہیں....."

مجھے کیفے کے باہر یوں بنچ پر سوتا دیکھ کر شاید وہ مجھے کیفے کا ہی کوئی ملازم یا مزدور سمجھے تھے۔ اس میں ان کا کچھ زیادہ قصور بھی نہیں تھا۔ اس وقت میرا حلیہ ہی کچھ ایسا تھا۔ یا شاید میں نے فٹ پاتھ سے لگے جس بنچ کا اپنا بستر بنا رکھا تھا۔ اس مقام نے انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا؟ اگر میں اسی حلیے میں کسی پنج ستارہ ہوٹل کے کمرے میں سو رہا ہوتا تو لوگ اسے میرا "بے تکلف برتاؤ" "Non-formal behaviour" گردانتے۔ شاید ہمارے ظاہری حلیوں سے کہیں زیادہ ہمارے آس پاس کا ماحول ہمارے تعارف پر اثر انداز ہوتا ہے.....

میں نے کچھ کہے بغیر ان کے ہاتھ میں دبی کاغذ کی وہ پرچی پکڑ لی جس پر سادات محلے کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ "مکان نمبر 13، گلی نمبر 7، سادات محلہ" پرچی کے دوسری جانب کسی تنویر علی کا نام لکھا ہوا تھا۔ میں نے کاغذ اپنی جیب میں ڈال لیا۔ "چلیے....."

میں نے بڑے میاں کا جواب سنے بغیر قدم بڑھا دیے۔ پیچھے سے ان کی کمزور سی آواز ابھری۔

"میاں.....صندوق تو اٹھا لو....."

میں نے ایک لمبی سی سانس بھری اور دل ہی دل میں خود کو کوسا

"بڑے پھنسے آیان میاں.....اور لو سڑک کے کنارے کھلی فضا میں سونے کے مزے---" میں نے بادل نخواستہ سڑک پر پڑا ٹین کا صندوق اٹھایا۔ جانے کیا پتھر ڈال رکھے تھے بڑے میاں نے صندوق میں.....توقع کے خلاف وزن کی زیادتی کی وجہ سے ایک لمحے کے لیے میرے قدم لڑکھڑا سے گئے، چہرے کو نقاب میں چھپائے ہوئے برقعے والی لڑکی کڑک کر بولی "ٹھیک سے اٹھاؤ.....بہت نازک اور قیمتی چیزیں ہیں اندر، کہیں گرا نہ دینا سب کچھ....." غصے سے میرے خون کا بہاؤ تیزی سے میری کن پٹیوں کی طرف دوڑا۔ جی میں آئی کہ صندوق وہیں سڑک پر پھینک کر

ہاتھ جھاڑتوں کی تپائی پر ...... سمجھو اپنا ہی سامان ...... آیان احمد نے آج تک عمر میں اٹھا کر پانی کا گلاس تک نہیں
پیا ...... اور یہ محترمہ صندوق اٹھانے کا درس دے رہی ہیں؟" میں نے زور سے صندوق سڑک پر پٹخ دیا۔ سناٹے میں دور
تک کچھ ایسی آواز گونجی جیسے کسی نے بہت اونچی عمارت سے ملبہ زمین پر پھینک دیا ہو۔ برتنوں کے اندر کچھ اچھل سی مچی
اور لڑکی چلائی۔ "ارے ارے ...... دیکھ کر ......"

لیکن تب تک بڑے میاں میرے برتاؤ کا کچھ نتیجہ اخذ کر چکے تھے۔ وہ جلدی سے آگے بڑھے۔

"میاں تم اس کی بات کا برا نہ منانا ...... نادان بچی ہے ......"

پھر وہ لڑکی کی طرف پلٹے اور انتہائی غصیلی لیکن دھیمی آواز میں بگڑ گئے۔

"سمجھا ...... اب تم کچھ نہیں بولو گی ...... سمجھ گئیں ......" لڑکی نے دبی آواز میں خود سے کچھ بڑبڑاہٹ کی، لیکن جوابا کچھ نہ بولی۔ اچھا ...... تو اس نادان بچی کا نام گوہر تھا۔ بڑے میاں نے صندوق کی دوسری جانب کا کنڈا اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ "چلو صاحبزادے ...... میں تمہارا وزن کچھ ہلکا کیے دیتا ہوں۔ ...... ہم دونوں اسے اٹھا لیں گے۔"

میں نے آہستگی سے ان کا ہاتھ ایک جانب کر کے صندوق خود اٹھایا اور آگے چل پڑا۔ لڑکی نے بڑے میاں سے نظر اور زبان بچاتے ہوئے غصے میں طنزیہ جملہ پھینکا "بڑے نخرے ہیں اس قلی کے بھی ......"

میں نے سنی ان سنی کر دی کیونکہ بارش کی وجہ سے بزرگ اب ہلکے ہلکے کانپنے سے لگے تھے۔ ہم سب بارش میں بھیگی سڑک پر چھپ چھپ کرتے قریباً 20 منٹ میں سادات محلے پہنچ گئے۔ ابتدا سے ہی گلیوں کے لیمپ پوسٹ ابھی روشن تھے لہٰذا مطلوبہ مکان ڈھونڈنے میں زیادہ وقت پیش نہیں آئی۔ دوسری ہی دستک پر اندر سے لپکتے جھپٹتے ایک چھبیس ستائیس سالہ نوجوان آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگائے برآمد ہوا اور بزرگ کو دیکھتے ہی لپک کر ان کے گلے لگ گیا۔ پتہ چلا کہ یہی تنویر علی صاحب ہیں اور بزرگ جن کا نام شیخ کبیر تھا نور پور کے حالیہ سیلاب میں اپنا سب کچھ ڈبونے کے بعد اپنی مرحومہ بہن کے بیٹے کے پاس ہمارے شہر میں پھر سے ایک نئی زندگی کی ابتداء کے لیے اترے تھے۔ ماموں بھانجا کچھ دیر تک دروازے پر ہی گلے شکوے کرتے رہے اور برسنے والی بڑی عمر کی عورت تنویر کی بلائیں لیتے نہ تھکی تو مجبوراً مجھے کھنکار کر انہیں احساس دلانا پڑا کہ ان قیمتی جذبات کا اظہار وہ گھر کے اندر جا کر بھی کر سکتے ہیں۔ میرے کھانسنے پر بڑے میاں چونکے اور جلدی سے اپنی واسکٹ کی جیب سے سو سو کے دو نوٹ نکال کر میری طرف بڑھے

"معاف کرنا میاں ...... موقع ہی کچھ ایسا تھا کہ من بہک گیا۔ میں تو بے دھیانی میں تمہارا نام پوچھنا بھی بھول گیا تھا۔ لو یہ رکھ لو ...... تم نے اس برستی بارش میں بڑی ہمت دکھائی۔" میں نے روپے ان کے ہاتھ سے لے کر ان کی واسکٹ کی اوپر والی جیب میں ڈال دیے۔

"میرا نام آیان ہے ...... اور میں قلی نہیں ہوں ......"

میں نے واپس پلٹتے وقت کڑی نظروں سے خود کو قلی کے عہدے پر فائز کرنے والی "نادان" کو دیکھا اور چل پڑا۔ بڑے میاں چند لمحوں کے لیے تو ہکا بکا سے ہی رہ گئے اور پھر میرے پیچھے لپکے "ارے میاں ...... یہ کیسے ...... میرا مطلب ہے ...... دو گھڑی ہماری بات تو سن لو ......"

لیکن میں رکے بنا اس گلی سے نکل آیا۔ قریبی مسجد سے فجر کے نمازی نکل رہے تھے۔ مطلب صبح ہونے کو تھی، لیکن گھنے بادلوں اور بارش کی وجہ سے ابھی تک دھندلکا بہت گہرا تھا۔ مرکزی سڑک پر دودھ والے گوالے اور اخباری

... اپنی اپنی ... کے اطراف پر بہتے پانی میں تیزی سے دوڑتے سانپ جیسی لکیریں بناتے، اتر آئے تھے۔ میں بھی پوری طرح بھیگ چکا تھا۔ کچھ سائیکل سواروں نے سر پر کشتی نما پلاسٹک کی ٹوپیاں اوڑھ رکھی تھیں ... ان کے لیے عارضی چھتری کا کام دے رہی تھیں، لیکن کچھ میری طرح سدا کے بے سائبان بھی تھے جنہیں ... سے طوفانوں میں کچھ لٹ جانے کا خوف نہ تھا۔

میں جب "کنجِ فراق" کے گیٹ تک پہنچا تو سیاہ گھٹاؤں کے پیچھے سے ابھرتی دودھیا گلابی روشنی نے ماحول ... کی کم طاقت والے زرد بلب کا اجالا پھیلا دیا تھا۔ مجھے دور سے ہی ریحان اسی بینچ پر چھتری تانے بیٹھا نظر آ گیا۔ ... اسے گھنٹہ بھر پہلے میں [illegible] تھا۔ ریحان مجھے آتا دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"کہاں تھے تم ...... میں ریلوے اسٹیشن اور بالے کا گیراج بھی دیکھ آیا ہوں ...... یہ کوئی وقت ہے ... کرنے کا؟" ریحان نے بھیگی چھتری کو ہوا میں جھاڑ کر اسے دوبارہ ہم دونوں کے سروں پر تان لیا۔ جانے کیوں ... اسٹیشن کا ذکر سن کر غصہ آ گیا "کیوں ...... تم مجھے ڈھونڈنے ریلوے اسٹیشن کیوں گئے تھے ...... میرا فی الحال وہاں بھی ... دینے کا کوئی ارادہ نہیں ہے ......" ہمیشہ کی طرح ریحان نے فوراً ہتھیار ڈال دیے۔

"اچھا گھر چلو ...... امی ساری رات تمہاری وجہ سے سوئی نہیں ہیں ...... آج تمہارا پرچہ بھی تو ہے ......"

"کیوں ...... ؟ مغل اعظم نے میرے دیس نکالے کا فرمان واپس لے لیا ہے کیا ...... ؟ ...... مجھے نہیں جانا ... واپس ...... جا کر کہہ دو سب سے ......" ریحان نے فوراً گلے میں پڑا ہوا مفلر اتار کر اسے میری کمر کے گرد کس کر پکڑ...

"تمہارے تو اچھے بھی واپس جائیں گے ...... چلو سیدھی طرح گھر ......" یہ اس کا بہت پرانا اور آزمودہ طریقہ تھا۔ بچ... ...میں جب میں امی ابا سے کسی بات پر روٹھ کر کالونی سے باہر کھیل کے میدان میں شام تک چھپا بیٹھا رہتا تھا تو تب ... ریحان مجھے ڈھونڈ نکالنے کے بعد اسی طرح مفلر، پتلون کی بیلٹ یا کسی رسی وغیرہ سے باندھ کر کھینچتے ہوئے گھر تک ... جاتا اور امی کے حضور پیش کر دیتا تھا۔ اس روز بھی یہی ہوا۔ آس پاس سے گزرتے اجنبی حیرت سے یہ ماجرا دیکھ ر... تھے کہ قریباً ایک ہی عمر کے دو لڑکوں میں سے ایک دوسرے کو مفلر سے باندھے کھینچے لے جا رہا ہے اور دوسرا لڑتا جھگ... پیچھے کے پیچھے رواں ہے۔ محلے کے چند بزرگ جو نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو جا رہے تھے وہ ایک بار پھر د... برسوں سے دہرایا جانے والا کھیل دیکھ کر زیر لب مسکرائے۔ چند ایک نے ہنس کر ریحان کو داد دی "شاباش ریحا... بیٹا ...... جانے نہ پائے یہ بدمعاش آیان ......" "ذرا کس کے پکڑنا اس شیطان کو ......" "تیرے بڑے میاں منشا...

"اب آیا ناں اونٹ پہاڑ کے نیچے ...... بھئی یہ ریحان ہی ہے جو اس آفت کو قابو کر سکتا ہے ......"

کچھ ہی دیر میں ہم دونوں گھر کے صحن میں موجود تھے جہاں امی برآمدے میں پریشانی سے ٹہل رہی تھیں ... میری حالت دیکھ کر انہوں نے بنا کچھ کہے تولیے سے میرے بال خشک کرنا شروع کر دیے اور رافعہ جلدی سے د... ہوئے کپڑوں کا جوڑا استری کر لائی۔ امی کی نان اسٹاپ نصیحتوں کا پارہ مکمل ہو چکا تھا۔

"الو ...... کیوں ستاتا ہے اپنی ماں کو ہر وقت ...... بات کیوں نہیں مان لیتا اپنے ابا کی ...... ؟ ...... وہ تیر... بھلے کے لیے ہی تو کہتے ہیں ......" میں نے دل ہی دل میں ان کے آگے کہے جانے والے جملے اپنے دل میں دہرا... شروع کر دیے۔ "کوئی باپ اپنی اولاد کا دشمن نہیں ہوتا" ...... "تو نہیں جانتا کہ انہوں نے کس مشکل سے تم تینوں کی پرورش ... کی ہے" وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر آخر میں امی نے ایک بار پھر ابا کی ان "قربانیوں" کا ذکر کیا جو ہم تینوں بچوں سے ابھی...

تک پوشیدہ تھیں۔ میں حسب معمول ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکالتا رہا۔ کچھ ہی دیر بعد گلی میں بالے کی پھٹ پھٹیا کا سائلنسر غرانے لگا۔ میرے ابا کے ڈر سے وہ صرف ایک بار ہارن دے کر پھر وقفے وقفے سے موٹر سائیکل کو صرف ریس دیتا رہتا تھا، لیکن آج ابا صحن میں کہیں نظر نہیں آرہے تھے۔ ویسے بھی جس رات دیر سے ان کا مجھ پر قہر نازل ہوتا تھا اس کی اگلی صبح وہ میرا سامنا کرنے سے گریز ہی کرتے تھے۔ امی مجھے زبردستی ناشتہ کراتی رہ گئیں اور میں بھاگم بھاگ بالے کے ساتھ یونیورسٹی پہنچا۔ "اردو" میرے لیے ہمیشہ ہی سے بہت سہل تھی۔ شاید اردو میڈیم ہونے کا بس یہی ایک فائدہ ملا تھا مجھے۔ جبکہ بالے اور رجبہ کا پرچہ کچھ خاص نہیں ہوا۔ حسب معمول گھر واپسی پر رجبہ اور بالے میں یہی بحث ہوتی رہی کہ جانے ممتحن کو ان سے آخر ایسی کیا دشمنی تھی کہ جب وہ میر اور سودا پڑھ کر جاتے تو پرچے میں غالب ہوتا اور جس دن غالب کا دیوان گھول کر پینے کے بعد پرچہ دینے بیٹھتے تو اقبال وہاں براجمان ملتے...... ان دونوں نے طے کرلیا کہ آئندہ وہ دماغ کے بجائے کوٹ اور واسکٹ کی جیبوں میں ان شاعروں کی سوانح عمریاں اور کلام بھر کر لے جائیں گے۔

بارش کچھ تھم چلی تھی لیکن گھٹائیں اب بھی آسمان پر ایک دھانی آنچل اوڑھے ہوئے تھیں۔ ایسا آنچل جس کے کناروں پر سرمئی رنگ کی گوٹہ کناری جڑی ہوئی ہو...... بالے نے راستے ہی میں اعلان کردیا تھا کہ ایسے "قاتل موسم" میں کیفے فراق سے ادھار گرم سموسے اور چائے پیے بنا گزر جانا گناہ کبیرہ ہوگا۔ لہٰذا ہم سب اپنے گناہ بخشوانے کیفے فراق جا پہنچے۔ مجھے دور سے دیکھتے ہی کیفے کا منشی مرزا زور سے چلایا "ارے یہ رہا اپنا آیان...... بھئی یہ صاحبان بہت دیر سے تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں" میں نے مرزا کی نگاہوں کے تعاقب میں نظر دوڑائی۔ سامنے والی میز سے دو افراد اٹھ کر ملنے۔ وہ گزشتہ رات والے شیخ صاحب اور تنویر تھے۔

باب 3

میں ان دونوں کو وہاں اپنا انتظار کرتے دیکھ کر کچھ چونک سا گیا لیکن شیخ صاحب مجھے دیکھتے ہی [illegible]
وارفتگی سے میری جانب لپکے جیسے ہماری برسوں کی شناسائی ہو۔ "یہ کیا میاں...... تم تو رات ناراض ہو کر یوں چل د[illegible]
پھر دوبارہ پلٹ کر خبر بھی نہ لی۔ سچ پوچھو تو مجھے شرمندگی کے مارے ساری رات نیند نہیں آئی اور صبح ہوتے ہی تنویر [illegible]
لے کر تمہاری تلاش میں نکل پڑا۔ بھلا ہو ان مرزا صاحب کا جنھوں نے ہمیں یہیں روکے رکھا ورنہ ہم تو تمہار[illegible]
جانے والے تھے۔" "میرے دوستوں نے بھنویں اچکا کر مجھ سے بڑے میاں کا تعارف پوچھا اور پھر میرے کچھ [illegible]
پہلے ہی شیخ صاحب نے رات کا تمام ماجرا من وعن بیان کردیا۔ میں نے درمیان میں بڑی کوشش کی کہ وہ "قت[illegible]
حصہ حذف کر جائیں مگر کہاں جناب......؟ وہ بھی پوری کہانی سنا کر ہی دم لینے کو رکے۔ درمیان میں رجبہ، بالا ا[illegible]
جان بوجھ کر میرا ریکارڈ لگانے کے لیے ٹہوکے دیتے رہے "اچھا...... تو انو نے آپ کا بکس بھی گھر تک پہنچایا...... [illegible]
ہے...... بھئی کچھ بھی کہو...... ہمارا آیان ہے بڑا فرمانبردار اور سعادت مند بچہ...... قلی ہو تو ایسا...... مزہ آگیا......" آ[illegible]
تینوں شیطان یک زبان ہو کر بولے "جیتے رہو بیٹا آیان...... ہم سب کو تم پر فخر ہے......" شیخ صاحب اپنی ہی دھ[illegible]
بولے جا رہے تھے۔ "ہاں ہاں...... تم سب کو اپنے دوست پر فخر تو ہونا ہی چاہیے...... آج کل کون کسی کے لیے ا[illegible]
ہے۔" میں نے خون کے گھونٹ پیتے ہوئے اپنے گروہ کی جانب دیکھا اور شیخ صاحب سے پوچھا "آپ نے صرف [illegible]
شکریہ ادا کرنے کے لیے اتنی زحمت کیوں اٹھائی...... مجھے جو ٹھیک لگا وہ میں نے کیا" لیکن شیخ صاحب اپنی ہی با[illegible]
اڑے رہے اور آخر کار بڑی مشکل سے یہ وعدہ لے کر واپس پلٹے کہ میں پہلی فرصت میں ان کی طرف حاضری دو[illegible]
میری طرف سے رجبہ اور بالے نے بڑے خشوع وخضوع سے انھیں یقین دلایا کہ مجھے شیخ صاحب کی طرف [illegible]
اب ان کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا وہ بے فکر ہو کر گھر جائیں اور ہماری آمد کا انتظار اور استقبال کی تیاری کریں۔ ا[illegible]
جانے کے بعد میں اپنے دوست نما دشمنوں کی طرف پلٹا "یہ سب کیا تھا......؟ تم لوگ کبھی نہیں سدھر سکتے [illegible]
ضرورت تھی ان کے سامنے یہ ساری بکواس کرنے کی......" لیکن وہ تینوں میری کوئی بات سنتے تب نا...... وہ [illegible]
اپنے قہقہوں کو روک روک کر مجھے گھورتے رہے "اچھا انو...... یہ تو بتا یار...... وہ تھی کیسی...... جس نے تجھے قل[illegible]
دے دیا......" "ہاں بیٹا...... ہم سب سمجھتے ہیں تیری اس "خدمت خلق" کو...... بیٹے کا بیٹا کچھ دیکھ کر ہی کر[illegible]

ضرور۔۔۔۔ کچھ نہ کچھ تو کالا ہے دال میں۔۔۔۔ سچ بتاؤ۔۔۔۔ کیسی دکھتی تھی وہ اور وہ بڑی والی کیسی تھی۔۔۔۔" "میرا پارہ اب آسمان کو چھونے لگا تھا۔ آخر کار میں پھٹ پڑا" کیا بتاؤں کیسی دکھتی تھیں وہ۔۔۔۔ دونوں ورجن گز بھر شیٹ نما برقعوں اور چادروں میں ملبوس تھیں۔۔۔۔ آنکھ بھی بس ایک ہی اور بقدرے ضرورت باہر نکال رکھی تھی۔ بس۔۔۔۔ ہوگئی تسلی۔۔۔۔ یا مزید کچھ بتاؤں۔۔۔۔" میری بات سنتے ہی ان تینوں کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی" کیا۔۔۔۔ برقعے میں۔۔۔۔ لعنت تیرے کی۔۔۔۔" "ہم سب جانتے تھے کہ ہماری زندگیوں میں ایسے کسی شٹل کاک برقعے والی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

اگلے چند روز نتیجہ نکلنے تک ہماری چھٹیاں تھیں لہٰذا میں نے رافعہ اور بابے کو سختی سے منع کیا کہ خبردار جو کسی نے مجھے صبح گیارہ بجے سے پہلے جگانے کی کوشش کی، لیکن کچھ خواب ہمیشہ ادھورے رہ جاتے ہیں۔ میں بھی اگلی صبح جانے کس خواب کی نیلگوں وادی میں بھٹک رہا تھا کہ اچانک میرے خوابوں کے ریزہ ریزہ گرنے کی آواز گونجی" آیان کے بچے چلو اٹھو۔۔۔۔ ابا نیچے بلا رہے ہیں تمہیں۔" "میں نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔ ریحان کسی منکر نکیر کی طرح میرے سر پر کھڑا میرا کاندھا ہلا کر مجھے جگا رہا تھا۔" کیا مصیبت ہے۔۔۔۔ چھٹی کے دن بھی ٹھیک سے نیند پوری نہ کرنے دیا کبھی۔۔۔۔"

"تم نیچے چلو۔۔۔۔ ابا ساری نیندیں پوری کروائیں گے تمہاری۔۔۔۔"

میں نیچے اترا تو ابا صحن میں یوں بے چینی سے ٹہل رہے تھے جیسے میرا بی اے کا نتیجہ اعلان ہونے سے پہلے ہی ظاہر ہو گیا ہو۔ مجھے دیکھ کر ان کی تیوری چڑھ گئی" یہ وقت ہے تمہارے جاگنے کا۔ دوپہر ہونے کو ہے" میں چپ رہا۔ ابا نے میرے جواب کا انتظار نہیں کیا" تمہارے پرچے ختم ہو گئے ہیں۔ اب آگے کیا ارادہ ہے۔۔۔۔؟"

"جی نتیجہ آجائے۔۔۔۔ تو پھر کچھ سوچوں گا۔۔۔۔" وہ تیزی سے میری جانب مڑے۔

"کیا مطلب۔۔۔۔ کیا نتیجہ آنے تک اگلے تین ماہ یونہی سارا دن چارپائی توڑتے رہو گے۔۔۔۔؟۔۔۔۔ جانتے ہو جب میں تمہاری عمر کا تھا تو میں صبح چار بجے اٹھ کر پہلے اخبار بانٹتا تھا اور پھر صبح سے شام تک تین ٹیوشنز پڑھانے جاتا تھا۔ چھٹیاں بھی کبھی ضائع نہیں کی تھیں میں نے۔۔۔۔" "میں نے بیزاری سے ایک لمبی سانس بھری اور برآمدے میں پریشان سی بیٹھیں امی کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھا کہ وہ مجھے اگلے دو گھنٹے کے بیزار کن لیکچر سے بچائیں۔ لیکن آج وہ بھی بے بس سی نظر آرہی تھیں۔ آخر پونے گھنٹے کے نصیحت آمیز "خطاب" کے بعد ابا نے حکم صادر کر دیا کہ چونکہ ریحان نوکری کی تلاش میں صبح سے شام کرتا ہے لہٰذا گھر کے خرچے میں ہاتھ بٹانے کے لیے مجھے بھی کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔ لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ میں نے آج تک کوئی کام کیا ہی نہیں تھا۔ بہرحال امی اور رافعہ کے اشاروں پر میں خاموش کھڑا رہا۔ مغل اعظم فرمان سنانے کے بعد گھر سے نکل گئے لیکن مجھے ایک نئی آزمائش میں ڈال گئے۔

میری نیند اڑ چکی تھی اور مجھے فوری طور پر اپنی تینوں کی کابینہ سے مشورے کے لیے کیفے فراق پہنچنا پڑا۔ لیکن وہاں بھی ریسٹورنٹ کا خالی ہال میرا منتظر تھا۔ تب مجھے یاد آیا کہ میں نے خود ہی تو سب دوستوں کو اپنی نیند میں مداخلت نہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ مجھے سوچوں میں گم بیٹھا دیکھ کر چچا فراق میری میز کی جانب چلے آئے۔" آج وہ باقی تین لفنگے نظر نہیں آرہے۔ اور میاں۔۔۔۔ پورے پونے چار سو کا ادھار چڑھ چکا ہے کھاتے میں۔۔۔۔ پیسے کب دو گے۔۔۔۔؟" میں نے عجیب نظروں سے چچا کو دیکھا" ایک تو میں پہلے ہی ابا کی وجہ سے اتنا پریشان ہوں اوپر سے آپ بھی میرا ہی ادھار

الگا ہے۔۔۔۔ بھئی دنیا بدل گئی لیکن ان کی ہیڈ ماسٹری نہ گئی۔ اچھا چلو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔۔ تمہارا گرم چا
و۔۔۔۔ اور میں تمہارے لیے فریش کریم رول بھجواتا ہوں۔" "ایسے ہی تھے ہمارے چچا فراق باہر سے پتھر اور اندر
شم۔۔۔۔ بالکل کسی اخروٹ کی طرح۔ کچھ ہی دیر میں میں وہیں بیٹھا چائے اور فریش رول کے ساتھ اپنا غم غلط کر ر
کہ اچانک باہر۔۔۔۔ کچھ ہنگامے کی آوازیں ابھریں۔ میں نے کھڑکی سے باہر نظر دوڑائی تو کیفے کے منشی مرزا کو تین
ے مشٹنڈے لڑکوں کے ساتھ الجھتے پایا۔ میں لپک کر باہر نکلا تو سب سے آگے والا لڑکا مرزا کے گریبان پر ہاتھ ڈ
پکا تھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے مرزا کا گریبان چھڑا لیا اور مرزا سے پوچھا" یہ کیا چاہتے ہیں مرزا۔۔۔۔؟" لیکن
بے چارے کی حالت ایسی تھی کہ اس وقت وہ صرف ہوں ہاں کر کے ہی رہ گیا۔ لیکن لڑکوں کا سرغنہ شاید ایسی مداخل
عادی نہیں تھا۔ وہ غصے سے لال پیلا ہو کر غرایا" اپنے کام سے کام رکھو۔۔۔۔ ورنہ تمہاری بھی ہڈی پسلی ایک کر
گے۔۔۔۔" میں نے کچھ جواب دیے بنا مرزا کو ایک ہاتھ سے دھکیل کر پیچھے کر دیا اور خود اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔"
ہے۔۔۔۔ تو پھر پہلے مجھ سے ہی نپٹ لو۔۔۔۔ اس کے بعد وقت بچے تو مرزا کی ہڈیاں بھی گن لینا۔۔۔۔" "ان تینوں کے چہ
زخم کھائے سانپ کی طرح تن گئے۔ سرغنہ نے میری جانب قدم بڑھایا لیکن تبھی نہ جانے کس طرف سے چچا فراق
کا بیچ ہمارے درمیان آ کھڑے ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں پانچ سو کے تین نوٹ تھے جو انہوں نے سرغنہ کی جیب
ڈال دیے اور لڑکے سے بولے

"معاف کرنا شوکت بیٹا۔ ذرا دیر ہو گئی۔۔۔۔ دراصل میں تمہارے ہی کام سے ساتھ والے دودھ والے کے
گیا تھا۔ چلو اب غصہ تھوک دو۔ آئندہ دیر نہیں ہوگی۔۔۔۔" "لیکن شوکت نامی سرغنہ کی آنکھوں سے اب بھی شعلے نکل
تھے۔" یہ خدائی خدمت گار کون ہے چچا۔۔۔۔ کیا تم نے اسے بتایا نہیں کہ یہاں کس کی حکومت چلتی ہے۔" چچا فراق
معاملہ رفع دفع کرنے کی کوشش کی۔" جانے دو شوکت بیٹا۔۔۔۔ یہ بھی اپنا ہی بچہ ہے۔۔۔۔ اسے ان معاملات کی خبر
ہے۔۔۔۔ میں اسے سمجھا دوں گا" شوکت کی قہر برساتی نظریں اب بھی مجھ پر ہی گڑی ہوئی تھیں" تم ہی سمجھا دو
ہے۔۔۔۔ اور جتنی جلدی سمجھ جائے اتنا ہی بہتر ہے۔۔۔۔ ورنہ میں نے سمجھایا تو۔۔۔۔" "اتنے میں شوکت کے پیچھے کھ
لڑکوں میں سے ایک بولا" جلدی کر شوکی۔۔۔۔ ابھی بڑی وصولی باقی پڑی ہے۔" شوکت نے آخری بار نظر بھر کے
دیکھا اور زیرلب کچھ بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اس تمام عرصے میں چچا فراق نے میرا دایاں بازو سختی
جکڑ کر پکڑے رکھا تھا جیسے انہیں خدشہ ہو کہ میں جذبات میں کچھ کر نہ بیٹھوں۔ ان کے جانے کے بعد میں مرزا کی
پلٹا" یہ کیا ماجرا تھا۔۔۔۔؟۔۔۔۔ اور یہ لوگ اس طرح دھمکا کیوں رہے تھے جیسے کوئی پرانا ادھار باقی ہو ان لوگوں کا۔۔۔۔"

چچا نے بات ٹالی" آیان بیٹا تم ان باتوں میں نہ پڑو۔ یہ کوئی پرانا حساب کتاب ان لوگوں کا۔۔۔۔ ایسے
کے آڑے نہیں آیا کرتے۔ ہاں بھئی مرزا۔۔۔۔ تم ذرا میرے ساتھ چلو۔۔۔۔ کچھ ضروری حساب کرنا ہے۔ پچھلے ماہ کا

صاف لگ رہا تھا کہ وہ مرزا کو بھی کسی بہانے وہاں سے لے جانا چاہتے ہیں تاکہ میں اسے نہ کرید
ان دونوں کے جانے کے کچھ دیر بعد ہی رجب پارٹی آ پہنچی۔ میں نے کچھ دیر پہلے کا سارا واقعہ انہیں تفصیل کے سا
تو وہ تینوں بھی سوچ میں پڑ گئے۔ ٹھیک اسی وقت سڑک پر وہی تین لڑکے پرانی سی ویلنز جیب میں تیزی سے
نکلتے ہوئے گزر گئے۔ میں نے ان کی طرف اشارہ کیا" یہی تین سورما تھے وہ۔۔۔۔" "بالا ایسے موقعوں پر زیادہ جذ

گا۔ پہلے مرزا کو گھیر رہا ہوگا اکیلے میں۔۔۔ کیونکہ چاچا فراق کے سامنے وہ کچھ نہیں بتائے گا۔۔۔" اور پھر ٹھیک کیفے بند ہونے کے وقت پر ہم چاروں کاؤنٹر کے سامنے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے تھے۔ پیسے گنتے ہوئے مرزا نے ہم چاروں کو یوں ساکت کھڑے دیکھا تو وہ گھبرا سا گیا" کیوں بھئی۔۔۔ کیا ارادے ہیں۔۔۔؟" عشی نے اپنی آواز گھمبیر بناتے ہوئے اسے دھمکایا" آج کی جتنی بھی کمائی ہے۔۔۔ نکال کر سامنے کاؤنٹر پر رکھ دو۔۔۔" مرزا کھسکھایا۔" کیوں مذاق کرتے ہو۔ میرا دل ویسے ہی بڑا کر رہا ہے۔۔۔" ربیعہ بولا" ٹھیک ہے تو پھر آج جن لڑکوں کو چچا نے پیسے دیے تھے۔ ان کا سارا کچا چٹھا بتا دو ورنہ آج سے ہم بھی پیسے جمع کرنے کا وہی طریقہ آزمائیں گے۔۔۔" مرزا ان لڑکوں کا ذکر سن کر بدحواس سا ہوگیا اور اس نے جلدی میں دائیں بائیں نظر دوڑائی۔ میں نے اسے اطمینان دلایا" فکر نہ کرو۔۔۔ فراق چچا گھر جا چکے ہیں۔۔۔" مرزا اب بھی خوف زدہ سا تھا" لیکن اگر مالک کو پتہ چلا کہ میں نے۔۔۔"

"فکر نہ کرو۔۔۔ انہیں کچھ پتہ نہیں چلے گا۔۔۔" مرزا نے جلدی جلدی بڑے چھوٹے نوٹ الگ کر کے ان پر ربڑ بینڈ چڑھایا اور تجوری میں رکھ کر ہماری جانب پلٹا۔ اس کی آواز اب بھی سرگوشی نما تھی۔

"وہ تینوں رنگا بھائی کے آدمی تھے۔ بھتہ اکٹھا کرنے آئے تھے۔" ربیعہ نے حیرت سے اسے دیکھا" رنگا بھائی۔۔۔ یہ رنگا کون ہے مرزا جی۔" مرزا نے جلدی سے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی۔" شش۔۔۔ آہستہ بولو۔۔۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ تم لوگ رنگا کو نہیں جانتے۔۔۔ سارنگا عرف رنگا بھائی۔ اس پورے علاقے کا ان داتا ہے وہ۔۔۔ اس کی مرضی کے بغیر چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی اس ایریا میں۔۔۔"

"کیوں۔۔۔ وہ اس علاقے کا وزیر ہے کیا۔۔۔ اور پہلے تو کبھی اس کا نام نہیں سنا ہے ہم نے۔۔۔"

"ارے میاں وزیر خود رنگا بھائی کے گھر کا پانی بھرتے ہیں۔۔۔ اور پہلے وہ یہاں ہوتا ہی کب تھا جو تم اس کا نام سنتے۔۔۔ رنگا ایسے چھوٹے شہروں کی بادشاہت قبول نہیں کرتا۔ جانے کیا بات ہے جو اس مرتبہ وہ یہاں آکر ٹک گیا ہے۔" ہم سب حیرت سے مرزا کی طرف دیکھ رہے تھے جو سارنگا کا تعارف یوں کروا رہا تھا جیسے وہ کوئی دیومالائی کردار ہو۔ مجھ سے رہا نہیں گیا" لیکن اگر وہ ایسا ہی کوئی لاٹ صاحب ہے تو اس کے کارندے گلی گلی دوکان دوکان یہ چندہ کیوں اکٹھا کرتے پھرتے ہیں۔۔۔؟" مرزا نے اپنا سر کھجایا" اب یہ تو اللہ ہی بہتر جانے۔۔۔ اور پھر کسے پتہ کہ یہ بھتہ وصولی سارنگا کے ہی حکم سے ہوتی ہو یا پھر یہ لونڈے لپاڑے اس کے نام پر یہ بدمعاشی کرتے ہوں بہر حال۔۔۔ ایک بات تو طے ہے کہ جو بھی یہ بھتہ دیتا ہے پھر علاقے کے باقی تمام غنڈوں، چور اچکوں بشمول پولیس۔۔۔ کوئی بھی بھتہ دینے والے دوکاندار پر بری نظر نہیں ڈال سکتا۔۔۔ پھر وہ بندہ سارنگا کی ذمہ داری بن جاتا ہے۔۔۔" ربیعہ جو بہت دیر سے یہ ساری کہانی برداشت کر رہا تھا بے زار ہو کر بولا" مجھے تو یہ سب کسی انڈین فلم کا پلاٹ لگتا ہے۔ یہ رابن ہڈ Robin Hud ٹائپ کردار آج کل کہیں نہیں پائے جاتے اور مرزا جی۔۔۔ تم یہ بھتہ اگر ہم چاروں کو باقاعدگی سے ادا کرو تو آج سے کیفے فراق اور تمہاری جان کی ذمہ داری ہماری۔۔۔ کسی کی کیا مجال جو اس کیفے کی طرف آنکھ بھی اٹھا کر دیکھ سکے۔۔۔"

مرزا نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔" تم لوگوں کو مذاق سوجھ رہا ہے اور میں نے خود اپنی آنکھوں سے یہ بھتہ نہ دینے والوں کے گھر اور کاروبار تباہ ہوتے دیکھے ہیں۔ خدا کے لیے اس ساری بات کا ذکر مالک سے ہرگز نہ کرنا۔ ورنہ میری خیر نہیں۔۔۔"

مرزا ہمیں گہری سوچ میں گم چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ شہر کی بتیاں بجھ چلی تھیں اور صرف سڑکوں کے کنا
زرد بتیوں کی روشنی آس پاس پھیلی ہوئی تھی۔ اس وقت ہم چاروں کے ذہن میں ایک ہی بات گردش کر رہی تھی
چاروں میں سے کوئی بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ یہی ایک بات ہماری زندگیوں کا رخ پلٹنے والی تھی۔

اگلی صبح ربیعہ میرے جاگنے سے پہلے ہی گلی میں موجود تھا۔ میں نے اسے چھت سے وہیں اوپر آنے
کیا۔ ربیعہ ساری معلومات لے کر آیا تھا۔ بھتہ لینے والے لڑکے ہر جمعرات کو ہمارے محلے کے اطراف اسی پرا
کی ویلیز جیپ میں آتے تھے۔

ہم فیصلہ کر چکے تھے کہ اگلے ہفتے ہمیں کیا کرنا ہے۔ میں اور ربیعہ سر جوڑے اپنی منصوبہ بندی میں
کھوئے ہوئے تھے کہ ہمیں ریحان کے چھت پر آنے کی خبر ہی نہیں ہوئی۔ اس نے ہمیں یوں سرگوشیاں کرتے
مشکوک سا ہوگیا۔" یہ تم دونوں کون سے منصوبے کی کڑیاں جوڑ رہے ہو۔۔۔ آیان خدا کے لیے اب مزید کوئی کار
بیٹھنا۔ ابا پہلے ہی تم سے بہت ناراض ہیں۔۔۔ اس بار وہ تمہاری کوئی غلطی معاف نہیں کریں گے۔۔۔" میں نے
کی بات حسب معمول ہوا میں اڑا دی۔۔۔" اچھا اچھا۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ اب تم میرے ابا جی بننے کی کوشش نہ کر
پتہ ہے کہ کیا ٹھیک ہے اور کیا غلط۔۔۔" اتنے میں نیچے گلی میں بالے کی چست چھٹی کا سائلنسر گونجا اور میں اور ربیعہ
کے منع کرنے کے باوجود چھت سے ملحق گلی میں اترتے پائپ سے لٹکتے ہوئے گلی میں کود گئے۔ یہ ہمارا خاص
کٹ تھا۔ بالے اور عشی نے بھی اپنا کام نبٹا لیا تھا۔ بالے نے خبر دی" سب پتہ چل گیا ہے۔۔۔ وہ بھتہ لینے ک
سادات محلے کی چوڑی گلی سے کرتے ہیں۔۔۔ کل حمزہ دوکاندار بھتہ دیتے ہیں انہیں وہاں۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ تو پھر ہمیں ایک مرتبہ سادات محلے کی چوڑی گلی کے آس پاس کے علاقے کا جائزہ
ہوگا تاکہ ہم یہ فیصلہ کر سکیں کہ ان سورماؤں کو کہاں روکنا ہے۔" میری بات پر سبھی نے سر ہلائے اور کچھ دیر بعد
سادات محلے کی چوڑی گلی سے ملحق گلیوں کے چکر کاٹ رہے تھے۔ تیسری گلی جہاں بھتہ دینے والا صرف ایک د
تھا نسبتاً کچھ سنسان تھی۔ ہم نے سارنگا کے غنڈوں کو روکنے کے لیے یہی گلی منتخب کر لی۔ ابھی ہم دیگر جزئیات
رہے تھے کہ اچانک میرے کاندھے پر کسی کے ہاتھ کا نرم دباؤ محسوس ہوا۔" واہ آیان صاحب۔۔۔ بڑی راہ دکھا
نے۔۔۔ لگتا ہے وعدہ کر کے بھول گئے۔۔۔" میں چونک کر پلٹا۔ میرے سامنے تنویر کا مسکراتا چہرہ تھا۔" ماموں
آپ کا انتظار کرتے ہیں۔۔۔ لگتا ہے آپ نے ہماری خطا ابھی تک معاف نہیں کی۔۔۔"

"نہیں نہیں۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ بس امتحانات کی مصروفیت میں الجھے رہے ہم سب۔"

"ٹھیک ہے اگر ایسی بات ہے تو آپ ابھی اسی وقت میرے ساتھ گھر چلیں ماموں کو پتہ چلا کہ آپ
محلے تک آ کر واپس لوٹ گئے ہیں تو وہ مجھ سے بہت ناراض ہوں گے۔۔۔" میں نے تنویر کو ٹالنے کی بہت کوشش
لگتا تھا وہ مجھے ساتھ لے جائے بنا نہیں جائے گا۔ میں نے اپنے دوستوں کو اشارتاً اپنا کام جاری رکھنے کا کہا اور
کے ساتھ چل پڑا۔ تنویر مجھے چند لمحوں کے لیے دروازے کے باہر انتظار کرنے کا کہہ کر گھر کے اندر گیا اور دوسر
لمحے شیخ صاحب لپکے جھپکتے دروازے سے برآمد ہوئے اور گلے شکوے کرتے ہوئے میرا ہاتھ پکڑ کر گھر کے اند
گئے۔ کچن والا چھوٹا سا صاف ستھرا گھر تھا۔ جس میں چاروں جانب پھولوں کی کیاریاں بنی ہوئی تھیں جن

گیا تھا۔ شیخ صاحب مجھے نفاست سے سجی ایک چھوٹی سے بیٹھک میں لے آئے۔ "کیا میاں...... لگتا ہے تم بھول گئے شیخ کبیر کو......" شیخ صاحب کافی دیر اپنے دکھڑے سناتے رہے۔ انہی کی زبانی مجھے پتہ چلا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے حمید کو نور پور اپنی بچی کچی متاع کے حساب کتاب کے لیے چھوڑ آئے تھے۔ یہاں وہ اپنی گھر والی اور دونوں بیٹیوں کے ساتھ آئے تھے۔ چھوٹی بیٹی گہنا کا نام تو میں سن چکا تھا۔ البتہ بڑی کا ذکر کرتے ہوئے شیخ صاحب کی آواز کچھ بھرا سی گئی "بڑی کا نام ستارہ ہے میاں...... لیکن نصیب کے معاملے میں اس کا تارہ بہت سیاہ نکلا۔ شادی کے تیسرے ماہ ہی شوہر ایک حادثے میں چل بسا، اور گزشتہ ڈیڑھ سال سے وہ ایک بیوہ کی زندگی گزار رہی ہے۔ خدا کسی کی بیٹی کو بھی بیوہ نہ کرے۔" ماحول سوگوار سا ہوگیا۔ شیخ صاحب مجھ سے معذرت کرکے کمرے سے باہر نکل گئے۔ تنویر شاید پہلے ہی چائے کے لوازمات وغیرہ کے سلسلے میں زنانے میں ہاتھ بٹا رہا تھا۔ مجھے وہاں سے نکلنے کی جلدی تھی کیونکہ باہر میرے دوست میری راہ تک رہے تھے۔ اچانک درمیانی دروازے کی جانب سے کچھ آہٹ بلند ہوئی، اور کسی کی شرارت بھری کھنکتی آواز گونجی۔

"اوہ...... تو وہ والے آیان صاحب تشریف لائے ہیں...... جو قلی نہیں ہیں......"

میں چونک کر پلٹا۔

باب 4

دروازے پر پڑے پردے کی آڑ میں ضرور چھوٹی والی گہنا ہی تھی۔ کیونکہ بڑی والی کی تو میں نے کبھی آ[illegible]
نکلتے نہ سنی تھی۔ میرے منہ سے بے اختیار نکلا "جی...... فرمائیے...... مزید کچھ سامان ڈھونا ہو تو میں حاضر ہو[illegible]
دوسری جانب سے بے اختیار دبی دبی ہنسی کی آواز ابھری۔

"نہیں...... فی الحال تو ایسی کوئی ضرورت نہیں...... البتہ جب بھی مزدوری کا کچھ کام آن پڑا تو آپ[illegible]
ضرور دیں گے......"

پردے کے پیچھے مزید کچھ کھسر پھسر ہوئی جیسے کوئی اور بھی وہاں موجود ہو اور وہ گہنا کو دبی آواز میں [illegible]
رہا ہو۔ پھر گہنا کی ہی آواز آئی۔

"آپی آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں......"

گویا گہنا سے بڑی ستارہ بھی وہیں موجود تھی۔ چند لمحے سکوت کے گزرے اور پھر قدرے گھبرائی سی آواز [illegible]

"ہم سب آپ سے اس روز کے رویے کی معذرت چاہتے ہیں...... گہنا کی زبان کو لگام نہیں ہے۔ [illegible]
پیار نے اسے بگاڑ دیا ہے، لیکن امی گہنا کی اس رات کی حرکت پر بہت نادم ہیں......"

"آپ لوگ خواہ مخواہ ہی پریشان ہو رہے ہیں۔ وہ بات تو اسی رات ختم ہوگئی تھی۔ رہی بات گہنا [illegible]
ایسی "نادان بچیوں" کی بات کا برا نہیں منایا کرتا۔ اپنی امی سے کہیں دل پر بوجھ نہ لیں۔"

میری "نادان بچی" والی اصطلاح پر اندر شاید گہنا پر کچھ چوٹ ہوگئی، تبھی وہ ایک دم بولی "میں نادان [illegible]
ہوں...... تھرڈ ائیر میں پڑھتی ہوں...... سمجھے آپ...... اور مجھے بالکل پسند نہیں کہ ابا یا کوئی اور مجھے نادان بچی [illegible]
میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ تیر نشانے پر لگا تھا۔ اتنے میں بیرونی دروازے پر برتنوں کی آہٹ ہو[illegible]
صاحب تنویر کے ساتھ چائے کی ٹرے اور کیک، بسکٹ وغیرہ لیے اندر داخل ہوئے۔ درمیانی کمرے کے پ[illegible]
پیچھے خاموشی چھا گئی۔ چائے کے دوران شیخ صاحب کے دل میں چھپا سوال زبان پر آ ہی گیا۔

"آیان بیٹا...... ایک بات کی سمجھ نہیں آئی...... تمہارا اپنا گھر خدا کے فضل سے قائم و سلامت ہے [illegible]
اس رات تم وہاں اس ہوٹل کے باہر برستی بارش میں فٹ پاتھ پر کیوں سو رہے تھے؟"

"اس لیے کہ میرے ابا نے اس رات مجھے گھر بدر ہونے کا حکم دے دیا تھا۔" شیخ صاحب شاید ایسے کسی جواب کی توقع نہیں کر رہے تھے لہٰذا اچھل ہی پڑے "کیا مطلب.....؟..... یعنی کہ..... لیکن کیوں.....؟..... بھئی تم تو بڑے فرمانبردار بچے ہو....."

"شکریہ..... لیکن میرے ابا کے خیالات آپ سے کافی مختلف ہیں....." میں نے بنا کچھ چھپائے تفصیل سے شیخ صاحب کو اس رات کی تمام روداد بتا دی۔ تنویر اور شیخ کبیر حیرت سے سنتے رہے۔ پھر شیخ صاحب نے ہی بات جوڑی۔ "مجھے تمہاری صاف گوئی بہت اچھی لگی۔ ماں باپ کا اپنی اولاد کے لیے فکرمند ہونا بھی ایک معمول کی بات ہے۔ مجھے امید ہے کہ جب تم کسی مقام پر پہنچ کر دکھاؤ گے تو تمہارے یہی ابا فخر سے لوگوں کو تمہارے بارے میں بتایا کریں گے۔" تنویر نے مجھے بتایا کہ وہ مقامی ہائی سکول میں تاریخ اور جغرافیہ پڑھاتا ہے اور شام کو بچوں کو ٹیوشن بھی دیتا ہے۔ اس نے مجھے بھی پیش کش کی کہ اگر میں کچھ پیسے کمانا چاہوں تو وہ میرے لیے کوئی ٹیوشن ڈھونڈ سکتا ہے۔ بلکہ اسے ان دنوں بھی اپنے کسی جاننے والے کی خواہش پر کوئی استاد درکار تھا۔ میں نے تنویر کو بتایا کہ میری پڑھائی لکھائی سے کچھ خاص بنی نہیں ہاں البتہ اگر اردو کے لیے کوئی ٹیوشن درکار ہو تو شاید میں پڑھا سکوں۔

میری بات سن کر تنویر کا چہرہ کھل اٹھا۔ "بہت خوب..... پھر تو سمجھو کام بن گیا۔ بارہویں جماعت کی ایک طالبہ کے لیے اردو کا استاد درکار ہے۔ مہینے کے دو ہزار ملیں گے۔ شاید کچھ زیادہ بھی طے ہو جائیں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ کو اس طالبہ کے گھر جانا ہوگا۔ سواری کا انتظام بھی وہ لوگ خود ہی کریں گے....." مجھے اپنے ابا کی آخری وارننگ یاد آئی اور میں نے ہامی بھر لی۔ تنویر نے وعدہ کیا کہ وہ اگلے روز ہی میری ٹیوشن پکی کروا دے گا۔ مجھے اپنے چوبیس گھنٹوں میں سے ایک گھنٹے کی قربانی دینی تھی، لیکن مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے مجھے عمر قید کی سزا سنائی جا رہی ہو۔ پابندی بھی تو ایک قید ہی ہوتی ہے بلکہ شاید خود کو پابند کرنا قید سے بھی بڑی قید ہوتی ہے۔ ہماری تمام زندگی کا فلسفہ اور سزا و جزا کا تمام تصور ایک اسی "پابندی" کے محور کے گرد ہی تو گھومتا ہے۔

کافی دیر بعد مجھے شیخ صاحب نے صرف اس شرط پر جانے کی اجازت دی کہ میں اب ان کے ہاں آتا جاتا رہوں گا۔ میں رخصت ہونے کے لیے کھڑا ہوا تو درمیانی کمرے کے پردے کے پیچھے سے کسی خاتون کے کھانسنے کی آواز سنائی دی۔ شیخ صاحب بے تکلفی سے بولے "آ جائیں شگفتہ جی..... آیان بھی تنویر کی طرح اپنا ہی بچہ ہے۔" پردے کے پیچھے سے شیخ صاحب کی گھر والی برآمد ہوئیں۔ آج وہ صرف ایک بڑی سی چادر سے خود کو ڈھانپے ہوئے تھیں۔ انہوں نے میرے سلام کے جواب میں آگے بڑھ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائیں دیں اور چلتے وقت خواہش ظاہر کی کہ وہ اور ان کی بچیاں اس نئے ماحول میں کسی اپنے اور شناسا چہرے کی رفاقت کے بغیر اداس سے ہو گئے ہیں لہٰذا میں اپنے گھر کی خواتین کو لے کر ضرور ان کے ہاں آؤں۔ میں نے انہیں امی اور چھوٹی رافعہ کے بارے میں بتایا اور انہیں بھی اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔

جب میں شیخ صاحب کے گھر سے باہر نکلا تو وہ تینوں اسی گلی کی نکڑ پر میرا انتظار کر رہے تھے۔ راجہ سے رہا نہ گیا "خیر تو تھی..... بڑی دیر لگا دی ہم تو سمجھے تھے کہ شیخ صاحب نے تمہیں گھر دامادی ہی سونپ دی ہے۔"

"حکومت..... یہ بتاؤ سارا آگا پیچھا دیکھ لیا ہے.....؟"

"ہاں..... [illegible]"

کے سامنے نہیں آؤ گے۔ کیونکہ وہ تمہیں پہلے دیکھ چکے ہیں اور ہم اپنے محلے سے اتنی دور انہیں اسی لیے روک رہے ہیں [illegible]
وہ اس معاملے کا کوئی بھی سرا کسی فراق سے نہ جوڑ سکیں۔ بلکہ ہم تینوں بھی چہرے چھپا کر ان کا راستہ روکیں گے.....

مشی لڑائی جھگڑے سے ذرا کتراتا تھا۔ اس کے چہرے پر اب بھی پریشانی کے آثار تھے "لیکن یار کیا بھتہ لینے سے روکنے کے لیے یہ سب کرنا ضروری ہے..... ہم لوگ ویسے ہی ان سے جا کر بات کیوں نہیں کر لیتے....."

"وحشت تیرے کی....." راجہ نے اس کے سر پر ایک چپت رسید کی۔

"اور تم کیا سمجھتے ہو کہ ہماری اس درخواست پر کہ جناب عالی براہ مہربانی آپ ہمارے علاقے سے آئندہ بھتہ اکٹھا نہ کریں تو بڑی مہربانی ہوگی..... وہ مسکرا کر کہیں گے کہ عالی حضور..... آپ لوگوں نے تو ہماری آنکھیں [illegible] ہیں..... آج کے بعد اگر ہم آپ کے علاقے میں قدم دھریں تو جو چور کی سزا وہ ہماری....." مجھے راجہ کے انداز [illegible] گئی۔ بالے نے بڑے بزرگوں کی طرح مشی کو سمجھایا۔

"مشی بیٹا..... وہ بچھے ہوئے غنڈے ہیں..... بات بے بات چاقو چلا دینے والے..... ان سے ہمیں [illegible] زبان میں ہی بات کرنا ہوگی..... اگر تمہیں ڈر لگ رہا ہے تو اس روز تم آرام سے گھر میں بیٹھ کر اپنی امی کے ہاتھ کی بریانی کھانا اور ہمیں یاد کرنا....." مشی کی امی بریانی بہت اچھی بناتی تھیں لیکن مشی کی یہی کمزوری اس کی چڑ بھی تھی [illegible] بھنا کر بولا "ڈرتی ہے میری جوتی..... جو ہوگا دیکھا جائے گا....." بالے اور راجہ نے نظر بچا کر مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کو آنکھ ماری۔ ان کا مقصد حل ہو چکا تھا۔

میں گھر پہنچا تو امی اور رافعہ، ریحان سمیت صحن میں ہی بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ امی نے مجھے [illegible]
"لو..... تو یہ سارا دن گھر سے باہر کہاں بھٹکتا پھرتا ہے..... کبھی دو گھڑی ماں کے ساتھ بھی بیٹھ جایا کر..... جا رافعہ [illegible] بھائی کے لیے گرم چائے لے آ....." میں نے ریحان سے پرانا بدلہ چکایا "امی..... آپ کے پاس آپ کی یہ بڑی [illegible] ریحانہ جو ہر وقت موجود رہتی ہے..... ایسے میں بھلا آپ کو آیان کی کیا ضرورت....." امی مسکرائیں۔ ریحان کو [illegible] آ گیا۔ "ہاں ہاں بیٹا..... ازراہ مذاق..... کم از کم گھر میں رہ کر ابا کا گھر کے کسی کام میں ہاتھ تو بٹاتا ہوں ناں..... تمہاری طرح تو نہیں ہوں..... گھر کا نہ گھاٹ کا....."

"فکر نہ کرو ریحان میاں..... اب تمہارے اس طعنے کا بھی توڑ کر لیا ہے ہم نے..... آیان احمد کو ایک ٹیوشن [illegible] گئی ہے..... مبلغ دو ہزار روپے کی..... کبھی کتاب وتاب خریدنے کے لیے پیسے ایسے چاہیے ہوں تو مانگ لینا..... [illegible] منگوں کو منع نہیں کیا کرتا..... اب بولو..... کون ہوا گھر کا نہ گھاٹ کا..... ہاں....." امی خوشی کے مارے کھڑی ہو گئیں [illegible]
"سچ..... الو سچ بتا..... کہیں تو بڑے بھائی کے ساتھ دل لگی تو نہیں کر رہا....." رافعہ کے ہاتھ میں بھی گرم چائے کا [illegible] چھلک سا گیا۔

"سچ بھائی..... آپ ٹیوشن پڑھانے جایا کریں گے..... واہ..... کتنا اچھا لگے گا ابا کو یہ سن کر....."

ریحان کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔ "ٹیوشن..... لیکن کہاں..... اور مضمون کیا ہوگا ٹیوشن کا....." میں [illegible]
گول مول لفظوں میں بتایا کہ میرے کوئی جاننے والے ہیں جنہوں نے اردو ٹیوشن کا بندوبست کروایا ہے، اور ایک آ[illegible] دن میں باقی تفصیلات بھی طے ہو جائیں گی۔ پل بھر میں گھر کے اندر عید کا سماں ہو گیا۔ ان سب کے لیے یہ خبر کسی [illegible]

امی کو ذرا فکر لگ گئی کہ ان کا ہونہار سپوت کل کون سے کپڑے پہن کر ٹیوشن پڑھانے جائے گا۔ انہوں نے فوراً چھوٹی کو میرے بھی کپڑے استری کرنے کا حکم دے دیا۔ ریحان میری بڑھی ہوئی شیو دیکھ کر چلایا "خدا کے لیے اب تو اپنی یہ حالت سدھار لو۔ چھوٹی جلدی سے بھاگ کر میری دراز سے نیا ریزر اور شیونگ کریم لے آؤ۔ آج ہم سب مل کر اس کی شیو کریں گے... ایسے تو یہ ماننے کا نہیں..." وہ آفت کی پرکالہ بھی جیسے ریحان کی طرف سے اشارے کی منتظر تھی۔ اگلے ہی لمحے ریحان مجھے جکڑ چکا تھا اور رافعہ اندر سے شیو کا سامان لیے بھاگی چلی آ رہی تھی۔ امی ارے ارے ہی کرتی رہ گئیں اور ان دونوں نے میرا چہرہ جھاگ سے بھر دیا۔ میں چلاتا رہا کہ ہلکی بڑھی ہوئی شیو میں کچھ زیادہ سنجیدہ استاد لگوں گا پر وہاں کوئی میری سنتا تب نا... ایک لمحے کے لیے ریحان کی گرفت مجھ پر کمزور ہوئی تو میں زور لگا کر اس کی گرفت سے نکل گیا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ چھوٹی ہاتھ میں شیونگ مگ اور برش اور ریحان ریزر تھامے میرے پیچھے پیچھے گول دائرے میں بھاگ رہے تھے اور میں امی کو درمیان میں آڑ بنا کر پورے صحن میں ان سے بچنے کے لیے چکر کاٹ رہا تھا۔ ہم سب چیخ رہے تھے۔ چلا رہے تھے ہنس رہے تھے اور امی اپنی ہنسی چھپا کر ہم سب کو ڈانٹ رہی تھیں۔ اچانک صحن کا دروازہ دھڑ سے کھلا اور دروازے کے بیچوں بیچ کھڑے ابا کی دھاڑ گونجی "یہ سب کیا ہڑبونگ مچا رکھی ہے تم لوگوں نے...؟"

ہم سب ابا کی آواز سن کر یوں جامد ہو گئے جیسے کسی نے ریموٹ کنٹرول سے ساکت کا بٹن دبا دیا ہو۔ ابا نے اپنی چھتری پھلائی سی امی کے حوالے کی اور پھر گرجے "گھر کو چڑیا گھر بنا رکھا ہے... ریحان... کم از کم تم سے مجھے ایسی امید نہیں تھی..." گویا مجھ سے تو ابا نے کبھی کوئی اچھی امید باندھی ہی نہیں تھی۔ چھوٹی نے جلدی سے ابا کی شیروانی سنبھالی "ابا پتہ ہے آیان بھیا کو دو ہزار روپے کی ٹیوشن مل گئی ہے..." ابا کو شاید زندگی میں پہلی بار میری جانب سے کوئی خوشی کا جھٹکا لگا "کیا...؟؟" امی نے آگے بڑھ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا "میرا لال تو اب ذمہ دار ہوتا جا رہا ہے..." شاید یہ میرا وہم ہی ہو پر جانے مجھے ایسا کیوں لگا کہ ابا کی آنکھوں میں کچھ نمی سی جھلملائی ہو اور پھر وہ ہوا جو بچپن کے بعد آج تک کبھی میرے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ ابا نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی "جیتے رہو..." پھر وہ صحن میں رکے بنا اور چلے گئے۔ اچھا ہی ہوا ورنہ شاید کچھ ہی دیر میں سب ہی وہاں رو پڑتے اور پھر دوسرے لمحے ہی ان کی اندر کمرے سے جھلائی ہوئی تیز آواز آئی... "ارے بھئی... یہ میرے سلیپر پھر کون پہن گیا... کتنی بار منع کیا ہے اس نالائق آیان کو کہ میرے چپل نہ پہنا کرے..." امی، ریحان اور چھوٹی تینوں کی نظر بیک وقت میرے پیروں کی جانب اٹھی اور میں ابا کے چپل وہیں صحن میں اتار کر ننگے پاؤں چھت کی سیڑھیوں کی طرف دوڑا۔ وہ سب زور سے ہنس پڑے۔ کاش اس وقت خبر ہوتی کہ ان مسکراہٹوں کی عمر اتنی مختصر ہوتی ہے تو میں وقت کو روک دیتا... لیکن وقت بھلا کسی کے روکے سے کب رکا ہے۔

اگلے روز تنویر سے طے کردہ وقت پر میں کینٹ فراق پہنچا تو میری چنڈال چوکڑی بھی وہیں موجود تھی۔ راجہ نے مجھے دیکھ کر سیٹی بجائی۔ بابلے نے اٹھ کر چاروں طرف طواف کر کے مجھے غور سے دیکھا اور مشی نے شکوہ کیا "یار الو... تو نے شادی کر لی اور ہمیں بتایا بھی نہیں..." میں نے اسے گھورا "ہوش میں تو ہو... میں نے کب شادی کی...؟" راجہ نے ہونٹ سکیڑے "یہ چھچھوری شیو... یہ انداز... یہ ریحان کی واسکٹ... ہم تمہیں دولہا کیوں نہ کہیں..."

"ٹھیک ہے... مجھے آج ٹیوشن پڑھانے جانا ہے دعا کرو سب ٹھیک رہے..." زندگی میں پہلی مرتبہ آج ابا مجھے ریحان کی طرح رخصت کرنے صحن تک آئے تھے... ان تینوں نے باقاعدہ دعا کے لیے ہاتھ فضا میں بلند کر دیے ٹھیک اسی لمحے ان تینوں کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کے پس منظر میں مجھے تنویر کینٹ فراق کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوتا دکھائی دیا۔ سلام دعا کے بعد اس نے بتایا کہ جس گھر میں مجھے ٹیوشن پڑھانے جانا ہے وہاں کا ڈرائیور مجھے لینے آ چکا ہے اور اب روزانہ وہ یہیں کینٹ فراق سے ٹھیک چار بجے شام مجھے لینے پہنچ جائے گا اور دو گھنٹے کی ٹیوشن کے بعد یہیں چھوڑ جایا کرے گا۔ تنویر کو خود کسی کام سے کہیں جانا تھا لہٰذا مجھے اکیلے ہی یہ سفر طے کرنا تھا۔ میرے تینوں دوستوں نے مجھے یوں رخصت کیا جیسے کسی محاذ پر جا رہا ہوں اور سچی بات یہ ہے کہ خود میرے لیے یہ سب کچھ کسی محاذ جیسا ہی تھا۔ کیونکہ ہم چاروں میں سے کسی نے آج تک کوئی بھی کام تنہا شروع نہیں کیا تھا۔

درمیانے ماڈل کی بڑی سی کار کی چاروں کھڑکیوں پر سفید پردے لگے ہوئے تھے۔ مطلب اس گھر کی خواتین پردہ کرتی تھیں۔ ڈرائیور پکی عمر لیکن مضبوط جسامت کا مالک تھا۔ پوچھنے پر نام اسماعیل بتایا۔ کچھ خاموش سا تھا یا پھر اجنبیوں سے زیادہ بے تکلفی پر پابندی تھی۔ میرے بہت سے سوالوں کے جواب میں اس نے بس اتنا ہی بتایا کہ شہر کے کوئی بہت بڑے بیوپاری ہیں سیٹھ داؤد... انہی کی صاحبزادی کو پڑھانا ہے۔ دو ہزار روپے تنویر کار میں بیٹھنے سے پہلے ہی میری جیب میں ڈال چکا تھا۔ گاڑی شہر کی بھیڑ سے نکل کر مضافاتی سڑک پر مڑ گئی اور قریباً بیس منٹ کی سواری کے بعد ہم ایک کوٹھی نما بنگلے میں داخل ہو گئے۔ نہ جانے مجھے ایسا کیوں محسوس ہوا کہ اس عمارت کے گرد ان دیکھی لیکن کڑی نگرانی کا حصار ہے۔ دربان بھی نہایت چاک و چوبند اور عام نوکر بھی غیر معمولی طور پر نظریں کھلی رکھنے والے دکھائی دیے۔ مجھے ایک کشادہ ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا گیا جس کی چاروں اطراف کی کھلی کھڑکیوں سے آخر ستمبر کی شام کی نرم دھوپ اور خوشگوار ہوا کے جھونکے، ملائم ریشمی پردوں سے چھن کر میرے چہرے سے ٹکرا رہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں ایک اماں بی اپنے پاندان اور ایک سہمی ہوئی سی لڑکی کے ساتھ نمودار ہوئیں۔ میں نے اٹھ کر سلام کیا تو انہوں نے کڑی نظر سے گھورتے ہوئے مجھے دعا دی، اور بولیں "نام کیا ہے تمہارا..."

"آیان..."

"پہلے بھی کہیں ٹیوشن پڑھائی ہے..." "نہیں... پہلا تجربہ ہے۔" انہوں نے لمبی ہوں کی "ہونہہ... کتنا پڑھا ہے تم نے..."

"جی ابھی چند دن پہلے بی اے کا آخری پرچہ دیا ہے... نتیجہ نہیں آیا ابھی تک..." وہ چونکیں "مطلب ابھی چودھویں پاس بھی نہیں ہو...؟" میں نے ایک لمبی سانس بھری "جی نہیں... فی الحال تو نہیں..."

"اور اگر فیل ہو گئے تو..."

"تو پھر دوبارہ امتحان میں بیٹھوں گا... یونیورسٹی تین مواقع دیتی ہے... پھر بھی کامیاب نہ ہو سکا تو صرف بارھویں پاس ہی کہلاؤں گا۔" میری اکتاہٹ پر وہ کچھ سٹ پٹا سی گئیں "لیکن اس طرح تو..." مگر اس بار لڑکی نے ان کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔

"اوہو... اماں... آپ بھی کمال کرتی ہیں... انہیں دم تو لینے دیں... آپ نے تو آتے ہی سوالات کی بوچھاڑ کر دی... سر آپ بیٹھ جائیں آرام سے... میرا نام ناہید ہے... میں ہی آپ کی شاگرد ہوں... [illegible]

بارھویں کا امتحان دوں گی دو ماہ بعد ——" میں نے شکر ادا کیا کہ بڑی بی کے انٹرویو سے جان چھوٹی، لیکن وہ دو گھنٹے مسلسل وہیں ڈرائنگ روم میں موجود رہیں اور چھالیہ کتر کتر کے پان بناتی رہیں —— بیچ میں دو بار پر تکلف لوازمات کے ساتھ چائے کی ٹرالی بھی آئی۔ پہلے دن میں نے ناہید کو صرف ابتدائی باتیں بتائیں اور اپنی سمجھ کے مطابق اسے ایک شیڈول بھی بنا کر دے دیا کہ ہم اگلے دو ماہ امتحان شروع ہونے تک اس ترتیب سے چلیں گے۔ میں نے ناہید کو یہ بھی صاف صاف بتا دیا کہ چونکہ مجھے ٹیوشن پڑھانے کا ذرا بھی تجربہ نہیں ہے اس لیے اگر وہ درمیان میں کہیں بھی محسوس کرے کہ میں اسے ٹھیک طرح سے مضمون سمجھا نہیں پا رہا ہوں تو وہ بلا تکلف مجھے بتا دے اور اپنے لیے کسی نئے استاد کا انتظام کر لے۔ میں نے وہ دو ہزار روپے بھی بوا کی ہتھیلی پر رکھ دیے کہ مہینہ ختم ہونے پر اگر وہ مطمئن ہوں تب ہی یہ رقم وہ میرے حوالے کریں۔ بوا نہ نہ ہی کرتی رہ گئیں اور میں پہلے دن کی ٹیوشن ختم کر کے وہاں سے نکل آیا۔ اب یہ میرا روز کا معمول بن گیا تھا۔ چار بجے اسماعیل گاڑی لے کر کینٹ فراق آ جاتا اور ساڑھے چھ بجے مجھے چھوڑ جاتا۔ ناہید کافی ذہین طالبہ ثابت ہو رہی تھی۔ ایک دفعہ کوئی بات بتانے کے بعد اسے دوبارہ کبھی وہ سبق دہرانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ بچپن سے ہی انگریزی میڈیم بورڈنگز میں پڑھتی رہی ہے اس لیے اس کی بنیادی اردو کچھ کمزور رہ گئی تھی۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ مجھے کبھی ناہید کے خاندان میں سے کوئی دوسرا فرد اس گھر میں دکھائی نہیں دیا۔ نہ ہی میں نے پوچھنا مناسب سمجھا۔ میرے لیے اردو پڑھانا بذات خود ایک خوش گوار تجربہ ثابت ہو رہا تھا۔ اور میں ناہید کو پڑھاتے پڑھاتے خود بھی کافی کچھ سیکھ رہا تھا۔

یوں ہی چھ دن گزرے اور آخر اگلی جمعرات بھی آ گئی۔ ہم چاروں صبح سویرے سادات محلے کی چوڑی گلی کے علاقے میں پہنچ گئے۔ منصوبے کے مطابق رجو، بالے اور مشی کو بھتہ لینے والے لڑکوں کو کسی سنسان مقام پر روک کر للکارنا تھا اور بات بڑھنے کی صورت میں مجھے پیچھے سے ان کی مدد کو آنا تھا۔ وہ تینوں گلی کے نکڑ پر اور میں گلی کی دوسری جانب ایک چوڑی والے کے ٹھیلے کے عقب میں موجود تھا۔ وقت سرک سرک کے گزر رہا تھا، اور پھر اچانک میں نے چوڑی گلی میں وہی پرانے ماڈل کی ولیز جیپ داخل ہوتے ہوئے دیکھی۔ آج جیپ کوئی نیا لڑکا چلا رہا تھا...... لیکن اس کے پیچھے بیٹھے ہوئے لڑکوں میں شوکی اور تیسرا لڑکا اسی دن والے تھے۔ شوکی نے جیپ سے اتر کر ادھر ادھر دیکھا۔ میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی کی ایک لہری دوڑی۔ مجھے لگا جیسے شوکی کی نظر مجھ سے ٹکرائی ہے۔

باب 5

لیکن وہ میرا وہم تھا۔ شوکی نہ جانے کس خیال میں خلا میں گھورتا رہا اور پھر اپنے ہی دھیان میں پلٹ گیا۔ باقی دو لڑکے جیپ سے اترے اور اندر دوکان کی جانب بڑھ گئے۔ رجو پارٹی یہاں سے کچھ دور گلی کے نکڑ پر جیپ کی روانگی کا انتظار کر رہی تھی اور میں یہاں سے انہیں دیکھ نہیں سکتا تھا۔ میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی، جانے ان دو لڑکوں نے دوکان سے نکلنے میں اتنی دیر کیوں لگا دی تھی، اور پھر اچانک ہی ایک ہنگامہ سا برپا ہوا اور وہ دونوں لڑکے شور مچاتے، گالیاں بکتے کسی شخص کو دھکے دیتے اور مارتے پیٹتے دوکان سے باہر نکل آئے۔ کچھ لمحوں کے لیے تو مجھے سمجھ ہی نہیں آیا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے اور پھر جب اچانک میری نظر زیر عتاب شخص پر پڑی تو میرے پیروں تلے سے جیسے زمین ہی نکل گئی۔ وہ شیخ صاحب تھے لیکن ان کا مکان تو چوڑی گلی کے عقب والی گلی میں تھا، تو پھر وہ یہاں ——؟ کیسے؟...... لیکن یہ سب کچھ سوچنے کا وقت ہی کہاں تھا میرے پاس...... میں تیزی سے ان لڑکوں کی طرف دوڑا جو شیخ صاحب کو گھسیٹتے ہوئے شوکی کی جانب لے جا رہے تھے۔ میری زوردار ٹکر سے شیخ صاحب کا گریبان ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور ایک لڑکا دور جا گرا۔ یہ ان تینوں کے لیے ضرور کوئی نیا تجربہ رہا ہوگا کیونکہ آج تک وہ دوسروں کو ہی گراتے آئے تھے۔ شوکی کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ زور سے چلایا "یہ تو وہی ہے...... کینٹ فراق والا...... آج اس کا دماغ بھی درست کیے دیتے ہیں۔" گرنے والا لڑکا بھی اب تک سنبھل چکا تھا شوکی کے اشارے پر ان دونوں نے میرے دونوں بازو جکڑ کر پیچھے موڑ دیے اور شوکی مغلظات بکتا میری جانب لپکا۔ لیکن وہ یہ بھول گیا کہ میرے ہاتھ بندھے ہیں پاؤں نہیں...... دوسرے ہی لمحے شوکی میری ضرب سے چلاتا ہوا پیچھے جا گرا۔ اس عرصے میں ہمارے آس پاس کافی بھیڑ اکٹھی ہو چکی تھی لیکن کسی نے آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کی۔ شیخ صاحب ہی ادھر ادھر بھاگ کر لوگوں کی اور ان تینوں کی منت سماجت کرتے رہے —— اب تک شوکی کو یہ بات سمجھ میں آ چکی تھی کہ میں اس کے لیے کوئی سیدھی کھیر ثابت ہونے والا نہیں ہوں۔ بچپن سے لے کر اب تک میں نے اور میرے دوستوں نے ایسی لڑائیوں میں درجنوں بار سر پھوڑے تھے تو خود اپنے ماتھے بھی کھلوائے تھے اور بعد میں گھر جا کر ابا کی لاٹھیاں الگ کھائی تھیں۔ چند یادگاری نشان تو اب تک میری پیٹھ پر جگمگا رہے تھے۔ شوکی نے اس بار کوئی جلد بازی نہیں کی اور اپنے نیفے سے چاقو نکال کر خاص فلمی انداز میں یکے بعد دیگرے اس کی

کر پکڑ لیا اور شوکی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں مہارت سے چاقو منتقل کرتے ہوئے میری جانب بڑھنے لگا۔ شیخ صاحب حواس باختہ ہو کر ہجوم سے مدد طلب کرنے لگے لیکن وہاں ایسا کون تھا جو ہمارے بیچ پڑتا۔ دفعتاً ہجوم میں ہل چل سی ہوئی اور رجب، بالا اور مشی چیختے چلاتے اندر گھس آئے۔ شاید انہیں کلو پر کسی نے اطلاع دی تھی کہ کوئی لڑکا بھتہ لینے والوں سے الجھ گیا ہے۔ شوکی اس صورتحال کے لیے بالکل تیار نہیں تھا۔ رجب اور بالے نے آتے ہی شوکی کو گرا دیا اور اس پر چڑھ بیٹھے۔ مشی نے میرا ایک بازو پکڑ لیا تو باقی دو بھی ہمارے نشانے پر آ گئے۔ اب ہم چار تھے اور وہ تین، اور ہم نے دو ہفتوں سے جو فٹ بال پیچ کی پریکٹس چھوڑ رکھی تھی، وہ ساری کی ساری ان تینوں پر پوری کر لی۔ پھر شیخ صاحب نے ہی درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کروایا۔ بالے نے زمین پر نڈھال پڑے شوکی کو ایک جھٹکے سے اٹھایا اور اسے آخری تنبیہ کی کہ دوبارہ وہ اس علاقے میں نظر نہ ہی آئے تو بہتر ہوگا۔ شوکی کی آنکھوں سے اس کے اندر کی حالت عیاں تھی لیکن وہ خون کے گھونٹ پی کر صرف اتنا ہی بولا "ابھی ایک ملاقات باقی ہے پیارے" ہمارے لباس مٹی میں لت پت اور کچھ جگہوں سے باقاعدہ پھٹ چکے تھے۔ کچھ ایسا ہی حال شیخ صاحب کا بھی تھا۔ وہ کچھ لڑکھڑا بھی رہے تھے۔ میں نے انہیں سہارا دے کر ذریعے گھر کے دروازے تک پہنچایا کر واپس پلٹنا چاہا تو انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا "اس حال میں گھر کیسے جاؤ گے میاں.....؟ دو گھڑی رک کر ہاتھ منہ دھو لو اور چاہو تو تنویر کا کوئی لباس بدل لو....." میرے جواب دینے سے پہلے ہی ہماری دی ہوئی دستک کے جواب میں شیخ صاحب کی آواز سن کر اندر سے کسی نے دروازہ کھول دیا اور پھر شیخ صاحب کے ماتھے سے بہتی خون کی ایک پتلی لکیر دیکھتے ہی اندر گھر میں جیسے طوفان سا آ گیا۔ شاید وہ بڑی والی ستارہ تھی جس کی چیخ سن کر پہلے اندر کمرے سے شیتانی اور پھر چھوٹی والی گہنا بھی باہر صحن میں نکل آئی۔ میں شیخ صاحب کو سہارا دے کر اندر لے آیا، دروازہ کھولنے والی باقاعدہ رو رہی تھی اور شیخ صاحب ان سب کو تسلی دینے کی ناکام کوشش کرتے رہے۔ وہ تینوں ماں بیٹیاں اس قدر حواس باختہ ہو گئی تھیں کہ انہیں یہ بھی ہوش نہیں رہا کہ وہ میری موجودگی میں پردہ کر لیں۔ تنویر شاید گھر میں نہیں تھا۔ میں نے ستارہ اور گہنا کی آواز سے ہی ان کے بارے میں اندازہ لگایا تھا ورنہ دیکھنے میں دونوں بہنیں ایک دوسرے کا آئینہ دکھائی دیتی تھیں۔ ستارہ کے سادہ لباس اور چہرے پر پھیلی سرسوں اور ملال سے ہی اس کے بڑے ہونے کا اشارہ ملتا تھا ورنہ کون کہہ سکتا تھا کہ اس چھوٹی عمر میں یہ نازک سی لڑکی ماتھے پر بیوگی کا داغ سجائے بیٹھی ہوگی اور گہنا..... وہ تو سراپا "گہنا" تھی۔ ہلکے فیروزی رنگ کے کرتا پاجامے میں وہ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق دکھائی دے رہی تھی۔ میں ان کے گھر کے صحن میں ایک عجیب و غریب صورت حال میں گرفتار کھڑا تھا۔ نظر اٹھاتا تو وہ دونوں سامنے تھیں اور نظر جھکاتا تو ان کی متوالی نظریں میرے بوسیدہ لباس اور الجھے ہوئے حلیے میں گڑھ کر مجھے پریشان کر دیتیں۔ آخر شیخ صاحب کو ہی سب سے پہلے خیال آیا اور انہوں نے لڑکیوں کو دوپٹے اوڑھنے کا حکم دیا اور میرے لیے کوئی مناسب لباس بھی لانے کو کہا۔ میں منع کرتا رہ گیا لیکن انہوں نے ہاتھ سے پکڑ کر مجھے صحن میں ایک جانب لگے واش بیسن تک پہنچا دیا۔ میں نے چہرے پر دو چار چھینٹے مارے تو چہرے اور ہاتھوں پر لگی خراشوں میں جما ہوا خون پانی کے ساتھ بہہ گیا، لیکن میری آنکھیں جلنے لگیں۔ میں وہاں سے جلد از جلد جانا چاہتا تھا لیکن شیخ صاحب نے میرا راستہ روک رکھا تھا اور بے حد اصرار کر کے میرا کرتا بھی تبدیل کروا دیا۔ تنویر کا کرتا مجھ پر ذرا سا تنگ تھا۔ کچھ ہی دیر میں شیتانی ہی بیٹھک میں چائے کی ٹرے اٹھا لائیں اور شیخ صاحب بھی نہا دھو کر لباس بدل چکے... باتھ روم میں آئینہ کے

جائیے" شیتانی جی ممنونیت سے بولیں "بیٹا ایک کپ چائے پی کر چلے جانا" شیخ صاحب نے ہمیں سب کچھ بتا دیا ہے۔ شاید قدرت نے تمہیں ہی اس گھر پر احسانات کرنے کے لیے چن رکھا ہے۔ ہم سب تمہارے بہت ممنون ہیں" "میں شرمندہ سا ہو گیا" "آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں..... میری جگہ اور کوئی بھی ہوتا تو وہ ان کا ہاتھ ضرور روکتا۔ یہ محض اتفاق ہے کہ موقع پر میں اور میرے دوست وہاں موجود تھے....." شیخ صاحب نے لمبی سی سانس لی "اسی بات کا تو دکھ ہے میاں..... کہ اس مردہ معاشرے میں اب ظالم کا ہاتھ روکنے والا بھی کوئی نہیں رہا..... یہ صرف تم ہی تھے جو تنہا ان سے الجھ گئے..... تمہارے دوست تو ذرا دیر میں پہنچے..... اور سچ تو یہ ہے کہ اگر انہیں ذرا سی مزید دیر ہو جاتی تو وہ بھیڑیے تمہاری جان لینے سے بھی نہ چوکتا..... تم مانو یا نہ مانو..... میری یہ زندگی اب تمہارا قرض ہے۔" شیخ صاحب نے بتایا کہ وہ اس وقت اسی دوکان میں گہنا کے لیے کوئی لیس وغیرہ لینے کے لیے چند لمحے رکے تھے جب وہ دو لڑکے مالک دوکان سے بھتہ لینے کے لیے اندر داخل ہوئے۔ دوکان دار کے پاس اس وقت پوری رقم نہیں تھی لیکن لڑکے اس کی کوئی بات سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ مجبوراً شیخ صاحب کو ہی دخل اندازی کرنا پڑی کہ "یہ کیا طریقہ ہے کسی شریف آدمی سے بات کرنے کا.....؟" اور یہ کہ وہ دونوں بچے لگتے ہیں تو بجائے محنت مزدوری کے وہ دوکانداروں سے یوں زبردستی پیسے بٹور کرتے اچھے نہیں لگتے..... "بس اتنا سننا تھا کہ انہوں نے شیخ صاحب کو دھر لیا۔ اب میں انہیں کیا بتاتا کہ وہ کن پیشہ وروں کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔ میں نے دانستہ ان کے سامنے سارنگ کا نام نہیں لیا۔ وہ دوسرے شہر سے آئے تھے۔ انہیں ان جھمیلوں سے دور ہی رہنا چاہئے تھا۔ چائے ختم کر کے میں نے ان سے اجازت طلب کی اور بڑی مشکل سے انہیں دروازے تک آنے سے روکا کیونکہ انہیں آرام کی ضرورت تھی۔ میں صحن کے دروازہ تک پہنچا ہی تھا کہ میرے عقب سے ایک آواز ابھری "سنیئے" میں چونک کر پلٹا۔ برآمدے کی جافری کے پیچھے ستارہ اور گہنا کھڑی تھیں "جی؟" تھوڑی دیر دونوں بہنوں میں بات شروع کرنے کے لیے ہچکچاہٹ آمیز اشارے ہوئے پھر گہنا نے ہی ہمت کی "وہ دراصل ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ بات زیادہ بڑھ تو نہیں جائے گی؟ دراصل بڑے بھیا بھی ابا کے سہارے کے لیے یہاں موجود نہیں ہیں اور تنویر بھائی پہلے ہی ہماری وجہ سے کافی پریشانیوں کا شکار ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے انہیں کوئی تکلیف ہو....." بات کے دوران ایک پتلی سی شریر لٹ گہنا کو مستقل ستاتی رہی۔ یہ لڑکیاں اپنے والدین اور خاص طور پر اپنے بابل کے لیے اتنی ڈھیر ساری پریشانی جانے کہاں سے اکٹھی کر لاتی ہیں۔ شاید آسمان پر جب روحوں کو کوئی فیض بانٹا جاتا ہوگا تو ان کے حصے میں یہی انعام آتا ہوگا۔ میں نے ان پریشان روحوں کو تسلی دی۔

"آپ مطمئن رہیں..... شیخ صاحب کو مزید کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ اگر ضرورت پڑی تو ہم دوستوں میں سے کوئی ایک مستقل آپ کے گھر کے باہر پہرہ بھی دے سکتا ہے۔ بس آپ لوگ انہیں ایک آدھ دن گھر سے باہر نہ جانے دیجئے گا۔" ستارہ نے ممنونیت بھری آواز میں شکریہ کہا اور اندر پلٹ گئی لیکن گہنا کو مڑتے مڑتے پھر کوئی بات یاد آ گئی۔ "وہ دراصل....." "میں چلتے چلتے پھر رک گیا" "دراصل میں آپ سے اپنے گزشتہ رویے کی معافی بھی مانگنا چاہتی ہوں..... میرا مقصد آپ کی دل آزاری نہیں تھا....." میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری..... "آپ کے ابا آپ کو ٹھیک ہی نادان بچی کہتے ہیں، کیا یاد کریں گی..... جائیے معاف کیا....." گہنا مسکرا دی۔ یہی میرا مقصد بھی تھا کہ وہ نازک اندام شیخ صاحب کی پریشانی سے باہر نکل آئے۔ اس کے ماتھے پر پڑی شکنیں دور ہو گئیں تو جیسے دنیا کی ہر سلوٹ دور ہو

اسی پروائیاں نہیں چلی تھیں کہ باہر چمکتی دھوپ بھی مجھے سایہ لگنے لگی تھی۔ میں جانے کس عالم میں کیفے فراق تک پہنچا۔ ربعہ پارٹی وہیں میرا انتظار کر رہی تھی لیکن مجھے ان کی باتیں بالکل سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔ میں بس خوامخواہ ہوں ہاں کرتا رہا۔ جانے آس پاس کون کیا کر رہا تھا۔ سب لوگ خاموش تھے یا بھی کچھ بول رہے تھے...... مجھے کچھ خبر نہیں تھی۔ جانے کب دوپہر ڈھلی اور کب اسماعیل گاڑی لے مجھے لینے کے لیے آ بھی گیا۔ اس دن ٹیوشن کے دوران ناہید نے بھی میری ذہنی غیر موجودگی کو محسوس کر لیا۔

"سر...... کیا بات ہے...... آپ کچھ پریشان سے لگ رہے ہیں سب ٹھیک تو ہے......"

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ گویا مجھے جو ہو رہا تھا وہ صرف میرے اندر تک محدود نہیں تھا۔ وہ تو میرے چہروں اور میرے مساموں سے جھلک کر باقی دنیا کو بھی بھگو رہا تھا۔ میں نے سر جھٹک کر ایک بار پھر دھیان کتاب کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کی۔ ناہید غور سے میری جانب دیکھتی رہی۔ پھر جھجکتے ہوئے بولی۔

"سر ایک بات کہوں...... اگر آپ برا نہ مانیں تو......؟"

"نہیں نہیں...... تم ضرور کہو......" دور بیٹھی بوا نے بھی ناہید کی بات سن کر سر اٹھایا۔

"سر اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کو آیان بھائی کہہ لیا کروں...... میرا کوئی بھائی نہیں ہے...... جو تھا اسے خدا نے چھین لیا...... آپ کو جب میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ آپ مجھے بالکل اپنے بھیا جیسے ہی لگے تھے...... میں نے بھی آپ کو دل سے اپنا استاد تسلیم نہیں کیا...... ہمیشہ ایسا ہی محسوس ہوا جیسے میرے بھیا مجھے پڑھا رہے ہیں......" بوا کی آنکھیں بھر آئیں جنہیں چھپانے کے لیے وہ تیزی سے چھالیہ کترنے لگیں۔ مجھے پہلی بار پتہ چلا کہ ناہید کا کوئی بھائی بھی تھا جو اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ خود ناہید بھی بولتے بولتے اپنی آواز کھو بیٹھی۔ "ٹھیک ہے...... لیکن تمہارا بھیا بننے کے لیے میری بھی ایک شرط ہے......"

"جی بتائیے...... میں ہر شرط پوری کروں گی......"

"سوچ لو...... کہیں بعد میں مکر نہ جانا...... میری شرط یہ ہے کہ اب یہ اداسی کبھی ناہید کے قریب بھی نہ پھٹکنے پائے...... ورنہ میں بھائی سے ایک سخت گیر ٹیوٹر بننے میں ذرا سی بھی دیر نہیں کروں گا۔" بوا ہنس پڑیں...... ناہید کی آنکھوں کے ستارے بھی جھلملا اٹھے۔ میں نے اسے چھوٹی رافعہ کے بارے میں بتایا کہ اسی کی طرح کی ایک شرارتی بلی، خود ہمارے گھر میں بھی موجود ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اب دو بلیاں میرا سر کھایا کریں گی۔ اس روز ٹیوشن ختم کر کے میں گھر واپس جانے لگا تو بوا نے پہلی مرتبہ اٹھ کر میرے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔ "جیتے رہو......" میں مسکرا کر باہر نکل آیا۔

لیکن میری یہ مسکراہٹ اتنی عارضی ثابت ہوگی یہ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ جیسے ہی میں کیفے فراق کے پاس پہنچا تو لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ اسماعیل بھی معاملہ جاننے کے لیے وہیں رک گیا۔ مجھے گاڑی سے اترتے دیکھ کر مرزا میری جانب لپکا "غضب ہو گیا انو یار...... پولیس ربعہ والے اور حشی کو پکڑ کر تھانے لے گئی ہے...... فراق چچا بھی انہی کو چھڑانے تھانے گئے ہیں۔" میں نے پریشانی سے پوچھا۔

"تھانے لے گئے ہیں...... لیکن کیوں......؟"

"پتہ نہیں...... کہہ رہے تھے کہ آج دن میں تم لوگوں نے کچھ لڑکوں کو حملہ کر کے جان سے مارنے کی کوشش کی ہے...... پولیس تمہارا بھی پوچھ رہی تھی...... میں تو کہتا ہوں کہ تم فوراً یہاں سے لوٹ جاؤ...... ورنہ وہ تمہیں بھی

دھر لیں گے......"

میں نے اسماعیل کی طرف دیکھا۔

"میرا ایک کام کرو گے......" اسماعیل مسکرایا "ضرور...... کہاں جا کر چھپنا چاہتے ہو...... میں پہنچا آتا ہوں

"مجھے علاقے کے تھانے تک جانا ہے...... لیکن بہت جلدی......" اسماعیل زور سے چونکا "پو

تلاش میں چھاپے مار رہی ہے اور تم خود تھانے جا کر ان کا نوالہ بننا چاہتے ہو......" مرزا بھی چلایا

"آیان...... یہ کیا بے وقوفی ہے...... تمہارے جانے سے وہ لوگ باقی تین کو چھوڑ تو نہیں دیں گے

نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے جواب دیا "ہاں...... مگر مجھے یہ اطمینان تو رہے گا کہ میں ان کے ساتھ ہوں

نے گاڑی آگے بڑھا دی اور ہم کچھ ہی دیر میں تھانے کی بیرونی سڑک پر جا رکے اسماعیل نے مجھ سے کہا "اگر

مدد کی ضرورت ہے تو میں رک جاؤں۔"

"نہیں...... تم نے مجھے یہاں تک پہنچا دیا۔ یہی بڑی مدد ہے......" اسماعیل نے گرم جوشی سے مجھ

ملایا "آج تک میں تمہیں صرف ناہید بیٹا کا استاد سمجھتا تھا...... لیکن آج پتہ چلا کہ تم ایک بہت اچھے دوست بھی

اسماعیل کے دل میں یاروں کی بڑی قدر ہے بابو...... کبھی وقت پڑے تو یاد کر لینا......" اسماعیل نے گاڑی گیئر

دی۔ میں تھانے میں داخل ہوا۔ تو سب سے پہلے ایس ایچ او کے کمرے سے نکلتے اے ایس آئی کی مجھ پر نظ

شاید وہ مجھے جانتا تھا تبھی الٹے پیروں واپس اندر لپکا۔ میں نے ایس ایچ او کے کمرے کے دروازے پر کھڑ

اجازت طلب کی۔

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں......؟"

تب تک اے ایس آئی تھانیدار کے کان میں میرا تعارف پھونک چکا تھا۔

تھانیدار نے غور سے میری جانب دیکھا۔

"اوہ...... میں تو سمجھ رہا تھا کہ تمہیں پکڑ کر لانے کے لیے ہمیں اپنی آج کی رات برباد کرنی پڑے گی

شاباش ہے تمہاری جرأت کو...... تم تو خود ہی چلے آئے......" وہ اے ایس آئی کی جانب مڑا "ڈال دو اسے بھی

میں، باقی کارروائی بڑے صاحب کے آنے کے بعد ہو گی۔"

"لیکن ہمارا جرم کیا ہے؟"

"خوب...... جرم بھی مجھ سے پوچھ رہے ہو...... تم لوگوں کے خلاف پرچہ کٹوایا گیا ہے آج صبح ساڑ

بجے کے قریب تم لوگوں نے شوکی ولد حمایت اور دیگر دو پر جان لیوا حملہ کیا اور انہیں شدید زخمی حالت میں چھو

سے فرار ہو گئے......"

"یہ غلط ہے...... وہ سارنگا کے آدمی تھے جو بھتہ لینے آئے تھے اور ایک بزرگ کو زدوکوب کر رہے تھ

صرف اس بزرگ کی مدد کی تھی...... اور بس......"

"شاباش...... بھئی واہ...... کون کہتا ہے کہ اس ملک میں ہیروز کی کمی ہے...... اچھا تو اب یہ بھی بتا

بزرگوار اس وقت کہاں ہیں...... اور تمہارے ساتھ کیوں نہیں آئے۔ تمہارے ساتھیوں کو چھڑانے کے لیے

کچھ ہی دیر میں مجھے بھی حوالات میں پہنچا دیا گیا جہاں پہلے ہی تینوں نوآموز قیدی پڑے ہوئے تھے۔ راجہ لہک لہک کر گا رہا تھا "کون کسی کو ...... باندھ سکا ...... صیاد تو اک دیوانہ ہے ......" مجھے دیکھتے ہی تینوں نے زوردار نعرہ لگایا "آ گیا وہ شاہکار ...... تھا جس کا انتظار ...... سچ یار تو ...... تیرے بغیر بڑا سونا پن تھا اس حوالات میں ...... اب تم آ گئے ہو تو شاید کچھ دل لگ جائے ......"

میں نے راجہ کے سر پر ایک چپت رسید کی "احمقو ...... پولیس کے ہتھے چڑھنے کی کیا ضرورت تھی ...... کہیں چھپ نہیں سکتے تھے ......؟ اب پولیس ہمارے ساتھ جو دل لگی کرے گی اس سے تم سب کا دل خوب لگ جائے گا یہاں ......" مشی روہانسا ہو گیا "یار چھپنے کی مہلت ہی کہاں ملی ...... آناً فاناً دھر لیا ہم سب کو یہاں ...... یار آیان ...... سچ بتاؤ ...... اب کیا ہوگا۔ کانسٹیبل بتا رہا تھا کہ جب ان کے بڑے صاحب آئیں گے تو ہمیں بہت مار پڑے گی ......؟ ...... یہ لوگ ہمیں ماریں گے کیا ......؟

"پولیس کا گزشتہ ریکارڈ دیکھتے ہوئے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کانسٹیبل کی پیشین گوئی سو فیصد درست ثابت ہوگی، لیکن تم فکر نہ کرو ...... معجزات بھی تو اسی دنیا میں ہی رونما ہوتے ہیں ناں ......" مشی کا اترا ہوا چہرہ مزید اتر گیا، کچھ ہی دیر میں حوالات میں شام کا اندھیرا اتر آیا، اور پھر اچانک ہی باہر کچھ ہل چل مچی۔ ایک سنتری نے آ کر ہمیں زور سے جھاڑا "چلو اٹھو اوئے ...... بڑے صاحب تم لوگوں کو بلا رہے ہیں۔"

باب 6

ہم چاروں نے ایک دوسرے کی طرف یوں دیکھا جیسے ہم آخری بار ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں۔
حوالات کا دروازہ کھولا اور ہمیں ہانک کر ایک بڑے ہال نما کمرے کی طرف لے گیا۔ مشی نے آہستہ سے مجھ
"اف ...... کیا یہ لوگ ہمیں ٹارچر سیل کی طرف لے جا رہے ہیں ......؟" سنتری نے زور سے "شش ......" کی آ
ہمیں خاموش رہنے کی تنبیہ کی۔ ہال میں تین کانسٹیبل، تھانے دار اور ایک جوان آفیسر موجود تھا۔ ریحان سے س
ہی بڑا ہوگا عمر میں ...... ہمیں ایک قطار میں مؤدب سا بنا کر کھڑا کر دیا گیا۔ نوجوان افسر کوئی براہ راست بھرتی شد
پی تھا۔ اس نے غور سے ہماری جانب دیکھا ...... "اچھا تو یہی چاروں ہیں ...... پرچہ کاٹ دیا ہے تم لوگوں نے ......
دار نے مستعدی سے جواب دیا۔ "نہیں سر ...... آپ کی اجازت کے بغیر کیسے کاٹ سکتے تھے ...... ویسے چاروں
ادھم مچا رکھا تھا علاقے میں ......" ہم نے نظریں اٹھا کر حیرت سے تھانیدار کی طرف دیکھا۔ ہم علاقے میں
ہوئے تھے اور خود بھی کو پتہ نہیں تھا۔ اے ایس پی نے لمبی سی ہوں کی اور ہم چاروں کو غور سے دیکھا اور پھر اس
پر رک کر ٹھٹک سی گئی۔ پھر وہ حیرت سے بولا "یہ عینکو بھی ان بدمعاشوں کے ساتھ ہے۔ چہرے سے تو یہ کوئی ش
لڑکا لگتا ہے۔" مشی نے کھکھیا کر کہا "ہم بدمعاش نہیں ہیں جناب ...... وہ لڑکے وہاں بھتہ لینے کے لیے آ
اتنے میں باہر سے کچھ شور اور بحث کی آوازیں ابھریں اور پھر ایک سنتری نے اندر آ کر اطلاع د
ان لڑکوں کے گھر والے آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" اے ایس پی نے سنتری کو جھاڑ دیا "کہہ دو ان سے میں ف
سے نہیں مل سکتا اور سب سے پہلے ان چاروں کے کوائف نوٹ کر کے میرے دفتر پہنچاؤ۔" اے ایس پی تھ
ساتھ باتوں میں مصروف ہو گیا اور ایک سپاہی نے ہمارے نام بمعہ ولدیت اور پتے وغیرہ لکھنا شروع کر دیے
تیسرا تھا "آیان احمد ولد توقیر احمد، پیشہ ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر، گورنمنٹ اسکول" اے ایس پی نے چونک کر میری ط
"اپنے والد کا نام پھر سے دہراؤ ......" میں نے پھر سے ابا کا نام اور پیشہ دہرایا "تم توقیر احمد صاحب کے بیٹے
کانٹ بلیوات ...... وہ آج کل کہاں ہوتے ہیں ......؟" پھر میرا جواب سنے بغیر اس نے ملاقاتیوں کے آنے
کرنے والے سنتری سے ان کی فہرست لانے کو کہا۔ سنتری بھاگ کر گیا اور کچھ ہی دیر میں سب نام لکھ کر لے
ایس پی نے فہرست پر نظر ڈالی اور سنتری سے کہا "ان سب کو میرے دفتر میں بٹھاؤ ...... میں ابھی آتا ہوں

اے ایس پی ابا کا نام سن کر ایسے چونکا کیوں تھا۔ مگر میرا دل تو یہی سوچ کر بیٹھا جا رہا تھا کہ اگر ابا بھی باہر موجود ہوئے تو میرا کیا ہوگا۔ کچھ ہی دیر میں ایک سپاہی نے آ کر اطلاع دی کہ "ہم چاروں کو بڑے صاحب نے دفتر بلایا ہے۔"

اور پھر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ جیسے ہی ہم اے ایس پی کے کمرے میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے میری نظر بالے کے ابا کے ساتھ بیٹھے ہوئے اپنے ابا پر پڑی۔ پس منظر میں ریحان بھی باقی اباؤں کے ساتھ بیٹھا نظر آیا لیکن اس کے چہرے پر بھی ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ ہمیں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا رہنے کا حکم دے کر سپاہی باہر نکل گیا۔ اے ایس پی نے اپنی بات جاری رکھی "سر میں تو آپ کا نام سن کر ہی چونک گیا تھا۔ آپ کو شاید یاد نہ ہو۔ میں نے چھٹی اور ساتویں جماعت آپ کے ہی سکول سے پاس کی تھی۔ پھر بورڈنگ میں داخل ہو گیا اور میں دوسرے شہر چلا گیا تھا..... ابھی دو سال پہلے ہی میں نے سی ایس ایس کلیئر کیا ہے..... میں تو آج بھی مانتا ہوں کہ میری تعلیم کی بنیاد رکھنے میں آپ کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔" ابا سر جھکائے بیٹھے تھے "ہاں میاں..... یہ تو تمہاری اعلیٰ ظرفی ہے کہ تم نے میری محنت کی لاج رکھ لی۔ ورنہ یہاں تو خود میرا اپنا خون میری بنیادیں کھوکھلی کر رہا ہے۔ مجھے تو اسے اپنا بیٹا کہنے میں بھی شرم آتی ہے..... کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا مجھے.....!"

"بہر حال سر..... میرا مشورہ بھی ہے کہ یہاں لڑکوں سے تھانے کے باہر راضی نامہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا۔ وہ اونچی پہنچ والے لوگ ہیں اور قانون گواہ اور ثبوت کی بنیاد پر فیصلے کرتا ہے۔ لیکن اس معاملے میں آپ کے بیٹے اور اس کے دوستوں کے حق میں نہ کوئی گواہ ہے..... اور نہ ہی ثبوت..... اگر ایک بار تھانے کچہری کی مہر لگ گئی اور انہوں نے عزم سے مجرم تک کا سفر طے کر لیا تو ان چاروں کا تعلیمی کیریئر ہمیشہ کے لیے برباد ہو جائے گا..... میں آج انہیں صرف آپ کی وجہ سے جانے دیتا ہوں، لیکن یہ جھگڑا جس قدر جلد ختم ہو جائے اتنا ہی ان سب کے لیے بہتر ہوگا۔ آپ لوگ اپنے بیٹوں کو لے جا سکتے ہیں۔"

ابا نے زہریلی نظروں سے ہم سب کی طرف دیکھا "چلو اب....."

ہم لوگ تھانے سے باہر نکلے تو بھی خاموش تھے۔ پھر سب سے پہلے منشی کے ابا نے اس کے کان کھینچے "کیا تھا میں نے..... چھوڑ دے ان لوفروں کی دوستی..... کھلا دی نا آج جیل کی ہوا تجھے..... اور نہ مان اپنے باپ کی بات....." دوسری جانب سے بالے کے ابا نے اسے لتاڑا "سن لے..... آج تیری وجہ سے کیا کیا سننے کو مل رہا ہے۔ بدوں کی صحبت میں بیٹھے گا تو یہی سب کچھ ہوگا۔" پھر بھلا ریحان کے ابا کہاں چپ رہنے والے تھے "ہاں ہاں..... لوفروں کی صحبت میں لوفر نہ بنے گا تو کیا حاجی بنے گا۔ خبردار جو تو نے آئندہ ان تینوں کی شکل بھی دیکھی تو..... دشمن اناج کے..... کام کے نہ کاج کے" "اور پھر سب سے آخر میں مثل اعظم گر ہے۔"

"بس..... بہت ہو گیا..... گھر چلو..... اچھا ہو گئی بے غیرتی کی....." ہم چاروں کو ہمارے بڑوں نے چار مختلف سمتوں میں کھینچا اور ہم ایک دوسرے کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے یوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے جیسے پلیٹ فارم سے چھوٹی گاڑی میں بیٹھ کر جاتے پیاروں سے اسٹیشن پر کھڑے اپنوں کے ہاتھ چھوٹتے ہیں۔ بچپن سے آج تک کئی بار محلے میں مختلف شرارتوں کی سزا کے طور پر ہمیں اسی طرح کھینچ کر علیحدہ کر دیا جاتا تھا، کئی کئی دن ملنے نہیں دیا جاتا تھا۔ ہم اپنی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لیے کھچتے بازو کے باوجود پلٹ پلٹ کر ایک دوسرے کو اسی طرح دیکھا کرتے تھے اور پھر چند دن بعد ہی سب سے نظر بچا کر پھر سے اکٹھے ہو جاتے تھے لیکن جانے کیوں اس

بار جدا ہوتے ہوئے میرا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

ہم گھر میں داخل ہوئے تو امی برآمدے میں جائے نماز بچھائے گڑگڑا کر دعا مانگتی نظر آئیں۔ چھو
ساتھ بیٹھی تسبیح پھیر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی دونوں جلدی سے میری جانب لپکیں۔ "آ گیا تو لاڈ..... ان لوگو
بچایا تو نہیں..... ؟" امی نے جلدی جلدی میرا جسم ٹٹول کر یوں دیکھا جیسے وہ بچپن میں تب دیکھتی تھیں جب م
چوٹ کھا کر گھر آتا تھا۔ دنیا بدل جائے تو بدل جائے پر یہ مائیں کبھی نہیں بدلتیں۔ ابا دھاڑے "وہ اس کی بڑ
دیتے تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔ آوارہ اور لوفر تو پہلے ہی سے تھا..... اب غنڈہ گردی بھی شروع کر دی ہے تم
نے..... میری برسوں کی کمائی عزت ایک دن میں خاک کر کے رکھ دی..... پوچھو اس سے کہ اب کون سا تمغہ
ہے تھانے سے....." میں سر جھکائے کھڑا رہا "میں نے صرف ایک بزرگ کی مدد کی تھی۔ وہ لڑکے انہیں پیٹ
ابا زور سے چلائے "کیا ضرورت تھی اس خدائی خدمت گاری کی..... وہاں پر موجود باقی لوگ مر گئے تھے کیا
"نہیں..... لیکن کوئی ان کی مدد کو آگے نہیں بڑھا۔ میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔" ابا کے
ہو گیا اور انہوں نے غصے میں اپنی چھڑی اٹھالی "زبان چلاتا ہے باپ کے سامنے..... "پھر وہی ہوا جو ہمیشہ سے
ابا کی چھڑی اور میری پیٹھ..... میں چپ چاپ مار کھاتا رہا اور بے چاری امی اور رافعہ اپنے ہاتھوں پر میرے
لگیں۔ جانے ہمارے والدین ہمیں بچپن میں جن باتوں کا درس دیتے ہیں جوان ہونے پر ہمیں انہی باتوں پر م
ہے؟ دوسروں کی مدد، ظلم کے خلاف بغاوت اور برائی کے خلاف ڈٹ جانا، ایسے جانے کتنے سبق میں نے اپنی
اپنے انہی ابا سے پڑھے تھے جو آج مجھے کسی دوسرے کی مدد کے لیے کود پڑنے پر مار رہے تھے۔ کاش وہ
پڑھاتے وقت ابا مجھے یہ بھی بتا دیتے کہ بیٹا یہ کتابیں صرف امتحان پاس کرنے کے لیے ہیں۔ ان پر کبھی عمل
کیونکہ ہم عزت دار لوگ پولیس یا کچہری کا سامنا نہیں کر سکتے۔ سو اگر کہیں کچھ غلط ہوتے دیکھو تو چپ کر کے
جانا مگر خود کو کسی جھمیلے میں نہ ڈالنا۔ کیونکہ یہ اچھائی اور بھلائی کی جذباتی باتیں صرف کتابوں میں ہی اچھی لگتی ہیں
ہمیشہ کی طرح ابا کی اس مشق کا اختتام بھی چھڑی کے ٹوٹ جانے پر ہی ہوا۔ حسب معمول امی
ہوئے اپنے کمرے میں جا کر مام کی شیشی چھوٹی کے حوالے کی کہ وہ بھائی کے نیلوں پر مل دے۔ اور پھر بیٹ
ریحان اور چھوٹی بہت دیر تک چھت پر میرے کمرے میں بیٹھے میرے زخموں پر مرہم رکھتے اور میرا دماغ کھا
کہ آخر میں کب سدھروں گا؟ آخر کار میں نے ہی ان کے سامنے ہاتھ جوڑے کہ اب وہ دونوں اپنی "اقوال
نصیحتوں کے ساتھ یہاں سے روانگی اختیار کریں کیونکہ مجھے نیند آ رہی ہے۔ مگر میں ان دونوں کے جانے
بہت دیر تک کروٹیں بدلتا رہا۔ جب بھی میں آنکھیں بند کرنے کی کوشش کرتا میری پلکوں کے پیچھے ایک من
صورت چھم سے ابھر آتی "کیا....." آخر کار میں اٹھ بیٹھا اور دو چار مرتبہ زور سے اپنے سر کو جھٹکا، لیکن کاش سر
کن میں بسی صورتوں کی شبیہہ بھی ذہن سے اتر جاتی۔ میں جتنا اپنا دھیان کسی اور جانب لگانے کی کوشش کرتا
میرے ذہن اور دل کی تہوں میں اترتی جاتی تھی۔ یہ مجھے کیا ہو رہا تھا۔ آج تک پہلے کبھی تو یہ میٹھی سی کسک میر
نہیں جاگی تھی کیوں مجھے آس پاس کی ہر چیز خواہ مخواہ ہی اچھی لگ رہی تھی؟ کیوں رات کا ایک ایک پہر چو
رات کی طرح داخل کر مجھ پر بیت رہا تھا۔ کیا یہ وہی جذبہ تھا جسے ساری دنیا محبت کے نام سے پکارتی ہے۔ لیکن
اور آیان احمد کو..... ؟؟ نہیں نہیں..... میں بھلا ان خرافات پر کب یقین کرنے والا تھا۔ ضرور ابا کی چھڑی مجھ پ

وقت میرے دماغ کی کسی ایسی رگ کو چھو گئی ہوگی جو من مندر میں ایسی روشنی بھر جاتی ہوگی۔ صبح تک میں ضرور اس سحر سے نکل آؤں گا۔ لیکن تب میں شاید یہ نہیں جانتا تھا کہ محبت سحر نہیں..... وہ کالا جادو ہے جس کا توڑ دنیا کے کسی ساحر کے پاس نہیں..... یا شاید موت کی طرح محبت بھی ایک واپس نہ پلٹنے والے عمل کے طور پر اس دنیا میں وارد ہوتی ہے، اور ہم معصوم انسان ساری عمر بے خبری میں اس جادو ٹونے کا توڑ تلاش کرتے رہتے ہیں۔

صبح میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ درد گھٹنے کے بجائے بڑھتا گیا۔ بے چینی کم سے فزوں تر ہوتی گئی۔ دل ویرانہ تلاش کرنے لگا اور باتیں اضافی لگنے لگیں۔ مجھے یوں گم صم دیکھ کر امی میری چپ کا مطلب میری ابا سے ناراضگی سمجھیں۔ میرا جی خوش کرنے کے لیے انہوں نے دبے الفاظ میں ابا کے خلاف ایک آدھ بات بھی کہہ دی کہ "بھلا کون اپنی جوان اولاد کو یوں چھڑی سے پیٹتا ہے" اور یہ کہ "اگر میرا دل ابا کی جانب سے خراب ہے تو ہونا بھی چاہیے....." وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اب میں اپنی بھولی ماں کو یہ کیسے سمجھاتا کہ میرا دل تو نہ جانے میرے ساتھ کتنی بڑی سازش کر بیٹھا ہے اور سادات محلے جانے کے کتنے ہی بہانے تراش کر خود ہی انہیں رد کر رہا ہے۔ آج میرے دوستوں میں سے بھی کوئی دن چڑھے تک گلی یا چھت پر نہیں آیا۔ میں جانتا تھا کہ میری طرح آج ان تینوں کی بھی "خصوصی نگرانی" کی جا رہی ہوگی۔ میری طرح ہی کے والدین انہیں گھر کے صحن میں بٹھا کر یہ تبلیغ کر رہے ہوں گے کہ انہیں اس حال تک پہنچانے والے اور کوئی نہیں..... بس وہ آوارہ دوست ہیں۔ عام حالات میں ایسے موقعوں پر میں بمشکل ابا کے گھر سے نکلنے کا انتظار کیا کرتا تھا اور ان کا قدم گھر سے باہر پڑتے ہی میں امی اور چھوٹی کی ہزار منت سماجت کے باوجود گھر سے باہر نکل جاتا تھا لیکن اس روز جب بارہ بجے کے قریب ابا حسب معمول کپڑے کا تھیلا اپنی سائیکل سے لٹکائے باہر سودا سلف لینے کے لیے چلے بھی گئے اور میں پھر بھی صحن میں لگی انگور کی بیل کے نیچے بیٹھا خشک چنوں کو اپنے ہاتھ سے مسلتا رہا تو امی کو میری فکر لاحق ہوگئی۔ انہوں نے جلدی سے آگے بڑھ کر میرے ماتھے کو چھو کر دیکھا "او..... تیری طبیعت تو ٹھیک ہے نا....." میں چپ چاپ اٹھ کر چھت پر چلا آیا، اور ریحان اور چھوٹی کے درجنوں بار بلانے پر بھی دن کے کھانے کے لیے نیچے نہیں اترا۔ چار بجے کے قریب جب میرے گھر والوں نے باقاعدہ چھت کی ڈیوڑھی سے مجھے جھانک جھانک کر تکنا شروع کردیا تو میں جھنجلا کر گھر سے باہر نکل آیا۔ کیفے فراق کے باہر اسماعیل میرا انتظار کرتے کرتے اب واپس جانے کو تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر تازگی سی چھا گئی۔

"تم یہاں ہو بابو..... میں تو تمہیں دیکھنے کے لیے تھانے جانے والا تھا" میں گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"نہیں..... رات کو ابا مجھے وہاں سے چھڑا لائے تھے..... اب میں ان کی قید میں ہوں....." میری بات سن کر اسماعیل زور سے ہنسا "فکر نہ کرو..... میرے ماں باپ دو دن گئے ہوئے ہیں..... آج کل میں ان کی واپسی ہے..... ان کے آتے ہی تمہارا یہ جھگڑا ہمیشہ کے لیے ختم کروا دوں گا......" اسماعیل نہ جانے اور کیا کچھ کہتا رہا لیکن میرا دھیان تو کہیں اور ہی تھا۔ ٹیوشن میں بھی ناہید کو گزشتہ روز کے ناغے کی وجہ ابا کی ناراضی کا کہہ کر میں خود کو اپنے اندر کھوجتا رہا۔ میری حالت کے پیش نظر ناہید نے بھی مجھ سے غیر ضروری سوال و جواب سے گریز کیا۔ واپسی پر بوا نے بے حد اصرار کے ساتھ دو ہزار میری جیب میں ڈال دیے اور جاتے جاتے مجھ سے یہ کیوں کہا کہ "اپنا خیال رکھا کرو گے....."

محبت کی بے خودی بھی عجب بے خودی ہے۔ پہلے پہل اس میں صرف گھائل ہونے والے کو اپنے درد کا پتہ چلتا ہے اور باقی ساری دنیا بے خبر ہوتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ وہ مقام بھی آجاتا ہے جب ساری دنیا کو اس جنون کا پتہ چل جاتا ہے مگر جو خود اس دور جنوں سے گزر رہا ہوتا ہے صرف اسی کو خبر نہیں ہوتی کہ وہ ایک چلتا پھرتا اشتہار بن چکا ہے اور

جہاں سے وہ گزرتا ہے فسانہ بن جاتا ہے۔

میرا افسانہ بننے میں بھی بس کچھ دیر ہی باقی تھی۔ مجھے واپسی پر اسماعیل نے کیفے فراق اتارا تو شام ہو
فراق چچا حسب معمول کاؤنٹر پر کسی گہرے مراقبے میں ڈوبے ہوئے تھے اور ان کا گراموفون چل رہا تھا۔ "یہ
ہے..... یا محبت کا سرور..... تو نہ پہچانے تو ہے یہ..... تیری نظروں کا قصور....." مجھے لگا کسی نے میرے اندر کے
کے لیے یہ گانا چن کر لگایا ہے۔ اتنے میں اندر کسی گاہک سے بحث کرتے مرزا کی مجھ پر نظر پڑی تو وہ تیزی سے
لپکا..... "کہاں تھے تم دن بھر..... سادات محلے سے شیخ صاحب کے ہاں سے تین بار تمہارے لیے پیغام آچکا
میاں آئیں تو ان سے کہوں کہ وہ دو گھڑی شیخ صاحب کے ہاں سے ہوتے جائیں....." مرزا کی سرگوشیانہ آواز
تھا کہ اسے ہماری اور شوکی کی لڑائی کی اصل وجہ بھی پتہ چل چکی ہے۔ پھر اس نے خود ہی بات کھولی "ریحا
کو..... پھر اس کے جانے کے بعد بالا بھی چکر لگا گیا ہے..... سچ کہوں تو مجھے تو تم لوگوں کی خالی میز کاٹنے کو دو
میں نے بیروں سے کہہ کر اس کی جگہ ہی بدلوا دی ہے..... جب تم چاروں اکٹھے آؤ گے..... تبھی وہ میز وہاں لگے گی
بولتے بولتے روہانسا سا ہوگیا۔ ہمارا اور مرزا کا بھی ایک عجیب تعلق تھا۔ اس رشتے کا شاید کوئی نام بھی دنیا کی ک
موجود نہیں ہوگا۔ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا..... مرزا کو اسی حلیے اور اسی عمر میں کیفے فراق کی منشی گیری کرتے
اس کی اصل عمر ہمارے چچا یا تایا جتنی ہوگی لیکن بچپن سے وہ ہمارے لیے صرف "مرزا" ہی رہا۔ ہم نے بھی اس
ساتھ کوئی سابقہ یا لاحقہ احتراماً یا تکلفاً بھی لگانے کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ سچ ہے دل کے رشتے کسی
یا لاحقے سے کہیں زیادہ بالا ہوتے ہیں۔ مرزا ہم چاروں کی ٹیم کا غیر اعلان شدہ پانچواں رکن تھا وہ کون سی شرارت تھ
اس نے آج تک ہمارا ساتھ نہ دیا ہو؟ ہمارا کون سا ایسا منصوبہ تھا جس میں وہ براہ راست نہیں تو پس منظر میں شا
اسی لیے آج اس کا دل ہم چاروں کی اس مسلط کردہ جدائی پر کٹ رہا تھا۔ میں مرزا سے کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ
ریحان آتا دکھائی دیا۔ وہ ضرور میری تلاش میں آیا ہوگا۔ میں نے جلدی سے مرزا سے کہا کہ وہ کسی بھی طرح شیخ صا
گھر پیغام بھجوا دے کہ میں موقع ملتے ہی وہاں آؤں گا۔ ریحان نے دور سے ہی مجھے گھر چلنے کا اشارہ کیا۔ مرزا نے
نظروں میں اشارہ کیا کہ "کام ہو جائے گا" میں ریحان کے ساتھ گھر کے صحن میں داخل ہوا تو ابا صحن میں ہی
بیٹھے تھے۔ میں چپ چاپ اوپر چھت پر جانے کے لیے ڈیوڑھی کی سیڑھیوں کی جانب بڑھا تو انہوں نے مجھے

"ٹھہرو..... بات سنتے جاؤ....."

میں رک گیا۔ ابا نے چند لمحے توقف کیا۔ پھر حتمی لہجے میں بولے

"ریحان نے ان لڑکوں کا پتہ لگا لیا ہے..... تم کل اس کے ساتھ جا کر ان لڑکوں سے معافی مانگو
میرا حکم ہے....."

میرے سیڑھیوں پر چڑھتے قدم رک گئے۔

"میں کسی سے معافی نہیں مانگوں گا" میری بات سن کر امی کے ہاتھ میں پکڑا اسٹیل کا گلاس زمین
ریحان نے نظروں نظروں میں مجھے کچھ ایسا اشارہ کیا جیسے اسے میری ذہنی حالت پر کوئی شک ہو۔ ابا کے ہاتھ
ان کی چھڑی کے دستے پر شدید ہوگئی اور وہ غصے میں ایک جھٹکے سے کھڑے ہو گئے۔

کرتالی بجائی۔ ''ہاں ...... یہ بات ...... لیکن کیا تمہیں تمہارے بڑوں نے معافی مانگنے کا طریقہ بھی نہیں سکھایا
بیٹا ...... معافی ہاتھ جوڑ کر مانگی جاتی ہے ...... آگے بڑھو اور ہاتھ جوڑ کر مجھ سے معافی مانگو ......'' مجمعے میں تیز سرگوشیاں
شروع ہو گئیں۔ شاید وہ سب میرے صبر کی انتہا کے منتظر تھے۔ ریحان نے آگے بڑھ کر خود شوکی کے سامنے ہاتھ جوڑنے
کی نیت سے قدم اٹھایا، لیکن میں نے ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا اور خود شوکی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ کچھ دیر تک ہم ایک
دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتے رہے۔ شوکی کی آنکھوں میں بے چینی کی ایک لہر سی ابھری۔ خوف کا ایک
اصول یہ بھی ہے کہ خوف کو خوف کی حد میں رکھ کر دوسرے کو مجبور کیا جائے۔ اگر اس موقع پر میں شوکی کی بات ماننے سے
انکار کر دیتا تو چاہے مجھے بعد میں جو بھی نتائج بھگتنا پڑتے ...... لیکن شوکی کا علاقے کے لوگوں پر پھیلایا ہوا خوف کا یہ جال
ٹوٹ جاتا ...... اور اس وقت وہ اس کا ہرگز متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ پہلے ہی ہمارے ہاتھوں اپنے ڈر اور دہشت کے بت
کو پاش پاش ہوتے دیکھ چکا تھا۔ اسے یہ بھی خبر تھی کہ میں یہاں اس کے خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی کسی مجبوری کی وجہ
سے کھڑا تھا، لیکن شوکی نے پورے مجمعے کو یہی باور کرا رکھا تھا کہ میں اس کے خوف کی وجہ سے یہاں آیا ہوں۔ میں کچھ دیر
مزید شوکی کی آنکھوں میں اس بے یقینی اور بے چینی کی لہر سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا لیکن ریحان کی بھرائی ہوئی آواز
نے مجھے ایسا نہیں کرنے دیا۔

''آیان ...... میری خاطر یار ......'' میں نے ریحان کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر التجا
تھی۔ میرا بھائی مجھے اس وقت دنیا کا سب سے مجبور انسان نظر آیا۔ میں نے ایک قدم بڑھا کر شوکی کے سامنے باقاعدہ
ہاتھ جوڑ دیے۔ شوکی کے دوستوں نے تالیاں پیٹیں اور سیٹیاں بجائیں۔ بھیڑ میں بہت سے لوگوں نے سر جھکا دیے۔ یہ
صرف میری نہیں شاید ان کے اندر کے آدمی کی بھی شکست تھی۔ شوکی چند لمحے مجھے انہی سفاک نظروں سے گھورتا رہا اور
پھر چلا کر سب کو سنانے کے لیے بولا ''آج تو معاف کیے دیتا ہوں ...... لیکن آئندہ اگر شوکی کے راستے میں آیا تو میرے
جوتوں پر اپنا ماتھا بھی رگڑے گا تو نہیں معاف کروں گا ......'' میں پلٹ کر واپس جانے لگا تو شوکی نے ریحان کو آواز دی
''سنتے ہو بڑے بھیا! اپنے چھوٹے بھائی کی غلطی کا جرمانہ تو بھرتے جاؤ ......''

شوکی شاید بھیڑ کو یہ پیغام بھی دلوانا چاہتا تھا کہ ان لڑکوں نے اسے اس علاقے میں بھتہ لینے سے روکا تھا آج
ان کا لیڈر خود اسے بھتہ دینے پر تیار ہے۔ یہ سارے نفسیاتی حربے شوکی جیسے غنڈوں کو بخوبی پتہ تھے، اور شاید یہ ان کا
کاروبارِ دہشت کے لیے ضروری بھی تھے۔ ریحان نے ٹوٹی ہوئی نظروں سے میری جانب دیکھا اور اپنی جیب سے دو
ہزار روپے کے نوٹ نکال کر شوکی کی ہتھیلی پر رکھ دیے۔ یہ وہی دو ہزار روپے تھے جو میں نے گزشتہ رات ریحان کو امی کو
دینے کے لیے حوالے کیے تھے۔ میری زندگی کی پہلی کمائی جسے دیکھ کر میری ماں کی آنکھوں میں چند لمحے کے لیے ہی
سہی ...... پر ایک ایسی چمک لہرائی جو میری اس ناکارہ زندگی کا حاصل ہوتی۔ ریحان نے وہی دو ہزار شوکی کو دے دیے۔
شاید اس بات کا علم بھی ابا نے ہی اسے دے رکھا ہوگا۔ شوکی کے لیے ان دو ہزار روپوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ایسے
جانے کتنے نوٹ وہ روزانہ آس پاس کی دوکانوں سے لوٹ کر لے جاتا ہوگا مگر میرے لیے وہ دو ہزار کیا تھے، یہ میں ہی
جانتا تھا۔ ابا کی پوری پنشن، امی کے لیے مہینے بھر کا سودا سلف، چھوٹی کے لیے سہیلیوں سے کیا ہوا گرم شال کا وعدہ،
ریحان کی پسند کی کوئی کتاب ...... جانے کون کون سے خواب چھپے تھے ان دو ہزار کے نوٹوں میں ...... چاہے ان میں سے
کوئی ایک خواب ہی پورا ہوتا پر ہو تو جاتا ...... ریحان نے میرا وہ پہلا معصوم خواب شوکی کی ہتھیلی پر رکھ دیا تھا۔ شوکی نے

چند لمحے حقارت سے ان نوٹوں کو دیکھا ''ہونہہ ...... بس ...... اتنے کے تو شوکی روزانہ پان کھا جاتا ہے ......'' شو
بے پرواہی سے وہ نوٹ اپنے سر سے وار کر پیچھے کھڑے اپنے ساتھیوں پر نچھاور کر دیے۔ ریحان نے میرا ہاتھ
مجھے بھیڑ کے اندر سے راستہ بناتے ہوئے واپسی کی راہ لی۔ لوگ آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے ''سچ ہے بھئی
غنڈوں سے کون نپٹ سکتا ہے'' ''لڑکے نے اچھا ہی کیا ...... ورنہ ساری عمر کا نقصان اٹھاتا ......''
''ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ سارا تماشا ... ان کو جھکنا پڑے گا ......'' ریحان سنی ان سنی کرتے ہوئے
سے میرا ہاتھ تھامے آگے بڑھتا رہا ...... میں تو پہلے ہی اپنی ساری سماعتیں کھو چکا تھا۔ میرے لیے اب کوئی لفظ
رکھتا تھا۔ شاید میں وہیں شوکی کے سامنے کھڑے کھڑے ہی مر گیا تھا۔
ریحان مجھے گھر لے جانا چاہتا تھا لیکن کیفے فراق کے سامنے میں نے اس سے اپنا بازو چھڑا لیا۔
''تم لوگ جو چاہتے تھے وہ ہو گیا ...... اب مجھے کچھ دیر کے لیے تنہا چھوڑ دو ......'' ریحان سٹ پٹا
''لیکن وہاں گھر میں سب لوگ ہمارا انتظار کرتے ہوں گے ......''
''تم تنہا واپس جا کر انہیں یہ شرم ناک داستان سنا سکتے ہو ......'' میں ریحان کی مزید کوئی بات سنے بغیر
سے پلٹ گیا۔ ریحان جانتا تھا کہ اس وقت میں اس کی کوئی بات نہیں مانوں گا۔ وہ پیچھے سے چلا کر بولا ''اچھا ٹھیک
لیکن جلدی گھر واپس لوٹ آنا ...... امی تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں گی ......''
میرا دل اس وقت زور زور سے رونے کو چاہ رہا تھا۔ میں اتنی زور سے چیخنا چاہتا تھا کہ میری آواز سے
پھٹ جائے ...... جانے میں کہاں جا رہا تھا؟ شاید کسی ایسے ہمدرد کی تلاش میں جس کے سامنے میں اپنی روح پر
زخموں کی ٹیسوں کو کچھ دیر کے لیے بھلا سکتا، اور پھر مجھے تب ہوش آیا جب میرا ہاتھ شیخ صاحب کے دروازے پر
دے چکا تھا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور تنویر میرے سامنے کھڑا تھا ''ارے ...... بڑی لمبی عمر پائی ہے تم نے ......
ابھی تمہارا ذکر ہی کر رہے تھے۔'' تنویر اپنائیت میں آپ سے تم پر آ گیا تھا۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اندر بیٹھک کی
لے گیا۔ صحن کے برآمدے میں ایک جانب بنے باورچی خانے سے دوپہر کے کھانے کی خوشبو سے سارا آنگن
تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ میری بے وقت آمد آداب کے خلاف ہے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ مجھے وقت کا احساس ہی
بھلا؟ اور پھر جب کچھ ہی دیر بعد بیٹھک میں خوان آنے لگے تو میرے خدشات حقیقت میں بدل گئے۔ شیخ صا
ان کے گھر والے میری آمد کے وقت دوپہر کے کھانے کے لیے بیٹھ چکے تھے اور میری وجہ سے انہیں اٹھنا پڑا تھا
تنویر اور شیخ صاحب سے معذرت ہی کرتا رہ گیا کہ مجھے بالکل بھوک نہیں ہے اور میں یوں اچانک آنے پر بہت
ہوں مگر میزبان بھلا کب مہمانوں کے عذر سنتے ہیں؟ مجبوراً مجھے شیخ صاحب اور تنویر کا ساتھ دینے کے لیے
ہوئے بھی چند نوالے نگلنا پڑے ...... بے وقت اور بنا بھوک کھانا بھی کیسی سزا ہے؟ اس کا اندازہ مجھے اسی روز ہو
انسان سدا ہی سے بس اپنی فطرت کا غلام ہے۔ اسی لیے یہ بڑے بڑے تیاگی اور جوگی اپنی مرضی کو ترک کر دینے
اپنی زندگی کا حاصل پوشیدہ سمجھتے ہیں۔
کھانے کے بعد درمیانی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور قہوہ تھما دیا گیا۔ جانے مجھے ایسا کیوں
دروازے کی دوسری جانب کوئی تھی۔ شیخ صاحب نے باتوں کے دوران میری وہاں غیر موجودگی کو محسوس کر لیا تھا
[illegible]

پیچھے ہماری گفتگو مستقل سنا جا رہا ہو۔ لہٰذا بار بار یہ بھول جاتا کہ میں شیخ صاحب سے مخاطب ہوں یا پھر اس مسیحا سے کہ جس کے سامنے اپنے دل کا درد بیان کرتے ہوئے مجھے راحت محسوس ہو رہی تھی۔

میری بات ختم ہونے پر شیخ صاحب نے لمبی سی سانس لی۔ "چلو جو ہوا بہتر ہوا میاں..... دراصل میں خود بھی تمہیں یہی کہنے کے لیے کل سے بلا رہا تھا کہ اس فساد کو ختم ہی کر دو تو بہتر ہے۔ تم نے آج بڑی بہادری کا کام کیا۔ بہادری صرف دشمن کو زیر کر لینے کا ہی نام نہیں۔ اصل بہادر وہ ہوتا ہے جو اپنے غصے اور خواہش پر قابو پا لے۔ جو تم نے کر کے دکھا دیا......"

میں خاموش رہا۔ شیخ صاحب کچھ دیر کے لیے نماز ادا کرنے کے لیے معذرت کر کے اندر چلے گئے۔ پردے کے پیچھے سے تنویر کو برتنوں کی واپسی اور مزید چائے کے لیے پوچھا گیا۔ تنویر نے برتن لوٹا دیے۔ میں نے جانے کے لیے اجازت طلب کی۔ شیخ صاحب بھی لوٹ آئے۔ جانے کیوں اس وقت میرا دل بہت عجیب انداز میں دھڑکا۔ شاید دل کی فریادیں کبھی کبھی براہ راست ساتویں آسمان سے بھی پرے قبولیت کے کسی ستون سے جا کر ٹکراتی ہیں۔ ٹھیک اسی وقت جب میں شیخ صاحب سے رخصت طلب کر کے پلٹنے والا تھا۔ درمیانی پردہ ہٹا اور شگفتائی جی بیٹھک میں آ گئیں۔ ان کے پس منظر میں ستارہ اور گہنا کی جھلک بھی دکھائی دے گئی وہ دونوں دروازے کے پرے رکی رہیں۔ شگفتائی جی نے مجھ سے کہا کہ وہ اور دونوں بچیاں سمجھتی ہیں کہ مجھے کچھ دنوں کے لیے اس شہر سے کہیں باہر چلے جانا چاہیے تاکہ وہ غنڈے مزید کوئی شرارت نہ کر سکیں۔ میرا دل کچھ عجیب سے انداز میں دھڑکا۔ گویا وہ میرے بارے میں سوچتی ہے۔ ابھی اس کی ماں نے یہی تو کہا کہ وہ دونوں بھی ایسا سوچتی ہیں۔ ستارہ اور گہنا..... میری نظر ابھی اور شگفتائی جی کے پس منظر میں فکرمندی کھڑی گہنا پر پڑی۔ مجھے لگا جیسے دنیا میں سب کچھ برا نہیں ہے۔ کوئی اور وہ ہے جو میرے لیے پریشان ہے۔ شگفتائی جی نے مسکرا کر پوچھا "اب تو تمہارے ابا تم سے ناراض نہیں رہیں گے؟" اور ان کی بات ختم ہوتے ہی گہنا کی کھلکھلاتی آواز نے ماحول متبسم کر دیا "اور ہاں..... اگر اس بار آپ کے ابا آپ کو گھر بدر کریں تو فٹ پاتھ پر رات گزارنے کے بجائے یہاں آ جائیے گا۔ یہ بھی آپ ہی کا گھر ہے۔" شیخ صاحب نے تنبیہ کی "گہنا..... ایسا نہیں کہتے......" میں بھی مسکرایا۔ "گھر بدر کیا تو آپ کی پیش کش پر ضرور غور کروں گا۔ لیکن اگر شہر بدر کرنے کے احکامات آ گئے تو پھر کیا ہوگا......" سب زور سے ہنس پڑے۔ وہ مسکرائی اور میرا زندگی میں کھویا اعتماد بحال ہونے لگا۔ دروازے پر رخصت کرتے وقت تنویر نے مجھے بتایا کہ وہ آج کل شام میں سی ایس ایس کی تیاری کر رہا ہے۔ اگر میں اس کے ساتھ جڑنا چاہوں تو اسے خوشی ہوگی۔ "نہیں تنویر..... یہ مقابلے کا امتحان وغیرہ میرے بس کی بات نہیں..... مجھے تو اس مستقل غلامی سے دور ہی رکھو..... ویسے تمہیں یہ خیال کیسے آیا......؟"

"بس..... سوچا کہ یہ سفر کر بھی سر کر لیا جائے..... افسر بن کر دیکھا جائے......" میں نے مسکرا کر تنویر کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ "افسر بن کر ہمیں نہ بھول جانا جہاں پناہ......"

دن بھر آوارہ گردی کے بعد میں شام ڈھلے کالونی میں داخل ہوا تو محلے میں مشی کے گھر کے باہر غیر معمولی چہل پہل اور چند پولیس والوں کو کھڑا دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ اچانک بھیڑ میں سے رابعہ دوڑتے ہوئے آ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ وہ زاروقطار رو رہا تھا۔

"کہاں تھا تو الو..... یار شوکی اور اس کے غنڈوں نے مشی کو بہت مارا ہے..... ابھی کچھ دیر پہلے اسے ایمبولینس میں ہسپتال لے کر گئے ہیں......"

باب 8

میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ رابعہ نے مجھے بتایا کہ شام کو جب مشی فٹ بال گراؤنڈ سے واپس آ رہا تھا تو محلے کے باہر اسے شوکی گروہ نے گھیر لیا اور اسے مجبور کرنے لگے کہ وہ ان سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگے ورنہ وہ اس کی ہڈی پسلی ایک کر دیں گے۔ مشی کے انکار پر بات بڑھ گئی اور انہوں نے مشی کو بے رحمانہ تشدد کا نشانہ بنا کر وہیں سڑک کنارے پھینک ڈالا۔ بالا ایمبولینس میں مشی کے ابا کے ساتھ ہسپتال جا چکا تھا اور رابعہ میری تلاش میں نکلنے والا تھا۔ رابعہ زاروقطار رو رہا تھا۔ خود میرا دل ایسا ڈوبا کہ میرے لفظ ہی گم ہو گئے تھے۔ ہم ہسپتال پہنچے تو کالونی کے بزرگ مختلف ٹولیاں بنائے یہاں وہاں کھڑے سرگوشیوں میں مشغول تھے۔ انہی میں مجھے ابا بھی ایک ٹولی میں کھڑے دکھائی دیے۔ ریحان نے ہسپتال کی راہداری میں مجھے دیکھا تو تیزی سے میری جانب لپکا۔ "کہاں تھے تم..... کب سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں......" میں نے ریحان کی ان سنی کرتے ہوئے اس سے پوچھا "مشی اب کیسا ہے..... کس وارڈ میں رکھا ہے اسے......؟" ریحان نے مجھ سے نظریں چرائیں۔ "وہ اسے آئی سی یو میں لے گئے ہیں......" میرے ذہن میں دھماکے سے ہونے لگے۔ مشی کو انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں لے جایا گیا تھا۔ مطلب اس کی حالت خطرے سے باہر نہیں ہے۔ میں ان سب کے ساتھ لرزتے قدموں سے آئی سی یو کے باہر والی راہداری میں پہنچا تو وہاں ایک عجیب سی خاموشی طاری تھی۔ صرف بالا مشی کے ابا کے ساتھ راہداری میں دیوار کے ساتھ جڑی کرسیوں کی قطار میں خاموش سا بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ یوں تیزی سے اٹھ کر میری جانب بڑھا جیسے کوئی ناراض بچہ اپنی ماں کو دیکھ کر اپنے ٹوٹے کھلونے کی شکایت کرنے کے لیے اس کی جانب دوڑتا ہے لیکن وہ میرے قریب آ کر بھی کچھ کہہ نہیں پایا۔ بس میرے کاندھے پر سر رکھ کر رو پڑا۔ اس کے ہاتھ میں مشی کی ٹوٹی ہوئی عینک کا فریم تھا۔ مشی کو بچپن میں ہی نظر کی عینک لگ گئی تھی اور ہم جب اسے چشمش کہتے تھے تو وہ بہت چڑتا تھا۔ دراصل اس کا یہ بگڑا ہوا نام یعنی مشی بھی اسی چڑ یعنی چشمش کی اگلی اختراع تھا۔ وہ جہانگیر سے چشمش اور پھر مشی کب بنا یہ تو ہمیں یاد نہیں تھا لیکن اتنا ہم سب جانتے تھے کہ ہم چاروں میں وہ سب سے زیادہ نازک اور نفاست پسند تھا۔ گھر کا اکلوتا بچہ ہونے کی وجہ سے اپنی ماں کا شدید لاڈلا اور باپ کی آنکھوں کا تارا تھا۔ اسے شروع سے ہی ان لڑائی جھگڑوں سے سخت کوفت ہوتی تھی اور ہمارے ہر جھگڑے کی شروعات سے ہی اس کی یہ کوشش رہتی تھی کہ معاملہ صلح صفائی سے ہی نمٹ جائے تو بہتر ہے۔ لیکن اگر معاملہ آخر کار اس کے برعکس بھی ہوتا تو اس نے کبھی پیٹھ نہیں دکھائی تھی۔ مشی کی ہم دونوں جیسی ان جھگڑوں کے دوران ٹوٹی

تھا دشمن کے پیچھے چڑھ گیا تھا۔ اگر ہم میں سے کوئی ایک بھی مشی کے ساتھ ہوتا تو ان کی اتنی ہمت نہ ہوتی کہ وہ تنہا مشی کو للکارتے۔ ہمیں جدا کرنے والے بھی اس جرم میں برابر کے شریک تھے۔ اچانک راہداری کے آخری سرے سے چچا فراق اور مرزا بوکھلائے ہوئے سے آتے دکھائی دیے۔ مشی کے ابا نے جلدی سے پوچھا "خون کا انتظام ہو گیا.....؟"

"ہاں..... خون تو ہم بلڈ بینک میں جمع کرا آئے ہیں اور ڈاکٹر کو اطلاع بھی کر دی ہے۔ لیکن شاید اور ضرورت بھی پڑ جائے۔" مشی کے ابا نے ہاتھ آسمان کی جانب اٹھا دیے "یا مالک..... بس تیرا ہی آسرا ہے..... میرے بچے پر رحم کر....."

کتنی عجیب بات تھی کہ ہم تین دوستوں میں سے کسی کا بھی خون مشی کے خون کے گروپ سے میل نہیں کھاتا تھا جبکہ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ اتنا عرصہ ساتھ رہنے کے بعد دوستوں کا خون بھی ایک جیسا ہو جاتا ہو گا کیونکہ یہ وہ رشتہ ہے جو خون کے رشتوں کو بھی پار کر جاتا ہے۔

جانے کب گہری شام رات میں ڈھلی اور کب رات کو صبح کے اجالے نے نگل لیا۔ ہمارے لیے وقت اور گھڑیاں ٹھہر چکی تھیں۔ ہم وہیں آئی سی یو کی راہداری میں دیواروں سے ٹیک لگائے بیٹھے رہے۔ مشی کی حالت بگڑے اڑتالیس گھنٹوں سے زیادہ گزر چکے تھے۔ جب بھی وارڈ کا دروازہ کھلتا ہم سب کے دل دھک سے رہ جاتے۔ مجھ میں تو اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ آگے بڑھ کر کھڑکی کے شیشے سے اسے پٹیوں میں لپٹا پڑا دیکھ لوں۔ پولیس والے تین چار مرتبہ مشی کا بیان لینے آ چکے تھے لیکن وہ ہوش میں آتا تو کوئی بیان دیتا۔ میں نے مرزا کے ذریعے اسماعیل کو پیغام بھجوا دیا تھا کہ شاید میں دو چار روز ٹیوشن کے لیے نہ جا سکوں۔ لہٰذا وہ مجھے لینے نہ آئے۔ ریحان نے دبے لفظوں میں مجھے ایک دو بار گھر چکر لگا آنے کا کہا لیکن وہ خود بھی جانتا تھا کہ میں اب یہاں سے تب تک نہیں ٹلوں گا جب تک مشی کی حالت سنبھل نہیں جاتی۔ امی اور راحمہ محلے کی باقی عورتوں سمیت اب تک دو بار وارڈ کے باہر ہی سے مشی کو دیکھنے آ چکی تھیں۔ البتہ مشی کی اماں تو اسی وقت سے جائے نماز پہ سجدے میں پڑی ہوئی تھیں جب سے انہیں اپنے لاڈلے کی خبر ملی تھی وہ مشی کو دیکھنے بھی نہیں آئی تھیں۔ رابعہ اور ہالا بھی دو روز سے اپنے گھروں کو نہیں گئے تھے۔ ہم تینوں کے دل کے اندر اس وقت جو طوفان اٹھ رہا تھا اسے ہم نے صرف مشی کی ابتر حالت کے پیشِ نظر اپنے سینے میں دبا رکھا تھا اور شاید کہیں نہ کہیں اس جوار بھاٹے کی خبر ہمارے والدین کو بھی تھی۔ تبھی جب تیسری رات محلے کے بزرگ مشی کے ابا کو تسلی دے کر گھر لوٹنے کے لیے پلٹے تو انہوں نے اشارے سے مجھے اپنے پاس بلایا۔

"غصے میں آ کر ایسا کوئی قدم نہ اٹھا لینا کہ جس کے لیے بعد میں تمہیں پچھتانا ہو۔ اللہ نذیر کے بیٹے کو جلد شفا عطا کرے، یاد رکھو..... قانون ایسے غنڈوں سے نپٹنے کے لیے ہی بنا ہے....."

میرا جی چاہا کہ ان سے پوچھوں کہ اس وقت یہ قانون کہاں تھا جب ہم چاروں حوالات میں بند تھے، لیکن میں چپ رہا۔ یہ وقت ان سے بحث کے لیے مناسب نہیں تھا۔ مجھے آج تک ایک بات کی سمجھ نہیں آئی تھی کہ شرافت انسان کو بزدل بنا دیتی ہے یا بزدل اپنے اوپر شرافت کا لبادہ اوڑھے پھرتے ہیں؟؟ شرافت کی اصل تعریف کیا ہے؟ اور کیا تھانے کچہری جیسی جگہیں صرف شریفوں کے نام پر ہی ہمیشہ کے لیے بٹہ لگا دیتی ہیں کیا شرافت اتنا لباس اس قدر نازک ہوتا ہے کہ ان مقامات سے صرف گزر ہی اسے ہمیشہ کے لیے داغ دار کر دیتا ہے؟ کہ انہیں ہمیشہ سے برے لوگوں کی گزرگاہ سمجھا گیا ہے۔

تو پھر شرفاء کو انصاف دلانے کے لیے کب اور کون سی جگہ وجود میں آئے گی؟؟ اگر کسی شریف کا واسطہ کسی غنڈے سے پڑ جائے تو وہ دادرسی کے لیے کہاں جائے؟ کیونکہ بقول ابا تھانہ کچہری جانا شرفا کو زیب نہیں دیتا۔

اس بیہودہ معاشرے میں ہم نے جنم لیا ہے وہاں تو انصاف سے متعلق ہر مقام کو پہلے ہی ناکامی کا سامنا ہے یا پھر شاید یہ بھی ہم جیسے نام نہاد شرفاء کا حقیقت سے فرار کا ایک خود ساختہ بہانہ ہے۔ دراصل یہ ہم جیسے شرفاء ہی ہوتے ہیں جو اس غنڈہ گردی کے پھلنے پھولنے کا باعث ہوتے ہیں۔ ہمیں صرف گلیوں کے نکڑ، سنسان چوراہوں اور گھر کی چار دیواری کے پیچھے چھپ کر سرگوشیاں کرنا آتی ہیں۔ ہم برائی کے خلاف اعلان کرنے کی جرأت ہی نہیں رکھتے، صرف کسی غیبی نجات دہندہ کے انتظار میں ہجوم کا حصہ بنے رہتے ہیں۔ کبھی ہجوم سے ایک قدم آگے بڑھ کر ظالم کو للکارنے کی ہمت نہیں کرتے۔ کیونکہ ہمیں تنہا رہ جانے کا خوف ہر دم ستاتا ہے۔ مجھے اس روز اپنے اردگرد کی اس منافقت سے گھن آنے لگی تھی۔

آخر آسمان کو ہم پر رحم آیا اور تیسرے دن مشی نے ذرا دیر کے لیے آنکھیں کھولیں۔ اتفاق سے اس وقت اس کے نزدیک ہالا موجود تھا۔ وہ چیختا چلاتا شور مچاتا باہر راہداری میں نکل آیا۔ مشی کے ابا کے ہاتھ سے تسبیح گر گئی اور میں گھبرا کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ ہالے کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"اٹو..... یار..... وہ..... وہ مشی کو ہوش آ رہا ہے۔" ہم سب اندر کی جانب بھاگے، راہداری میں کھڑا تھانے دار بھی اپنے منشی کے ساتھ لپکا۔ مشی کی نظر مجھ پر پڑی تو اس کے نیلے ہونٹوں پر وہی بچپن والی معصوم سی مسکراہٹ ابھری۔ اس کی آواز سرگوشی نما تھی۔ "اٹو..... کہاں تھا یار....." میں نے جلدی سے مشی کا ہاتھ تھام لیا "میں یہیں ہوں..... اب میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا....." تھانے دار نے جلدی سے ہمیں ایک طرف کیا اور مشی پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ "تمہاری یہ حالت کس نے بنائی..... کیا تم ان لوگوں کے نام بتا سکتے ہو..... انہیں پہچان سکتے ہو.....؟"

مجھے تھانیدار کی بات پر شدید غصہ آ گیا۔ "آپ کو ابھی تک ان کے ناموں کا پتہ نہیں چلا..... یہ وہی لوگ ہیں جن کے کہنے پر آپ نے اس روز ہمیں گرفتار کیا تھا۔ آپ کو ابھی تک ثبوت اور گواہ کی تلاش ہے۔" تھانے دار نے کڑی نظروں سے مجھے دیکھا۔

"دیکھو لڑکے..... مجھے بیان لینے دو..... میں یہ ساری حقیقت زخمی کی زبان سے سننا چاہتا ہوں....."

ٹھیک اسی لمحے مشی کے ابا نے مشی کو آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ اشارہ کیا جو ہر مجبور اور غریب باپ اپنے تئیں اپنی اولاد کی بہتری کے لیے کر سکتا ہے۔ مشی نے بے چارگی سے ہماری طرف دیکھا اور آنکھیں موند لیں "نہیں..... میں ان میں سے کسی کو نہیں جانتا..... نہ ہی دوبارہ سامنے آنے پر پہچان سکوں گا کیوں کہ اس وقت شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔"

رابعہ اور ہالے نے اپنا سر پیٹ لیا۔ تھانے دار اپنی کارروائی پوری کرنے کے لیے مشی سے سوالات کرتا رہا اور آخر کار ڈاکٹر کی مداخلت پر بیان ختم کر کے وہاں سے چلا گیا۔

مشی کے بے ہوشی کے وقفوں میں بتدریج کمی آتی گئی۔ چوتھے روز اس نے زبردستی ہمیں کپڑے اور شکلیں بدلنے کے لیے گھر بھجوا دیا۔ پانچویں روز میں چند گھنٹوں کے لیے ناہید کو ٹیوشن دینے بھی چلا گیا۔ ناہید کی سب سے اچھی بات یہی تھی کہ وہ غیر ضروری سوالات سے از حد پرہیز کرتی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"آیان بھائی..... اچھا ہوا آپ آ گئے..... میں اور بوا ابھی آپ کا ہی ذکر کر رہے تھے۔ پتہ ہے بھیا..... بابا بھی آج رات کی فلائیٹ سے واپس آ رہے ہیں۔ سچ آپ ان سے مل کر بہت خوش ہوں گے....." میں ناہید کی دل جوئی کے لیے اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا، ورنہ میرا دھیان کہیں اور ہی تھا۔

انہوں نے گلہ کیا۔

"یہ کیا میاں..... اتنی بڑی بات ہو گئی اور تم نے ہمیں خبر تک نہیں کی..... وہ تو اچھا ہوا کہ نور میاں کی مرزا صاحب سے ملاقات ہو گئی اور ان سے اس سانحہ کا پتہ چلا۔" میں نے جواز پیش کیا۔

"دراصل میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ آپ پہلے ہی گھر کی پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں....."

لیکن شیخ صاحب اب تک ناراض سے تھے "نہیں آیان میاں..... بس آپ نے ہمیں اپنا نہیں سمجھا..... اور کچھ نہیں..... جانتے ہو یہ بات سن کر شگفتہ بی بی اور بچیاں کس قدر پریشان ہیں۔ تم آ جاتے تو انہیں بھی کچھ حوصلہ ہو جاتا۔"

"ضرور حاضر ہوتا لیکن آپ جانتے ہیں کہ مشی کی حالت بہت سیریس تھی۔ ابھی دو رات پہلے ہی تو اس نے آنکھیں کھولی ہیں۔" شیخ صاحب کے چہرے پر دکھ کے تاثرات ابھرے..... "ہاں میاں..... بڑا ظلم کیا ان ظالموں نے..... خدا انہیں پوچھے گا....." میرا جی چاہا کہ میں ان سے کہوں کہ "اگر ہر ظالم کو اس دنیا میں خدا نے خود پوچھنا ہوتا تو آج یہ دنیا جنت ہوتی" لیکن میں چپ رہا۔ شیخ صاحب کچھ دیر بیٹھنے کے بعد مجھ سے جلد گھر آنے کا وعدہ لے کر اٹھ گئے۔

رضیہ اور بالے کو میں نے کسی کام سے باہر بھیج رکھا تھا لہٰذا ہر آہٹ پر میں چونک چونک جاتا تھا۔ آخر ساڑھے دس بجے کے قریب وہ پہنچ گئے۔ میں نے انہیں ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ہم تینوں مشی کو غنودگی میں چھوڑ کر باہر راہداری میں آ گئے۔ رضیہ کی آواز دھیمی لیکن پرجوش تھی۔ "کام کی ابتداء ہو گئی ہے..... رنگیل سینما کی گلیوں میں آج رات بھتہ مانگنے والوں سے نپٹنے کے لیے یہ چولہے تیار کر دیے ہیں اور وہ قدیر ہے نا..... ہائی اسکول والا ہمارا کلاس فیلو وہ آج کل شام کے کسی اخبار کا رپورٹر لگا ہوا ہے وہ کوریج بھی دے گا اس واقعے کی۔ بس دعا کرو کہ کوئی چوک نہ ہو جائے....."

"کوئی بات نہیں..... اگر آج وہ ہم سے چوک بھی گئے تو کل پھر آئیں گے۔ اب یہ جنگ ہم میں سے کسی ایک کے خاتمے پر ہی ختم ہو گی۔"

ہم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب اس بھتہ خوری کے خلاف خود ہمیں ہی کوئی قدم اٹھانا ہو گا اور اس کام کے لیے ہم نے آس پاس کی گلیوں میں موجود اپنے جیسے درجنوں فارغ الاوقات نوجوانوں کو متحرک کرنے کا فیصلہ کیا تھا جنہیں راتوں کو گلیوں کی نکڑ اور سڑک کے تھڑوں پر بیٹھنے اور گپ شپ کے علاوہ دوسرا کوئی کام نہیں تھا۔ ہم چاروں کی پیدائش اسی علاقے کی تھی اور ہم میں سے ہر ایک کی بچپن سے جان پہچان تھی۔ ہمارے اسکول کے لڑکے کالج اور اب یونیورسٹی کے ہم جماعتوں کی ایک کثیر تعداد انہی گلیوں میں بستی تھی۔ ان سب کے والدین بھی انہیں دن بھر نکارہ اور نالائق ہونے کے طعنے دیتے تھے اور ملک کے لاکھوں کروڑوں نوجوانوں کی طرح ان کا مسئلہ بھی صرف ایک ہی تھا "روزگار" لیکن میں جانتا تھا کہ ابھی ان میں سے ایسے بہت سے ہوں گے جن کے دلوں پر منافقت کی مہر نہیں لگی ہو گی۔ ان کے اندر بہتے خون میں انا اور ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کے جراثیم ہوں گے، بے کاری اور بے روزگاری کے طعنوں نے ختم نہیں کیے ہوں گے۔ البتہ شوکی اور اس کے گروہ کو ہم نے اپنے لیے رکھ چھوڑا تھا اور ہم رات دیر تک اس پیامبر کا انتظار کرتے رہے جسے ہم نے شوکی کی خبر دینے پر لگا رکھا تھا۔ آخر صبح کی اذان سے کچھ دیر پہلے مرزا ہانپتے کانپتے ہسپتال پہنچ گیا۔ "وہ لوگ پٹھان کے ہوٹل پر چائے پراٹھے کے ناشتے کے لیے رکے ہیں پٹھان انہیں ناشتہ دینے میں کچھ دیر لگائے گا۔ میں اشارہ کر آیا ہوں۔" ہم تینوں اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ مرزا کچھ ہچکچایا "ایک بار پھر سوچ لو۔ بات بہت بڑھ جائے گی۔" "بات تو پہلے ہی بہت بڑھ چکی ہے۔ تم بس یہ دھیان رکھنا کہ رنگیل چوک سمیت کم از کم دو چار محلوں میں

ان گروپوں کو ان کی اوقات ٹھیک کرنی چاہیے۔ شوکی گروہ پر حملے کی خبر تیزی سے گلیوں میں پھیل جانی چاہیے۔" مرزا راہداری میں ہمارے پیچھے لپکا "اس کی تم فکر نہ کرو..... مگر ٹھہرو..... میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" مرزا دوڑ کے سامنے آ گیا۔ بالے نے اسے گلے لگایا "نہیں مرزا جی..... تمہیں اور بہت سے کام کرنے ہیں۔" اونچی ہوئی آواز میں چلایا "اپنا خیال رکھنا یارو....." ہم جب پٹھان کے ہوٹل کے قریب پہنچے تو ہمیں دور اور اس کے دو ساتھیوں کے قہقہے سنائی دیے۔ شاید یہ ان کا روز کا معمول تھا کہ وہ رات تک بھتہ اکٹھا کرنے کرنے کے بعد یہاں مفت کا ناشتہ کرنے آتے تھے۔ ہم ان کی بے خبری میں کچھ یوں اچانک ان کے سر پر سنبھلنے کا ذرا بھی موقع نہیں ملا۔ پھر رضیہ کی ہاکی اور بالے کی بائیک کی چین ان پر کچھ اس طرح برسی کہ مشی کے ہر زخم اور ہر نیل کا حساب برابر ہوتا چلا گیا۔ کچھ ہی دیر میں اس کار خیر میں پٹھان کے ہوٹل کے وہ ننھے بھی شامل ہو گئے جو نہ جانے کب سے روزانہ اس وقت شوکی کی گالیوں اور عتاب کا نشانہ بنتے تھے۔ پٹھان روکنے کے لیے چیخ رہا تھا پھر کچھ دیر بعد وہ بھی اپنے شاگردوں کو شاباشی دینے لگا "مار دو ان خانہ خرابوں کو توڑ دو" شوکی اور اس کے ساتھی ہتھیاروں سے لیس تھے لیکن شاید انہیں یہ ہتھیار استعمال کرنے کا بھی مو تھا۔ ہتھیار بہت دن تک استعمال نہ ہوں تو اسے زنگ لگ جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے حرام کی روٹیاں توڑ اندر زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ ہمارے سامنے بھی چند زنگ آلود جسم ٹیڑھے میڑھے زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ شوکی کو کھینچ کر ایک جھٹکے سے کھڑا کر دیا "معافی مانگنے کے آداب یاد ہیں تمہیں"۔ شوکی نے بنا کچھ کراہتے ہو سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ میں نے اس کا گریبان چھوڑ دیا اور وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین پر ڈھے گیا۔

اس کے بعد وہی ہوا جو ہم نے سوچ رکھا تھا۔ ہم گھروں کو جانے کے بجائے سیدھے فراق کے با گئے۔ ساڑھے آٹھ بجے پولیس کی جیپیں ہمارے استقبال کو پہنچ گئیں۔ اس سے پہلے ہم مرزا کو اپنے لیے وکیل تمام طریقہ کار سمجھا چکے تھے۔ مرزا نے ہمیں بتایا کہ اس رات رنگیل سینما سمیت چار مقامات پر بھتہ خوروں کے لڑکوں کی جھڑپیں ہو چکی تھیں۔ صبح کے اخبارات میں چھوٹی مگر نمایاں خبروں میں بھتہ لینے والوں کے خلاف کا ذکر تھا۔ ہمیں بنا کسی تفتیش کے حوالات میں منتقل کر دیا گیا۔

کچھ ہی دیر میں بالے اور رضیہ کے ابا بکتے جھکتے اپنے بیٹوں کو کوستے ہوئے تھانے پہنچ گئے لیکن اس نے انہیں باہر ہی روک دیا۔ میرے گھر سے اب تک کوئی نہیں آیا تھا۔ پتہ نہیں مجھے ایسا کیوں لگ رہا تھا ک مجھے لینے نہیں آئیں گے۔ پولیس نے اس بار ہم پر دفعات بھی بہت سخت لگائی تھیں اور پھر عصر کے وقت تک خدشات نے حقیقت کا روپ دھار لیا۔ مجھے ڈوبتے سورج کے ساتھ ریحان کی روتی صورت دکھائی دی۔ اسے کے لیے مجھ سے بات کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس نے آتے ہی میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آنو یار..... یہ کیا کر دیا" میں نے اس کی طرف دیکھا

"ابا نہیں آئے....." ریحان نے مجھ سے نظریں چرائیں۔

"میں انہی کا پیغام پہنچانے آیا ہوں۔ انہوں نے کہلا بھیجا ہے کہ وہ اب تم سے کوئی رشتہ باقی نہیں رکھنا چا نہ ہی تم جیل سے رہا ہونے کے بعد گھر کا رخ کرنا۔ انہوں نے تمہارے ساتھ ہر تعلق ختم کرنے کا اعلان کر دیا ہے

باب 9

میرے ہونٹوں پر ایک زخمی سی مسکراہٹ ابھری "اس کا مطلب یہ ہوا کہ مغل اعظم نے شہزادے سلیم کو عاق کر دیا آخر کار...... "میں ریحان اور چھوٹی جب بھی اچھے موڈ میں ابی کو تنگ کرنے بیٹھا کرتے تھے تو ہم اندازہ لگایا کرتے تھے کہ اگر کبھی ابا نے غصے میں مجھے عاق کر دیا تو میں ان کے کس کس ترکے سے محروم ہو جاؤں گا۔ میں انگلیوں پر گنتا "ایک ٹوٹی ہوئی سائیکل، دو پرانے پارکر پین، ایک زنگ زدہ چھڑی..." اور پھر ابی ہمارے مارنے کو لپکتیں تو ہم ہنستے ہوئے بھاگ جایا کرتے تھے، لیکن آج ابا نے آخر کار مجھ سے اپنا رشتہ توڑنے کا اعلان کر ہی دیا تھا۔ ریحان نے جلدی سے مجھے تسلی دی۔

"ایسی بات نہیں ہے آیان...... وہ تم سے اب بھی بہت پیار کرتے ہیں...... بس ذرا غصے میں ہیں اس لیے ایسا کہہ رہے ہیں۔ تم نے بھی تو ان کی آج تک ایک نہیں مانی......"

"میری بات ہوتی تو میں نے آج تک انہی کی بات کے سامنے سر جھکایا ہے...... لیکن تم جانتے ہو اس بار معاملہ کچھ اور تھا۔ آج اگر مشی کی جگہ ان کا اپنا بیٹا اس ہسپتال کے بستر پر یوں پڑا ہوتا تو کیا تب بھی وہ مجھے یا تمہیں یوں لاتعلق رہنے کا حکم دیتے......؟ ہمارے والدین کے بھی اصول بھی ضابطے صرف اپنی اولاد کے لیے ہی کیوں ہوتے ہیں......؟"

ریحان چپ رہا۔ وہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔ دوسروں کی مان لینے والا۔ خود ہار جانے والا۔ اسی لیے تو وہ ہمیشہ سب کے دل جیت لیتا تھا اور میں ہمیشہ سب کچھ جیت کر بھی ہار جاتا تھا۔ آج شاید میں نے ایک اور رشتہ کھو دیا تھا۔

ریحان میرے پاس مزید ٹھہرنا چاہتا تھا لیکن سنتری نے اسے واپس بلا لیا۔ میں واپس حوالات میں آیا تو راجہ اور بالا میرے کہے بنا ہی سب کچھ سمجھ چکے تھے۔ بالے نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا "فکر نہ کر یار...... یہ سارے ابا ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ ناریل کی طرح اوپر سے کڑک اور اندر سے ملائی کی طرح نرم۔ تیرے ابا بھی تجھے معاف کر دیں گے آخر کار......"

باہر اندھیرا چھا چکا تھا۔ ایک سپاہی نے آکر حوالات کے سامنے لگی ہوئی گیس بتی کی لو اونچی کی "تم لوگوں میں سے آیان کون ہے......؟" میں کھڑا ہو گیا۔ "چلو تمہاری ضمانت ہو گئی ہے......" میں نے حیرت سے راجہ اور بالے کی جانب دیکھا "میری ضمانت؟...... کس نے دی......؟" سنتری نے معنی خیز نظروں سے میری جانب دیکھا "بڑے

کروں والے ہو بھی...... ورنہ میں نے تو آج تک سارنگا کے نائب کو خود کبھی کسی کی ضمانت کے لیے [illegible]
دیکھا نہ سنا" ہم تینوں اچھل ہی تو پڑے "کیا کہا، سارنگا کا نائب میری ضمانت کے لیے آیا ہے......؟"
ہوا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا "انو یار...... مجھے تو یہ کوئی سازش لگتی ہے۔ ضرور وہ تجھے تھانے سے نکال کر کوئی نقـ[illegible]
چاہتا ہے......"

سپاہی زور سے ہنسا "اسے نقصان پہنچانا ہو تو یہ حوالات اس کی پہنچ سے کیا دور ہے......" پھر اچا[illegible]
احساس ہوا کہ انجانے میں شاید وہ کوئی "غیر سرکاری راز" افشا کر بیٹھا ہے۔ اس نے جلدی سے بات بدلی "[illegible]
کر، ایس ایچ او صاحب کے کمرے میں تمہارا انتظار ہو رہا ہے۔"

میں نے باہر نکلتے وقت راجہ اور بالے کو اطمینان رکھنے کا اشارہ کیا۔ تھانے دار کے کمرے کے درو[illegible]
ایک جھولتی ہوئی پرانی چک پڑی ہوئی تھی۔ جہاں سے ایک خاص بیڑی کے دھوئیں کی مہک نے باہر نکل کر [illegible]
اندھیری راہداری کو مہکا رکھا تھا۔

میں چک اٹھا کر کمرے میں داخل ہوا تو تھانے دار مودب سا بیٹھا ہوا سامنے والے کو کچھ وضاحت کر[illegible]
کمرے میں دو اور اشخاص اپنے مضبوط بازوؤں کے کف کہنی تک چڑھائے مستعد سے کھڑے تھے۔ شاید
ہوئے شخص کے محافظ تھے۔ تھانیدار کہہ رہا تھا "لیکن موسیٰ بھائی ان تینوں نے شوکی اور اس کے ساتھیوں کی [illegible]
ایک کر کے رکھ دی ہے۔ وہ تینوں اس وقت ہڈیوں کے وارڈ میں داخل ہیں...... لو یہ آ گیا تمہارا مجرم...... اسی کا [illegible]
ہے...... یہی ان سب کا سرغنہ ہے......"

کرسی پر بیٹھا ہوا شخص کھڑا ہو گیا اور میری جانب پلٹا۔ وہ چالیس پینتالیس سال کا ایک دراز قد آ[illegible]
چہرے پر نوکیلی مونچھیں، گلے میں کسا ہوا تعویذ اور دائیں ہاتھ پر مضبوطی سے بندھا ہوا امام ضامن...... بازو [illegible]
مچھلیاں کرتے کی آستین سے پھٹ کر باہر نکلنے کو تیار، ایک ہاتھ میں لوہے کا سخت کڑا، آنکھوں میں سمندر جیسی گہر[illegible]
گی، چہرہ ہر احساس سے عاری اور گھنے بال لٹوں کی صورت میں گدی سے ہو کر شانوں پر جھول رہے تھے۔ [illegible]
تھا۔ کچھ دیر تک ہم دونوں ایک دوسرے کی جانب دیکھتے رہے۔ موسیٰ کی آنکھوں میں ضرور کچھ بات تھی۔ کچھ عج[illegible]
جیسے ایکس رے...... وہ بغور میرا جائزہ لیتا رہا اور پھر مسکرا کر بولا "اچھا...... تو یہ ہے وہ بہادر جس نے ا[illegible]
رات میں سارنگا کی چار ٹولیوں سے ٹکر لی ہے...... خوب...... بہت اچھا کیا...... اس حرام خور شوکی کی تو بگی ہوئی [illegible]
بھی تو زوالی چاہیے تھی تجھے...... جی خوش کر دیا......"

موسیٰ تھانے دار کی طرف مڑا...... "کوتوال جی...... شوکی کی طرف سے کیس میں واپس لیتا ہوں۔ [illegible]
جوان کو ضمانت پر رہا کر دو...... کوئی کاغذ بھرنا ہے تو ابھی بھروا لو......"

ایس ایچ او نے مستعدی سے کہا "لکھت پڑھت بھی ہو جائے گی۔ جب آپ نے کیس ہی واپس [illegible]
ہے تو پھر بات ختم ہو گئی۔ جاؤ بھئی...... تم اپنے گھر جا سکتے ہو......"

"میں اپنے دوستوں کو لیے بغیر واپس نہیں جاؤں گا...... اگر رہا کرنا ہے تو ہم تینوں کو رہا کرو...... ان [illegible]
وہی الزام ہے جو مجھ پر تھا......"

تھانے دار نے موسیٰ کی طرف دیکھا۔ موسیٰ نے سر ہلایا۔

"لگتا ہے دوستی کے بھی سبق پڑھ چکے ہو۔۔۔ کوتوال جی۔۔۔ اس کے دوستوں کو بھی جانے دو۔" تھانے دار کے اشارے پر باہر کھڑا ایک سپاہی حوالات کی جانب چلا گیا۔ میں نے موسیٰ سے پوچھا "میں اس مہربانی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" موسیٰ نے تازہ بیڑی زبان سے بھگو کر ہونٹوں میں دبائی۔ اس کے قریب کھڑے ایک محافظ نے جلدی سے بیڑی کو تیلی دکھائی۔ موسیٰ نے ایک گہرا کش لیا

"کیا کریں شہزادے۔۔۔ تیری سفارش ہی بڑی اونچی آئی تھی۔۔۔ تبھی تو مالک نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔۔۔ جا اب گھر جا۔۔۔ تیرے گھر والے تیری راہ دیکھتے ہوں گے۔۔۔"

اتنے میں بالا اور ربیعہ بھی سپاہی کے ساتھ کمرے میں آ گئے۔ موسیٰ نے انہیں بھی غور سے دیکھا اس کے انداز میں کچھ ایسی دلچسپی تھی جیسے کوئی بزرگ اپنے خاندان کے چند شریر بچوں کو سرزنش بھی کر رہا ہو اور ساتھ ہی ان کی شرارت کا مزہ بھی لے رہا ہو۔۔۔ اس نے آگے بڑھ کر پہلوانوں کے انداز میں ربیعہ اور بالے کے شانوں پر زور ڈالا اور ہم سب کے بازوؤں کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھا "ہڈیاں مضبوطی سے بنائی ہیں اپنی اپنی جگہ پر تم سب نے۔۔۔ میرے حرام کے جنے تو لگتا ہے صرف روٹیاں ہی توڑتے رہے آج تک۔۔۔" ہمارے لیے سارنگ کا یہ روپ بالکل ہی غیر متوقع تھا۔ آخر اس نے ہماری مدد کے لیے اپنے خاص کارندے موسیٰ کو تھانے ہماری ضمانت کے لیے کیوں بھیجا تھا۔ جبکہ ہمارے خلاف اس بار اتنے بڑے الزامات تھے کہ ہم آرام سے چھ چھ ماہ کے لیے جیل کی ہوا کھا سکتے تھے۔ اگر سارنگ کو ہم سے کوئی بدلہ لینا تھا یا ہمیں نشان عبرت بنانا تھا تو اس کے لیے ابھی اس کے پاس بہت وقت پڑا تھا۔ پھر ہمیں تھانے سے نکالنے کی اتنی جلدی کیوں؟ ہو سکتا ہے وہ اپنے حساب کتاب زیادہ دیر باقی نہ رکھنے کا عادی ہو؟؟

ہم جتنا سوچتے اتنا ہی مزید الجھتے رہے۔ جب ہم کیفے فراق کے قریب پہنچے تو رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ مرزا اور فراق بچا جا چکے تھے۔ ہم تینوں میں سے سب سے زیادہ مجھے گھر واپس جانے میں جھجک ہو رہی تھی، لیکن مجبوری تھی۔ گھر کے علاوہ ہمارے پاس کوئی اور ٹھکانہ بھی تو نہیں تھا۔ ربیعہ نے جدا ہونے سے پہلے مجھے اور بالے کو سختی سے تاکید کی کہ اب ہم تینوں میں سے کوئی بھی اکیلا کالونی سے باہر نہیں جائے گا۔ جب تک سارنگ کی نیت ہم پر پوری طرح کھل نہیں جاتی تب تک ہمارا تنہا گھومنا بے حد خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ ایسی ہی ایک غلطی کی سزا ہم مشی کے ہسپتال میں پڑے گھائل جسم کی صورت میں بھگت رہے تھے۔

اپنی گلی میں پہنچ کر میرے قدم خود بخود سست پڑ گئے۔ میں نے جھجکتے ہاتھوں سے دروازے پر دستک دی۔ پھر نہ جانے کیا سوچ کر میں نے زمین سے دو چار کنکر اٹھائے اور وقفے وقفے سے صحن میں اچھال دیے۔ کچھ ہی دیر میں صحن میں کسی کے بھاگنے کی آواز سنائی دی اور دوسرے ہی لمحے کھلے دروازے سے چھوٹی نے جھانکا۔ اس کی آواز خوشی سے کانپ رہی تھی "آیان بھائی۔۔۔ آپ آ گئے۔۔۔ مجھے یقین تھا کہ آپ ضرور رہا ہو جائیں گے۔۔۔ آپ جانتے ہیں آپ کے لیے آپ کی چھوٹی کتنا روئی ہے۔۔۔" چھوٹی کے آنسو اب بھی ٹپکنے کے لیے تیار تھے۔ میں نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی اور صحن میں داخل ہو گیا "کیوں تمہیں تو خوش ہونا چاہیے تھا۔۔۔ صبح ناشتے کی ملائی کا ایک حصہ دار تو کم ہوتا۔۔۔ اب تمہارا اور اس پڑھاکو پروفیسر کا راج ہوتا سارے دسترخوان پر۔۔۔" چھوٹی روتے روتے ہنس پڑی "نہیں چاہیے اب مجھے اپنا حصہ۔۔۔ کل سے میں اپنا حصہ بھی آپ کو دے دیا کروں گی۔۔۔ بس اب آپ کہیں نہ جایئے گا۔۔۔ آپ چھت پر چلیں میں آپ کے لیے کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔۔۔" میں نے ایک قدم ہی اٹھایا تھا کہ ابا کی سرد سی آواز گونجی

ایک محبت اور سہی

"وہیں رک جاؤ۔۔۔ اب تمہارا اس گھر پر کوئی حق نہیں ہے۔۔۔ تم کس منہ سے واپس آئے ہو۔۔۔
کے چہرے پر کالک پوت کر۔۔۔"

امی ان کے پیچھے برآمدے میں نکلیں۔۔۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔ وہ اپنے گھر نہ آتا تو
جاتا۔۔۔؟" "ابا چلائے "نہیں ہے یہ اس کا گھر۔۔۔ اس گھر کو اپنا سمجھتا تو اس کی عزت کا بھی پاس ہوتا
اخباروں تک شہرت پہنچ گئی ہے اس کی لوفر گردی کی۔۔۔ لوگ بازار میں مجھے روک روک کر پوچھتے ہیں کہ یہ آیان ا
سنا ہے جو شہر کے سب سے بڑے غنڈے سے الجھتا پھرتا ہے۔۔۔ مطلب یہ تو اس غنڈے سے بھی بڑا غنڈا

اتنے میں ریحان بھی چھت سے نیچے اتر آیا۔ اس کی عادت تھی کہ وہ رات دیر تک چھت پر میر
میں کھلی ہوا میں بیٹھ کر کچھ نہ کچھ پڑھتا رہتا تھا۔۔۔ اس نے میری طرف داری کی ہمت کی۔۔۔ "نہیں ابا
اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا ہے۔۔۔ اب یہ آئندہ ایسا کچھ نہیں کرے گا۔"

ابا گرجے "بس۔۔۔ بہت ہو گیا۔۔۔ خبردار جو اب اگر کسی نے بھی اس کی طرف داری کی
کی۔۔۔ پوچھو اس سے۔۔۔ کیا میں نے اسے منع نہیں کیا تھا کہ اس جھگڑے میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے
نے اسے خود ہسپتال میں خاص طور پر یہ حکم نہیں دیا تھا کہ خود کو اس غنڈہ گردی سے علیحدہ رکھے۔۔۔ لیکن اس نے
کئی بار پھر پورے خاندان کو رسوا کر دیا۔۔۔"

میں نے سر اٹھایا "انہوں نے ہمارے دوست کو موت کے منہ تک پہنچا دیا۔۔۔ کل کو یہ سلوک وہ
ریحان کے ساتھ بھی کر سکتے ہیں۔۔۔ کیا تب بھی آپ۔۔۔" ابا نے غصے سے کانپتے ہوئے میری بات کاٹ دی
کو مت ملاؤ اپنے ساتھ۔۔۔ یہ تمہاری طرح لوفر نہیں ہے۔۔۔"

گویا ابا کو اس بات سے فرق نہیں پڑتا تھا کہ کوئی مجھے مار کر پھینک جائے انہیں تو بس اپنے بڑے او
منہ بیٹے کی فکر تھی۔ امی نے میرے چہرے کے تاثرات پڑھ لیے اور وہ جلدی سے بولیں

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ریحان کے ابا۔۔۔ دونوں بیٹوں میں فرق تو نہ کریں۔۔۔" "ابا ا
پلٹے "اس نے مجھے مجبور کر دیا ہے یہ فرق روا رکھنے کو۔۔۔ کہو اس سے کہ اگر یہ ریحان کی طرح بننا چاہتا ہے تو
کے سامنے تمہارے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائے کہ یہ آئندہ اپنے ان آوارہ دوستوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں
صرف اسی صورت میں میں اسے معاف کروں گا۔"

ابا کی بات سن کر سب ہکا بکا سے رہ گئے۔ دنیا کی سب سے کڑی شرط رکھی تھی انہوں نے مجھے معا
کی۔ ماحول پر سناٹا سا چھا گیا۔ پھر میں نے ہی خاموشی توڑی "ہم چاروں میں سے ہر ایک کے والد دوسرے
لیے وہی خیالات رکھتے ہیں جو آپ کے ان کے بارے میں ہیں اور ہم میں سے ہر ایک خود کو باقی تین کی
باعث سمجھتا ہے۔ اگر میں ریحان کی طرح پڑھائی میں بہت زیادہ تیز نہیں ہوں تو اس میں ان تینوں کا نہیں
ہے ابا۔۔۔ اور پھر خدا نے ہر انسان کو الگ ذہن اور الگ استطاعت دی ہے، لیکن میں نے ہمیشہ کوشش کی
کے معیار پر پورا اتر سکوں، لیکن ہر طالب علم کا نصیب یا خواہش صرف سرکاری نوکری ہی تو نہیں ہوتی اور شا
بہت اچھا سرکاری نوکر بن بھی نہ پاؤں کیونکہ صبح نو سے شام پانچ بجے تک کی پابندی میرے مزاج کے خلاف

امی چھوٹی اور ریحان دم سادھے میری بات سن رہے تھے۔ کیونکہ زندگی میں پہلی بار میں نے ابا سے ایک ہی وقت میں اتنی لمبی اور سیدھی بات کی تھی۔ ورنہ ہمارے درمیان نسلی فاصلہ کچھ اتنا طویل تھا کہ ہوش سنبھالنے کے بعد صرف سلام دعا، ڈانٹ یا کسی ضرورت کے وقت میری ابا سے بات ہوتی تھی اور وہ بھی بذریعہ امی، چھوٹی یا ریحان اور صرف مجھ پر کیا موقوف...... مجھے تو لگتا تھا کہ ہمارے ملک کی نوے فی صد غریب اور اوسط درجے کی نوجوان نسل اپنے ماں باپ سے کھل کر اپنی بات نہیں کر پاتے۔ ابا کی سانس میری لمبی تمہید کے دوران پھولتی رہی۔ "بہت خوب...... تو آج تم نے اپنے باپ کے سامنے کھڑے ہونے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے۔ ٹھیک ہے...... شاید ایک دن ایسا ہونا ہی تھا۔ تو تم اپنے دوستوں کو نہیں چھوڑ سکتے...... اب ذرا یہ بھی بتا دو کہ تم کرنا کیا چاہتے ہو...... ساری زندگی سیکنڈ اور تھرڈ ڈویژن کے نمبروں سے بمشکل پاس ہونے والے کو ایسی کون سی پیشکش ہوگئی ہے لاکھوں روپے ماہانہ کمانے کی......؟"

"مانتا ہوں کہ میں ساری زندگی بہت کم نمبروں سے کامیاب ہوا ہوں لیکن اس کی وجہ میری نالائقی سے زیادہ میری زیادہ نمبر لینے کی دوڑ میں شامل نہ ہونے کی خواہش بھی تھی۔ میں نے ہمیشہ 35 نمبروں کو ہی کافی سمجھا...... کیونکہ میرے مضمون ہمیشہ آپ کے منتخب کردہ ہوتے تھے۔ آپ نے کبھی مجھے یہ سوچنے ہی نہیں دیا کہ میں خود کیا پڑھنا چاہتا ہوں۔ کیا بننا چاہتا ہوں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ میں آج اپنے آپ کو ہی گم کر بیٹھا ہوں۔ میرا تعلیمی کیریئر اوسط درجے کا ہے اور میرے سامنے کوئی بڑی منزل نہیں ہے...... مجھے چار پانچ گریڈ کی کسی سرکاری نوکری پر ہی اکتفا کرنا پڑے گا جو میں کر نہیں سکتا......"

امی نے بات بگڑتے دیکھ کر مجھے ڈانٹا "اُف...... یہ تو کیا کہہ رہا ہے...... اپنے ابا سے کوئی ایسے بات کرتا ہے......؟"

ابا نے امی کو روک دیا "نہیں کہنے دو اسے...... اس کے اندر کا زہر باہر تو آئے...... تا کہ تم سب کو بھی پتہ چل سکے کہ اس کے دل میں اپنے باپ کی کتنی عزت ہے...... اب سنو آیان میاں...... میں نے تمہاری سن لی...... اس گھر میں اب تم اسی وقت رہ سکتے ہو جب اپنے باپ کو کچھ بن کے اور کچھ کر کے دکھاؤ گے...... دوسری صورت وہی ہے کہ تمہیں یہاں رہنے کے لیے وہی سب کچھ کرنا ہوگا جو میں تم سے ہمیشہ کہتا آیا ہوں...... اپنی تمام آوارہ گردی ترک کرو اور اپنے بھائی کی طرح اپنے باپ کا سہارا بننے کی کوشش کرو...... نہ کہ اپنے بزرگوں کا نام یوں بازاروں میں اچھالتے پھرو...... میں اس کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا......"

میں نے حتمی فیصلہ کر لیا "ٹھیک ہے...... اگر آپ یہی چاہتے ہیں تو میں اس گھر میں تبھی قدم رکھوں گا...... جب کچھ بن جاؤں گا...... نہ بن سکا تو آپ کو اپنی صورت کبھی نہیں دکھاؤں گا......"

امی حواس باختہ ہوگئیں...... "اُف...... دماغ تو خراب نہیں ہوگیا تیرا...... ریحان...... تو کچھ کہتا کیوں نہیں اپنے چھوٹے بھائی کو......" لیکن ریحان کی تو اپنی سٹی گم تھی۔ وہ میرا ہاتھ پکڑنے کے لیے میری جانب لپکا۔ چھوٹی رو پڑی "آیان بھائی...... مت جائیں......" لیکن ابا چٹان کی طرح مضبوط کھڑے رہے۔ میں ریحان سے ہاتھ چھڑا کر گھر سے باہر نکل آیا۔ اندر امی اور چھوٹی رو رو کر ابا کو دہائیاں دیتے رہے لیکن ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر توقیر احمد کے اندر کا سخت گیر استاد آج اسے کسی دہائی کے سامنے پگھلنے نہیں دے رہا تھا۔ ریحان نے میرے پیچھے آنے کی کوشش کی تو ابا نے زور سے ڈانٹ کر اسے اندر بلا لیا۔

بھری ہوئی ہوتی ہے۔ کہتے ہیں انا کی پتھر کی کوئی بھی دیوار انا کی دیوار سے بلند نہیں ہو سکتی۔ میرے اور ا
بھی آج وہی دیوار کھڑی ہوگئی تھی۔

میرے قدم ایک بار پھر اسی مہربان بنچ کی طرف بڑھتے گئے جو ہمیشہ سے میرے فراق اور میر
ساتھی تھا میں بہت دیر لیٹ کر آسمان کے تاروں سے پوچھتا رہا کہ اب کہاں جاؤں......؟ تارے مجھے د
رہے اور میرے سوالوں سے منہ چھپاتے رہے۔ جانے کتنی دیر بیت گئی اور مجھے احساس بھی نہیں ہوا کہ کوئی
سامنے سے گزر کر آگے جا کر رک گئی ہے اور پھر اس میں سے کوئی اترا ہے۔ میں اس وقت چونکا جب کسی
ہلایا۔ "کیوں جوان...... گھر نہیں گئے اب تک" وہ سوئی تھا "گیا تھا...... لیکن ابا نے گھر سے نکال دیا
تاسف سے سر ہلایا۔ "یہ ساری دنیا کے بزرگوں کو ایک ہی مسئلہ ہوتا ہے کیا......؟ اچھا چلو...... مالک تمہیں
ہیں......" میں نے بے دھیانی میں پوچھا "کون"۔

"ارے بھائی رنگا بھائی...... اپنے مالک تمہیں بلا رہے ہیں...... وہاں سامنے گاڑی میں۔" می
چونکا...... ٹھیک اسی لمحے دور کھڑی کار کا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک قدم نیچے اترنے کے لیے باہر نکلا۔

باب 10

کار سے نیچے اترنے والا شخص سارنگا ہی تھا۔ لمبا قد، تانبے جیسی تیز گندمی رنگت، آنکھوں میں ہلکی سی سرخی اور سر کے دی دھار بال سلیقے سے پیچھے کو الٹائے ہوئے، فراخ ماتھا، ہونٹوں میں دبا پان، مضبوط کسرتی بدن، دائیں ہاتھ کی کلائی میں تنگ پیتل کا کڑا اور بائیں ہاتھ میں بہت قیمتی گھڑی، بھکی بوسکی کا کرتا اور سفید کلف والی لٹھے کی شلوار میں ملبوس، بے خیالی میں اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے وہ واقعی کسی چھوٹی موٹی ریاست کا سلطان محسوس ہو رہا تھا۔ میں موسیٰ کے ساتھ چلتے ہوئے نئے ماڈل کی بی ایم ڈبلیو کار کے قریب پہنچ گیا۔ موسیٰ نے چلتے ہوئے دور ہی سے سارنگا کو اطلاع دی...... "کہتا ہے ابا نے گھر سے نکال دیا ہے...... ادھر بھی اپنی ہی کہانی ہے مالک......"

موسیٰ کی بات سن کر رنگا کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری "تو تو بچ نالائق تھا موسیٰ...... تجھے تو گھر سے نکال کر اچھا ہی کیا ہوگا تیرے ماں باپ نے......" پھر اس نے غور سے میری جانب دیکھا۔

"تو کہے تو میں خود چل کر تیرے بابا سے بات کروں...... انہیں بتاؤں کہ ہمارا تجھ سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ لہٰذا وہ تجھے معاف کر دیں......"

"نہیں...... اس کی ضرورت نہیں ہے...... اور پھر آپ کو میرے ساتھ دیکھ کر تو انہیں پورا یقین ہو جائے گا کہ میں......"

میں کچھ کہتے کہتے رک گیا لیکن رنگا نے میری بات پکڑ لی تھی۔ اس نے زور کا قہقہہ لگایا اور موسیٰ سے کہا

"لے بھائی موسیٰ...... شہر میں صرف تو ہی اکیلا بدنام نہیں...... اپنا نام بھی شامل ہے اس افسانے میں...... ویسے لڑکا کہتا تو ٹھیک ہے...... اپنے تو قدم بھی جس چوکھٹ پر پڑ جائیں اسے دیمک مار جاتی ہے...... تو پھر تو ہی بتا کہ رنگا تیرے لیے کیا کر سکتا ہے...... تیرے لیے کہیں رہنے کا بندوبست کر دوں جب تیرے بابا راضی ہو جائیں تو واپس چلے جانا...... اور اطمینان رکھ...... کسی کو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ بندوبست رنگا بھائی کی طرف سے ہے۔"

"نہیں...... آپ کا بہت شکریہ...... میں کچھ کر لوں گا......"

"جیسے تیری مرضی بھئی...... خوش رہ" رنگا نے کار کا پچھلا دروازہ کھولا۔

کار میں بیٹھ چکا تھا۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر کھڑکی سے اندر جھانکا "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے ... کی ضمانت کیوں دی۔ ہم تو آپ کے دشمنوں میں سے ہیں۔" سارنگا نے غور سے میری جانب دیکھا "سارنگا ... زمین میں چھ فٹ نیچے یا پھر چھ فٹ اوپر رہتا ہوتا ہے ساجن...... اور وہ لونڈے لپاڑے میرے آدمی نہیں میرے ... کے ورکر ہیں۔ گلیوں سے پیسے جمع کر کے اپنا گزارہ کرتے ہوں گے...... تو نے ٹھیک کیا ان حرام کے ... ساتھ...... کافی نام خراب کر ڈالا تھا انہوں نے رنگا کا بے فکر رہ...... اب ان میں سے کوئی تیری راہ میں نہیں ... آئے تو کاٹ ڈالنا...... آگے رنگا سنبھال لے گا......"

"لیکن آپ مجھ پر اتنے مہربان کیوں ہیں۔ میں تو آپ کو ٹھیک سے جانتا بھی نہیں ہوں......"

رنگا نے اپنا سر جھٹکا...... "اسماعیل کو تو جانتا ہے ناں...... وہی حرام خور خبر لے کر آیا تھا تیری ... اپنے دماغ کو زیادہ نہ تھکا...... زیادہ سوال ہمیشہ چیزوں کو الجھا دیتے ہیں...... جو گتھی جتنی کھل سکے...... اسے ا... کر" سارنگا نے ڈرائیور کو اشارہ کیا۔ گاڑی آگے بڑھ گئی اور میں اپنے ذہن میں نہ جانے کتنی بند گتھیاں ... گزارہ گیا۔

اسماعیل کا رنگا کے ساتھ کیا تعلق تھا؟ اور اس نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ وہ رنگا کو جانتا ہے۔ میں ... یونہی الجھا بیٹھا رہا، اور پھر جب فجر کے بعد مرزا اور پھر فراق چچا کیفے پر آئے تو میری حالت جان کر پریشان ... چچا فراق تو باقاعدہ غصے میں کھڑے ہو گئے۔

"لگتا ہے ہیڈ ماسٹر صاحب سے آج تفصیلی بات کرنی ہی ہوگی......" اتنے میں رجو اور بالا بھی آگئے ... بھی شاید ابا کے فیصلے کی کوئی سن گن مل چکی تھی۔ وہ مشی کے لیے ہسپتال ناشتہ لے جانے کے بہانے سے گھر ... تھے۔ رجو جذباتی ہو گیا۔

"یار ان...... اب ہم بھی اپنے گھروں میں نہیں رہیں گے۔ یہاں کسی کو ہماری فکر نہیں ہے۔"

مرزا نے انہیں ڈانٹا "بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔ سب گھر والوں کو تمہاری فکر ہے۔ تبھی وہ تم لو... کرتے ہیں لیکن اس وقت انہیں تمہاری بات سمجھ نہیں آ رہی ہے...... یہ جنریشن گیپ Generation Gap ... پیارے...... بھرتے بھرتے بھرے گا......" میں نے فراق چچا کا ہاتھ پکڑ کر بڑی مشکل سے انہیں روکا...... "نہیں ... ابا سے کوئی بھی اس معاملے میں بات نہیں کرے گا۔ وہ اپنی جگہ درست ہوں گے کہ ہر باپ ایک کامیاب ... خواہش رکھتا ہے، لیکن شاید وہ یہ کہ کامیابی ہر اولاد کا مقدر نہیں ہوتی میں اپنی منزل اب خود تلاش کروں گا ... کم منزل نہ ملنے کی صورت میں بھٹک جانے کا الزام تو میرے سر ہی رہے گا نہ......؟" وہ سب خاموش ہو گئے ... کے لیے مشی کے پاس ہسپتال بھی گئے۔ اسے گھر والوں سے خبر مل چکی تھی کہ اس کا یہ حال بنانے والوں کو ہم ... دوسرے ہسپتال کے بستروں کی زینت بنا دیا ہے۔ وہ ہمارے لیے بہت فکرمند تھا۔ "او یار...... یہ سب کچھ ... ہوا...... اگر تم لوگوں کو کچھ ہو جاتا تو......" رجو نے لمبی سی انگڑائی لی "ہو جاتا تو ہم تینوں بھی اسی وارڈ ... ہوتے اور اس سرکاری ہسپتال کی خوبصورت نرسوں کو بار بار بہانے سے بخار چیک کروا رہے ہوتے۔" مشی ... کرائے مارا "تم بھی نہیں سدھرو گے۔"

"لیکن اس وقت تم کہاں جاؤ گے.....؟"

"میں کچھ دیر کے لیے شیخ صاحب کی طرف جانا چاہتا ہوں.....شام ہونے سے پہلے مجھے بہت سے کام کرنے ہیں....."

ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا "اوہ.....تو گویا شیخ صاحب کے ہاں ڈیرہ ڈالنے کی ٹھانی ہے جناب نے.....ہم تو بھول ہی گئے تھے کہ اپنے آیان کا ایک سسرال سادات محلے میں بھی ہے....."

"بکواس.....تم کیا سمجھتے ہو کہ میں ان کے گھر رہنے کے لیے جا رہا ہوں.....؟ وہ بہت پریشان تھے۔ انہیں یہ بتانا ضروری ہے کہ رنگا والا معاملہ ختم ہو گیا ہے....."

جاتے جاتے رابعہ نے ایک جملہ اور پھینکا "کچھ بھی کر لینا آیان پیارے.....پر کہیں گھر داماد بننے کی ہامی نہ بھر آنا" میں نے انہیں گھور کر دیکھا لیکن میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ کالونی کی طرف بڑھ چکے تھے۔ میں سادات محلے میں شیخ صاحب کی گلی میں پہنچا تو سورج سر پر آ چکا تھا اور چند لمحے پہلے تک سکون سے دھڑکنے والا میرا دل اس وقت کچھ اس طرح سے دھڑک رہا تھا کہ جیسے چند ہی لمحوں میں پسلیوں کی حوالات توڑ کر باہر آ گرے گا۔ ہمیشہ کی طرح گھٹا کا سامنا کرنے کا سوچ کر ہی میری سانسیں تیز اور گلا خشک ہونے لگا تھا۔ لاکھوں کی بھیڑ میں کوئی ایک چہرہ ہماری اندرونی حالت کو ایسے یکسر کیسے بدل سکتا ہے.....؟ میں یہ راز کبھی جان نہیں پایا تھا۔

دستک پر دروازہ ستارہ نے کھولا۔ میں نے شیخ صاحب کا پوچھا تو وہ کہیں کام سے نکلے ہوئے تھے، تنویر بھی اپنے کالج کی نوکری کو جا چکا تھا۔ میں نے مایوس ہو کر واپسی کے لیے قدم موڑ لیے۔

"ٹھیک ہے تو پھر آپ شیخ صاحب کو میرا پیغام دیجئے گا کہ آیان ان سے ملنے آیا تھا۔ میں پھر حاضر ہو جاؤں گا....."

دروازے کی اوٹ سے ستارہ کی گھٹی گھٹی سی آواز ابھری.....

"آپ اندر آ جائیں.....ابا کچھ دیر میں آ جائیں گے....."

میں ذرا جھجکا "لیکن اس وقت گھر میں کوئی مرد....."

"آپ غیر تو نہیں ہیں.....ابا کو اگر پتہ چلا کہ ہم نے آپ کو یوں دروازے سے لوٹا دیا تو وہ بہت ناراض ہوں گے۔ میں بیٹھک کا دروازہ کھلواتی ہوں.....آپ وہاں بیٹھ کر ابا کا انتظار کر سکتے ہیں....."

ستارہ مزید کوئی بات سنے بغیر اندر چلی گئی اور پھر کچھ دیر کے بعد اندر برآمدے سے اسی کی آواز دوبارہ ابھری "اندر آ جائیں....."

میں اندر داخل ہوا۔ صحن میں آگے برآمدے میں بیٹھک کا راستہ مجھے معلوم تھا۔ ستارہ وہیں برآمدے کے ایک ستون کی آڑ میں کھڑی رہی اور میں بیٹھک میں داخل ہو گیا۔ کچھ دیر بعد شیخانی جی اندر آئیں اور سلام کے جواب میں دعا دے کر مجھے بیٹھنے کا کہا۔ وہ کافی پریشان دکھائی دے رہی تھیں۔

"کل مرزا صاحب ملے تھے انہیں.....انہوں نے بتایا کہ تم لوگوں کا پھر کوئی جھگڑا ہوا ہے ان بدمعاشوں سے، آیان بیٹا میری مانو تو اس معاملے کو یہیں ختم کر دو، ان کا تو کام ہی تھانہ کچہری ہے، لیکن تمہارے بوڑھے والدین شاید زیادہ دیر یہ سب.....

"جی.....ایسا ہی ہو گا.....آپ بے فکر رہیں....."

"جیتے رہو.....تم بیٹھو میں تمہارے لیے شکنجبین بنوا کر بھیجتی ہوں.....شیخ صاحب قریبی ...
تک گئے ہیں۔ بس آتے ہوں گے....." شیخانی جی اٹھ کر اندر چلی گئیں اور ان کے اٹھتے ہی درمیانی پردے ...
سے ہلکی سی کھنکار سنائی دی۔ میرا من ڈول سا گیا۔ وہ گھٹا ہی تھی "جناب آیان صاحب.....آج آپ ایک ...
بتائیں.....یہ ساری دنیا میں ایک آپ ہی ہیں جسے سب سے زیادہ غصہ آتا ہے.....؟" مجھے اس کے انداز ...
"کیوں.....آپ کیوں پوچھ رہی ہیں.....؟" وہ واقعی غصے میں تھی "اس لیے کہ غصہ کسی اور کو بھی آ سکتا ہے۔ ...
سب کو اتنا پریشان کیوں کرتے ہیں.....؟.....آپ کو ابا نے پہلے بھی کہا تھا کہ ان لڑکوں کے منہ نہ لگیں ...
نے تو کسی کی بات بھی نہ ماننے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ شاید....." گھٹا پردے کے پیچھے ہی سے یہ ساری باتیں کر ...
میں اس کے شیخ چہرے پر غصے کے آثار اور اس کی شرارت کی بار بار کی پریشانی یہاں سے بھی دیکھ سکتا تھا۔" ...
ہوں.....لیکن مجھے خبر نہیں تھی کہ کوئی میرے لیے اتنا پریشان ہے....." میرے شرارت بھرے جواب پر وہ مزید ...
رہ گئی "جی تو آپ کا مسئلہ ہے.....آپ کو بھی کسی بات کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ ستارہ آپا بھی آپ سے بے حد ناراض ...
"اچھا چلیں.....جھگڑا ختم کریں اور اپنی ستارہ آپی سے پوچھ کر کوئی ہرجانہ طے کر دیں.....میں ...
لیے تیار ہوں....."

اس کی چوڑیاں کھنکیں "ہرجانہ تو آپ کو ضرور بھرنا پڑے گا۔ تیار رہیے گا اور ستارہ آپی کو آپ سے ...
ہے.....وہ بھی آپ ہی کو کرنا ہو گا....." اتنے میں دروازے پر کچھ آہٹ ہوئی اور شیخانی جی خود ہی شربت کی ...
اندر داخل ہوئیں۔ پردے کے پیچھے خاموشی چھا گئی۔ میں نے جلدی سے ٹرے تھام لی "ارے.....آپ ...
زحمت کی....."

....."زحمت کیسی بیٹا.....ستارہ نے میری مدد کی ہے.....وہ تم سے کچھ بات کرنا چاہتی ہے لیکن شیخ ...
کے سامنے اسے جھجک ہوتی ہے۔ تمہارے پاس وقت ہے تو ذرا اس کی بھی سن لو....." میں ہڑبڑا سا گیا "جی ...
ضرور" شیخانی جی نے ستارہ کو آواز دے کر اندر بیٹھک میں ہی بلوا لیا۔ وہ جھجکتی ہوئی سی اندر آئی اور ...
سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ شاید غم اور یاس کا پہلے رنگ سے کوئی گہرا تعلق ہوتا ہے۔ تبھی اس کے کمرے ...
ہوتے ہی چارسو پیلاہٹ سی چھا گئی۔ اس کی پلکیں جھکی ہوئی اور لب نیلگوں سے تھے۔ ستارہ نے مجھ سے ...
ایم۔ اے فائنل میں تھی کہ اسے پڑھائی چھوڑنی پڑی۔ شادی کے بعد تعلیم مکمل کرنے کا ارادہ تھا لیکن حالات ...
بات کی مہلت ہی نہ دی، لیکن اب وہ محسوس کرتی ہے کہ اسے بڑے بھائی کی غیر موجودگی میں باپ کا سہارا بننا ...
تنویر اپنے طور پر تو ہر خاطرداری کرتا ہے مگر ایک تنخواہ میں وہ اتنے لوگوں کا بوجھ کیسے اور کب تک اٹھا پائے گا۔ ...
اور مال متاع تھا وہ سب سیلاب بہا کر لے گیا۔ ان کا بڑا بھائی صفیر اپنے علاقے میں حکومت کی جانب سے کسی ...
انتظار میں بیٹھ بیٹھ کر سوکھ چکا ہے لیکن وہاں سے بھی کچھ ملنے کی امید نظر نہیں آتی۔ اس لیے گھر کا خرچ بانٹنے ...
اس نے کچھ کام کرنے کی ٹھانی ہے۔ تنویر نے اگر اس لیے نہیں کیا کہ مروت میں کبھی پتہ ہونے نہیں دے گا ...

گدھ کی نظر رکھتا ہے اور اس جیسی شفاف دامن ہستی کے سفید کورے دامن پر داغ لگانے میں یہ سماج ذرا سی دیر بھی نہیں کرے گا۔ عورت جتنی محفوظ اپنے گھر کی چار دیواری میں ہوتی ہے اتنی محرم شاید کسی مسجد مندر میں بھی نہ ہو۔

اچانک میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا "آپ ٹیوشن کیوں نہیں پڑھاتیں یہیں گھر پر۔ اس طرح آپ کو گھر سے باہر بھی نہیں نکلنا پڑے گا اور آپ گھر کے خرچے میں ہاتھ بھی بٹا سکیں گی۔"

"ہاں میں نے تنویر بھائی سے ٹیوشن کی بات بھی کی تھی۔ مگر اتنے دن گزر گئے کام نہیں بنا...... دراصل آج کل طالب علم خود چل کر جانے کے بجائے استاد کو گھر بلانا زیادہ پسند کرتے ہیں...... میں دوسروں کے گھر جانے کو بھی تیار ہوں مگر کوئی بات بنے تو سہی......"

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں دو ہزار روپے کی ایک ٹیوشن لے رہا ہوں لیکن شاید اب جاری نہ رکھ پاؤں...... میں وہاں آپ کی بات چلاتا ہوں......"

"نہیں نہیں...... وہاں کیوں...... وہاں تو آپ خود ہی پڑھایئے...... ایسا کچھ بھی ہرگز نہ کیجیے گا...... ہم پر آپ کے پہلے ہی بہت احسانات ہیں......" ستارہ کی بات ادھوری رہ گئی اور باہر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ شیخ صاحب واپس لوٹ آئے تھے۔ مجھے دیکھ کر ان کا چہرہ کھل سا گیا "اخاہ...... اپنے آیان میاں آئے ہیں...... بھئی بڑی راہ دکھائی تم نے......" ستارہ ان کے بیٹھک میں آنے سے پہلے ہی واپس اندر جا چکی تھی۔ میں نے تنہائی ملتے ہی دبے لفظوں میں شیخ صاحب کو ابا کی ناراضگی کے بارے میں بتا دیا اور یہ بھی کہ شاید اب میں واپس اپنے گھر نہ جاؤں۔ ساتھ ہی میں نے ان سے یہ درخواست بھی کی کہ جب بھی اس بات کا ذکر اپنے گھر والوں کے سامنے کریں تو ان کی پریشانی کو مد نظر رکھتے ہوئے بات کا اسلوب کچھ ہلکا رکھیں۔ آس اور امید ہی انسان کا سب سے بڑا سرمایہ ہوتی ہے۔ بری سی بری خبر بھی امید و آس کی پنی میں لپیٹ کر سنائی جائے تو انسان بہل جاتا ہے۔ میں کچھ دیر شیخ صاحب کے پاس بیٹھنے کے بعد اجازت لے کر اٹھ آیا۔ کمرے سے نکلتے ہوئے برآمدے میں شیخانی جی کو خدا حافظ کہنے کے لیے رکا تو ان کے عقب میں چھپی گہنا نے شیخ صاحب سے نظر چرا کر جانے اشارے میں مجھ سے کیا کہا، لیکن اس کے ہلتے لبوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ مجھے ستارہ کا کام یاد دلا رہی ہے۔ یہ لڑکی کس طرح میری آنکھوں سے بنا اجازت میرے دل کے بند کواڑوں کو توڑتی ہوئی اندر گھسی جا رہی تھی۔ کیا محبت کی لہروں کو روکنے والا کوئی بند نہیں ہوتا؟ شیخ صاحب نے دروازے سے نکل کر گلی میں چلتے وقت میرا ہاتھ تھام لیا "یقین کرو آیان میاں...... یہ میرا اپنا گھر ہوتا تو کبھی تمہیں واپس نہ جانے دیتا آج...... تمہیں کبھی یوں در بدر بھٹکنے نہ دیتا، لیکن تم جانتے ہو میں خود یہاں مہمان ہوں......" میں نے انہیں تسلی دی "آپ دل پر بوجھ نہ لیں۔ رشتوں کو کبھی خود کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی...... اور آپ میری فکر نہ کریں...... اب تو جب تک ابا مجھے ہفتے میں ایک بار گھر سے نکال نہ دیں مجھے خود اپنا گھر بھی اجنبی سا لگنے لگتا ہے" شیخ بھی میرے ساتھ ہی مسکرا پڑے۔ انہوں نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا "مجھے تمہاری یہ بات سب سے زیادہ پسند ہے...... حالات چاہے جیسے بھی ہوں آیان میاں...... میں نے تمہیں کبھی ہار مانتے نہیں دیکھا...... جیتے رہو......" میں کیفے فراق پہنچا تو مرزا نے بتایا کہ اسماعیل دو بار آ کر میرا پوچھ چکا ہے۔ اسماعیل سے تو میں خود بھی ملنے کے لیے بے چین تھا، لیکن وہ مجھے کیوں ڈھونڈ رہا تھا۔ اس سوال کے جواب کے لیے مجھے پورے چار بجے تک انتظار کرنا پڑا۔

اور پھر ٹھیک چار بجے اسماعیل کی گاڑی [illegible]

اسماعیل کے گاڑی سے اترنے سے پہلے ہی میں کار میں بیٹھ چکا تھا۔ اسماعیل نے گاڑی بڑھا دی [illegible]
تم آیان بابو...... سارا شہر ڈھونڈ لیا تمہارے پیچھے......"

"تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ تم سارنگا کو جانتے ہو" اسماعیل مسکرایا "مجھے کب پتہ تھا کہ تم لوگوں [illegible] شوکی پارٹی سے ہوا ہے۔ ورنہ پہلے ہی یہ قصہ نپٹ جاتا۔ میں سمجھتا رہا کہ یہ محلے کے اندر کی کوئی لڑائی ہے۔ وہ تو [illegible] مرزا کا جس نے مجھے اصل بات بتائی...... ورنہ تم تو کچھ بتاتے ہی نہیں......"

میں نے اسماعیل کی طرف غور سے دیکھا۔

"تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا...... تم سارنگا کو کیسے جانتے ہو...... اور وہ صرف [illegible] سفارش پر ہمارے خلاف اپنے ہی کارندوں کی درج کرائی گئی شکایت واپس لینے پر کیسے تیار ہو گیا؟......"

اسماعیل نے گاڑی ایک طرف روک دی۔

"سارنگا بھائی ہی میرے مالک ہیں۔ میں انہی کا دن کا ڈرائیور ہوں اور انہوں نے میرے کہنے پر [illegible] ناہید بیٹا کے کہنے پر موسیٰ بھائی کو تمہاری ضمانت کے لیے تھانے بھیجا تھا۔"

میرے اندر ایک دھماکہ سا ہوا۔ گویا اب تک جانے انجانے میں خود بھی ناہید کے ٹیوٹر کے روپ میں [illegible] کی ہی نوکری کر رہا تھا۔

باب 11

میں ابھی تک ہکا بکا سا تھا "مگر..... تم..... تم نے تو کہا تھا کہ تم کسی سیٹھ داؤد کے ملازم ہو؟ اور یہ کہ تمہارا مالک دوبئی گیا ہوا ہے۔"

اسماعیل نے ایک گہری سی سانس لی ..... "یہ ایک لمبی کہانی ہے، کبھی وقت اور موقع ہوا تو سناؤں گا۔ فی الحال اتنا جان لو کہ دنیا والوں کی نظر میں ناہید بٹیا سیٹھ داؤد کی صاحبزادی ہے۔ جنہیں دنیا سے گزرے دو سال ہو چکے، اسکول اور کالج میں بھی بٹیا کی یہی ولدیت درج ہے لیکن رنگا بھائی کے صرف چند قریبی ساتھی ہی جانتے ہیں کہ ناہید کا اصل باپ خود سارنگا ہے، لیکن اس کی پیدائش والے دن سے ہی اس نے اپنے نام کی بدنامی کو اپنی بیٹی کے نام کے ساتھ جوڑنے سے گریز کیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ تعلیمی میدان یا ذاتی زندگی میں کہیں بھی ناہید اس کے نام سے جانی جائے۔ وہ اس کوٹھی میں رہتا بھی نہیں جہاں ناہید بٹیا رہتی ہے۔ گھر میں میرے علاوہ صرف بوا ہے جسے یہ بات پتہ ہے۔"

میں حیرت سے اسماعیل کی بات سنتا رہا۔ "لیکن کیا ناہید یہ بات جانتی ہے کہ سارنگا ہی اس کا باپ ہے؟"
اسماعیل نے گاڑی کا گیئر بدلا "ہاں ..... اور وہ اپنے باپ سے بے انتہا محبت کرتی ہے ..... شاید سارنگا کی بھی دنیا میں واحد کمزوری اس کی اپنی بیٹی ہی ہے ....."

اسماعیل نے مجھے یہ بھی بتایا کہ سارنگا ہمیشہ ہی سے "رنگا بھائی" نہیں تھا۔ تیس (30) سال پہلے وہ صرف یعقوب فورمین تھا جو اپنے بڑے بھائی داؤد کے ساتھ دوبئی کے ریگزاروں میں محنت مزدوری کر کے اپنا پیسہ اپنے ملک میں منتقل کرتا تھا تاکہ ایک دن یہاں وہ اپنے سپنوں کا محل تعمیر کر سکے۔ دونوں بھائیوں نے دن رات اپنا خون پسینہ بہا کر ایک ایک پائی جوڑی لیکن کچھ بازی گروں نے فنانس کمپنی کے نام پر دونوں بھائیوں کا ملک میں جمع شدہ پیسہ ہڑپ کر لیا۔ ان دنوں ملک میں چاروں طرف ایسی کمپنیوں کا ایک مافیا سا قائم ہو چکا تھا اور داؤد اور یعقوب بھی اس کی زد میں آ گئے۔ داؤد کا پیسہ تو ایک ایسی کمپنی کھا گئی جو ملک میں آسمانی کتاب کی اشاعت کے سب سے بڑے تاجر تھے۔ آخر کار یعقوب کو حساب کتاب کے لیے ملک واپس آنا پڑا۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ یعقوب پراپرٹی اور زمین کے کاروبار میں کچھ یوں ابھرا کہ ساحلی شہر کے بڑے بڑے صنعت کار اس کی چوکھٹ پر حاضری دینے لگے۔ کہتے ہیں کہ اس نے زمین کے کاروبار میں باقاعدہ اپنا ایک گروہ بنا لیا تھا جو راتوں رات زمین پر قبضہ کرنے میں ذرا دیر نہیں کرتا تھا۔ یعقوب

یعقوب فورمین سے رنگا بھائی کیسے اور کب بنا یہ تو کوئی نہیں جانتا ہاں مگر دنیا اتنا ضرور جانتی تھی کہ یعقوب فورمین سارنگا بننے سے پہلے آخری قبضہ ایک رنگ ساز کارخانے پر کیا تھا۔ کہتے ہیں کارخانے کا مالک بھی بڑا اثر و رسوخ والا بندہ تھا مگر جیت یعقوب کی ہوئی۔ تب سے اس کے نام کے ساتھ کارخانے کا نام سارنگا لگ گیا تھا جو رفتہ رفتہ بھائی میں تبدیل ہو گیا۔ داؤد جب ملک واپس آیا تو سیٹھ داؤد بن چکا تھا لیکن اس نے اپنی پہچان کو سارنگا کی بدنامی ذرا پرے ہی رکھا، مگر دونوں بھائیوں میں اندرون خانہ زبردست اکا تھا۔ اسی نے رنگا کی شادی ایک سیدھی سادی عورت سے کروادی جو انہی دو بھائیوں کی برادری میں سے تھی۔ رنگا کی بیوی نے ایک بیٹے اور اس کے دو سال بعد بیٹی کو جنم دیا اور پھر کسی وبائی مرض میں مبتلا ہو کر چل بسی۔ سارنگا کی زندگی کا محور اب اس کی اولاد تھی لیکن کہتے ہیں بہت زیادہ پیسہ اور زور اپنے ساتھ بہت سارے دشمن بھی لے کر آتا ہے۔ رنگا کا اسکول جاتا بیٹا بھی اسی دشمنی کی بھینٹ چڑھ گیا۔ تب رنگا نے اپنی بیٹی کو داؤد کے حوالے کر دیا اور خود اپنی دشمنیاں نبھانے لگا۔

بھائی کی موت کے بعد سارنگا نے شہر بدل لیا اور ہمارے شہر میں آ کر اپنی بیٹی کے لیے وہ حویلی خرید لی۔ پاس اپنے وفاداروں کا فولادی جال بن کر وہ بھی ہر وقت اپنی لاڈلی کے لیے پریشان ہی رہتا ہے۔ زندگی سارنگا کو ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا کہ سب کچھ پاس ہوتے ہوئے بھی وہ علی الاعلان اپنی بیٹی کو بیٹی نہیں پکار سکتا تھا۔

اسماعیل کی باتوں میں راستہ کیسے کٹ گیا مجھے کچھ خبر ہی نہیں ہوئی۔ میں تب چونکا جب گاڑی پورچ میں ہو کر ایک جھٹکے سے رک گئی۔

میں بڑے ہال میں پہنچا تو بوا اور ناہید دونوں کو ہی پریشان پایا۔ ناہید مجھے دیکھ کر جلدی سے میری جانب
"آیان بھائی ..... آپ ٹھیک تو ہیں ناں ..... پولیس نے آپ کو زیادہ تنگ تو نہیں کیا ..... جب اسماعیل چاچا نے آپ گرفتاری کی خبر دی تھی، میں اور بوا تو پریشانی کے مارے ایک کروٹ بھی چین سے نہیں بیٹھے ....."

میں اس معصوم سی مخلص لڑکی کو دیکھتا رہا۔ کیا دنیا سے خلوص اور وفا بالکل مٹ چکے ہیں؟ نہیں ..... کیونکہ میرے سامنے ان کچے رشتوں کا خلوص اب بھی بکھرا پڑا تھا۔ میں نے ماحول کو بدلنے کی خاطر خوش دلی سے کہا "میں سمجھتا تھا صرف میری امی ہی ملکہ جذبات ہیں، لیکن آج پتہ چلا کہ اس گھر میں تو ان کی ٹکر کے لیے دو دو ملکائیں موجود ہیں اور ناہید دونوں ہی میری بات سن کر مسکرا دیں" وہ تو بڑی خوش ہوتی ہیں جب میں انہیں یہ لقب دیتا ہوں" ناہید کی آنکھوں میں ایک عجیب سی حسرت در آئی۔ "آیان بھائی سچ ..... کبھی کبھی بہت ہی چاہتا ہے کہ میں آپ کے سب گھر والوں ملوں ..... امی سے، رافعہ سے، ریحان بھائی سے ..... آپ مجھے لے چلیں گے نا اپنے گھر ..... لیکن بابا تو مجھے گھر سے ہی نہیں دیتے ..... آیان بھائی ..... میں بھی باقی سب کی طرح رہنا چاہتی ہوں ..... آزاد ..... اپنی مرضی کی مالک ....."

"تم فکر نہ کرو ..... میں تم اور بوا تمہارے بابا سے چھپ کر سب سے مل آئیں گے ..... چلو اب یہ اداسی ختم کرو۔" ناہید بچوں کی طرح خوش ہو گئی "سچ ..... ؟ ہاں یہ ٹھیک ہے ..... ہم چھپ کر سب سے مل آئیں گے ....."

پھر ناہید کو اچانک کچھ خیال سا آیا۔ "آیان بھائی ..... بابا میری حفاظت کی خاطر مجھ سے دور رہتے ہیں۔ لوگ ان کے خوف کی وجہ سے میرے قریب نہیں آتے ..... کالج میں بھی میری کوئی سہیلی نہیں ہے، حالانکہ میں وہاں سیٹھ داؤد کی بیٹی کی حیثیت سے داخل ہوں ..... لیکن جنہیں یہ پتہ ہے کہ میرا سارنگا فیملی سے کوئی تعلق ہے وہ میرے سامنے سے بھی بھاگتے ہیں ..... حتیٰ کہ کوئی مجھے ٹیوشن پڑھانے کے لیے بھی تیار نہیں تھا۔ یہ تو میری قسمت اچھی تھی کہ آپ نے ہامی بھر

ہے اور پل بھر میں کھیل ختم...... بلکہ اب تو پسٹل اور ریوالور جیسے ہاؤزر بھی آ گئے ہیں...... پھر ان آتشیں اسلحہ برداروں کے سامنے تمہاری یہ فوج کس کام کی......"

اسماعیل نے برا سا منہ بنایا "گولی سے بزدل لڑتے ہیں۔ ہمارے دھندے میں اصل کی پہچان زور ہے اور یہی پیمانہ بھی ہے...... ہاں جن تھرڈ دلوں اور پسٹل چلانے والے کم ظرفوں کی تم بات کر رہے ہو ان کے بندوبست کے لیے بھی یہاں خاص انتظام موجود ہے، لیکن وہ صرف محافظ ہوتے ہیں۔ اڈے کا اصل آدمی کبھی ایسی اوچھی حرکت نہیں کرتا، لیکن ایسے اوچھے وار کرنے والوں کو جواب دینے کے لیے اس کے ساتھ یہ آتشیں اسلحہ رکھنے والے محافظ بھی ہمیشہ موجود رہتے ہیں......"

میں حیرت سے اسماعیل کی باتیں سنتا رہا۔ میرے لیے یہ بالکل نئی دنیا تھی جہاں باقاعدہ شاگردی کی رسم ہوتی تھی اور چاقو بازی یا زور سیکھنے کے لیے شاگرد کی کلائی پر دھاگا باندھا جاتا تھا اور بدلے میں وہ اپنے استاد کو نیگ میں جوڑا، پگڑی، ایک سو ایک روپیہ اور امام ضامن پیش کرتا تھا۔ چاقو بازی کی شاگردی کے لیے پہلے اپنا چاقو استاد کے قدموں میں ڈالا جاتا تھا اور پھر جب استاد وہ بند چاقو اٹھا کر اور کھول کر اپنے شاگرد کے حوالے کرتا تو باقاعدہ اسے شاگردی کی سند مل جاتی تھی۔

بعض حلقوں کی شاگردی پانے کے لیے وفاداری کے طور پر شاگرد کو اپنی کلائی کاٹ کر خون کے چند قطرے استاد کے قدموں یا پھر اڈے کی مٹی کے نذر کرنے ہوتے تھے۔ یہ اس بات کی نشانی تھی کہ اب وہ عمر بھر اپنے استاد اور اس اڈے سے وفاداری نبھائے گا۔

عام اسکول کالجوں کی طرح یہاں بھی وقت اور سند رائج تھی۔ جو جتنا مشق میں وقت گزارتا اور مختلف امتحان پاس کرتا جاتا اس کا درجہ اور سند بھی اس قدر بلند ہوتی جاتی۔ جیسے کراٹے میں مختلف بیلٹس Belts کی ڈگری ہوتی ہے اسی طرح یہاں بھی جماعت اور مشق کی بنیاد پر شاگردوں کو مختلف درجوں میں بانٹا جاتا تھا۔ شاید سارنگا کی یہی فوج تھی جو تربیت پانے کے بعد شہر میں اس کا راج چلاتی تھی۔ زمین پر قبضہ کرتی تھی اور سارنگا کی ان دیکھی حکومت کے احکامات کو شہر بھر میں رائج کرتی تھی۔

اسماعیل نے مجھے یہ بھی بتایا کہ یہ زیر زمین حکومت بھی باقاعدہ ایک طریقہ کار کے تحت وجود میں آتی تھی اور شاید ہماری ظاہری حکومت سے کہیں زیادہ شفاف اور ایماندارانہ چناؤ اس حکومت کے قیام کے لیے رائج تھا۔ شہر کے تمام چھوٹے بڑے زیر زمین گروہ اس چناؤ میں شامل ہوتے تھے اور چار یا دو بڑوں کو اپنا رہنما تسلیم کر کے ان کا چناؤ کرتے تھے۔ چناؤ کے لیے باقاعدہ کوئی دن مخصوص ہوتا تھا اور پرچی اور بولی کے ذریعے اپنے اپنے رہنما چن لیے جاتے تھے۔ وہ چار رہنما شہر کے نقشے کو میز پر رکھ کر اسے چاقو کے ذریعے چار حصوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور یوں مشرق، مغرب اور شمال جنوب کے چار علاقے وجود میں آ جاتے تھے۔ پھر ان علاقوں کی حکمرانی کے لیے یا تو پیسے کی بولی اور یا پھر زور اور بل کی بنیاد پر حصہ داری تقسیم کر لی جاتی تھی۔ عام طور پر بندرگاہ، ریلوے اسٹیشن اور ڈاک یارڈ وغیرہ کے علاقے جس کے حصے میں آتے وہ زیادہ خوش قسمت تسلیم کیا جاتا تھا، مگر ایک بار جب تقسیم ہو جاتی تو اگلے تین سال تک ان میں سے کوئی بھی لیڈر دوسرے کے علاقے میں دخل اندازی نہیں کر سکتا تھا۔ ایسا کرنے کی صورت میں زیر زمین دنیا [illegible]

بدری اور نا اہلی کی سزا بھی مل سکتی تھی۔ ہاں اگر کوئی زور کے بل پر کسی کے علاقے کا دعوے دار ہوتا تو اسے [illegible] کر کے اپنی طاقت ثابت کرنے کے بعد وہ علاقہ چھیننا پڑتا تھا مگر اس مقابلے کے اصول بھی بزرگ رہنما [illegible] تھے اور ان کی سینٹ Senate ہی آخری فیصلہ صادر کرتی تھی۔

میں یہ سب سن کر ایک جہان حیرت میں غرق تھا کہ اچانک میرے عقب سے آواز ابھری اور کسی [illegible] کاندھے پر اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کر لی "باہر سے کیا تماشہ دیکھ رہے ہو۔ ہمت ہے تو اکھاڑے میں [illegible] کرو......" میں نے پلٹ کر دیکھا۔

باب 12

میرے پیچھے موسیٰ اور سارنگا کھڑے تھے۔ سارنگا نے قریب آ کر گرم جوشی سے مجھے سینے سے لگا لیا۔ موسیٰ نے بھی حسبِ عادت میرے سینے اور بازوؤں کی ہڈیاں چٹخاں ڈالیں "اچھا کیا تو یہیں آ گیا۔ ہم بڑے ہیں ..... پرانے بھی بڑے نہیں ساجن ....."

اسماعیل نے دبی دبی آواز میں سارنگا کو ... کہ وہ مجھے کس شرط پر اپنے ساتھ یہاں ... لے کر آیا ہے اور یہ کہ میں اس کے ساتھ ہی پچھلے حصے میں ٹھہروں گا۔ موسیٰ نے اسماعیل کو ڈانٹا "کیوں بے ... تو یہاں کا حاجی ہے کہ شہر کی رہنمائی کرنے چلا ہے .....؟" سارنگا مسکرایا "چل ٹھیک ہے ..... جیسے تیری مرضی ..... ہمارے حصے میں رہ یا پچھلے حصے میں ..... رہے گا تو اپنے ساتھ ہی ..... اپنی لاڈلی تیری بڑی تعریف کرتی ہے، کہتی ہے بھیا بنا لیا ہے میں نے اسے ..... تو اس ناطے سے تُو تو ہمارا بھی کچھ ہوا نا ..... کسی چیز کی ضرورت ہو تو مانگ لینا ..... شرم نہ کرنا ..... پھر چلیں گے کسی دن تیرے بابا کی طرف بھی ..... انہیں منانے ....."

سارنگا نے جاتے جاتے اسماعیل کو ہدایت کی کہ وہ میرے لیے حویلی کے عقب میں بنے مہمان خانوں کے کمروں میں سے کوئی بھی کمرا کھلوا دے اور میرے کھانے پینے سمیت ہر چیز کا خیال رکھے۔ پھر دو قدم چل کر وہ واپس پلٹ آیا۔

"اور سن اسماعیلے ..... دو چار جوڑی کپڑے بھی بنوا دے اس ضدی کے لیے ..... درزی کو یہیں بلوا لینا اور بتا دینا کہ صبح کپڑے تیار چاہئیں ..... کیا سمجھا .....؟" اسماعیل نے جلدی سے تابعداری میں سر ہلایا۔ سارنگا موسیٰ کے ساتھ نہ جانے کس گوشے کی جانب چلتا ہوا غائب ہو گیا۔ ویسے بھی اس طویل و عریض حویلی کی بھول بھلیوں کو یاد رکھنے میں مجھے ہفتوں لگ سکتے ہیں۔ اسماعیل مجھے لے حویلی کے عقب میں رہائشی حصے میں آ گیا۔ اس طرف شاید عام لوگوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ یہ بھی پرانے طرز کی ایک پوری حویلی ہی تھی۔ تقسیم ہند سے قبل اس علاقے میں ہندوؤں کے بڑے بڑے باڑے اور مندر تھے۔ لہٰذا یہاں کی تعمیر میں ہندو ثقافت کا رنگ بھی نمایاں نظر آ رہا تھا۔ کمروں کے سامنے کشادہ اور وسیع برآمدہ جس کے فرش پر قدیم طرز کی منقش مینا کاری کی گئی تھی اور برآمدے کے سامنے سرخ اینٹوں کا بہت بڑا دالان۔ دالان کے درمیان میں بہت بڑا سا حوض جس کے گرد سفید سنگ مرمر کا بڑا سا گول چبوترا بنا ہوا تھا۔ دائیں جانب

چند سنگ مرمر کی مورتیاں اور ان سے پرے ایک بہت بڑا سا باغیچہ تھا جہاں رنگ برنگ پھول اور در...
دکھا رہے تھے۔

باغیچے کی گھاس اور باڑھ بہت نفاست اور ترتیب سے تراشی ہوئی تھی۔ آس پاس بہت سے نوکر ... میں مشغول تھے۔ اسماعیل کو دیکھ کر سبھی نے اسے تعظیم دی۔ مطلب اسماعیل کو یہاں رنگا کا خاص آدمی سمجھ... اسماعیل کے اشارے پر میرے لیے فوراً ایک کمرہ کھول دیا گیا۔ کمرہ کیا تھا پورا ہال تھا۔ ہمارے کوارٹر کے ... اس میں سما جاتے۔ پرانے طرز کی بڑی بڑی لکڑی کی کھڑکیاں اور ڈوری سے کھلنے اور بند ہونے والے چار... میں روشن دان ..... کمرے کے وسط میں وسیع چوبی پلنگ اور دائیں جانب قد آدم آئینہ (ڈریسنگ) اسماعیل ... میں گھوم پھر کر غسل خانے اور باقی الماریوں وغیرہ کا جائزہ لیا "کمرہ ٹھیک ہے نا ..... پسند نہ ہو تو بدلوا لینا ....."

"نہیں نہیں ..... ٹھیک ہے ..... لیکن مجھے اتنے بڑے کمرے میں سونے کی عادت نہیں ہے ... احساس ہوتا ہے۔" اسماعیل ہنس پڑا "واہ بابو ..... گلی برسات میں سڑک کنارے بچھے لکڑی کے تختے پر تو خو... سے سو جاتے ہو اور کمرے میں ڈرتے ہو ....." میں خاموش رہا ..... اب اسے کیا بتاتا کہ وہ سڑک کے کنار... لکڑی کا بنچ تو بچپن سے مجھے ماں کی طرح لوری دے کر سلاتا رہا ہے اس کا مقابلہ بھلا ان بے جان محلو... گاہوں سے کیا؟

کچھ ہی دیر میں رات کا کھانا آ گیا۔ پوری دعوت کا اہتمام تھا۔ اسماعیل نے مجھے بتایا کہ حویلی کا ا... ہے جو چوبیس گھنٹے جاری رہتا ہے۔ اس نے مجھ سے ناشتے کے بارے میں پوچھا "صبح کے لیے کوئی خاص فر... بتاؤ ..... کیسا ناشتہ کرو گے .....؟"۔

"ایک سادہ روٹی اور چائے کا ایک پیالہ ....." اسماعیل کا منہ کھلا رہ گیا "بس ..... اور کچھ نہیں ....."

"نہیں۔ ہم برسوں سے گھر میں ایسا ہی ناشتہ کرنے کے عادی ہیں۔" مجھے یاد آیا کہ اماں کس طرح ر... چھوٹی سے چھپا کر میرے لیے باورچی خانے میں بالائی کا پیالہ اوپر طاق میں رکھ دیتی تھیں اور وہ دونوں پھ... اسی سے جھگڑتے رہتے کہ وہ میری وجہ سے ان کے حصے کی چیز بھی مجھے کھلا دیتی ہیں۔ میری آنکھوں کے گو... گے لیکن میں نے آنکھیں مسل ڈالیں۔ اسماعیل کچھ دیر بیٹھنے کے بعد چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد واقعی مجھے تنہائی کا احساس کاٹنے لگا۔ میں نے بستر پر آدھا گھنٹہ کروٹیں بد... بعد تنگ آ کر سبھی کھڑکیوں کے پردے ہٹا ڈالے۔ باہر آسمان پر میرے بچپن کے سبھی دوست تارے حیرت ... طرف دیکھ رہے تھے کیونکہ آج تک میں ان سے اپنی چھت سے باتیں کرتا آیا تھا، لیکن آج وہ سب مجھے اس ا... دیکھ کر حیرت سے اپنی آنکھیں پٹ پٹا رہے تھے۔ پھر مجھے اس ماہ رو، مہتاب کا خیال آ گیا۔ کیا وہ بھی اپنے گھر ... سے ان تاروں کو دیکھ رہی ہوگی؟ کیا وہ بھی مجھے سوچتی ہوگی .....؟ ..... کیا میرا نام اتنا مقدر والا ہوگا جسے وہ اپنی ... لکھ کر مٹاتی ہوگی ..... نہیں نہیں ..... مجھ جیسے آوارہ بنجارے کے لیے کوئی نازنین بھلا کیوں اپنی زلف کو پریشا... گی ..... مگر اس نے خود ہی تو کہا تھا کہ اسے میری بہت فکر ہے ..... پوری رات میرا نادان دل خود ہی اعتراض ... اور خود ہی تاویلیں گھڑ کر ان اعتراضات کے جواب بھی دیتا رہا۔ سچ ہے کہ دل کسی کا دوست نہیں۔ یہ خود عشق ... ساتا ہے اور پھر خود ہی ساری نسوں میں پنپتے خون اور اس میں کا ایندھن بنا کر آخری قطرے تک جلاتا رہتا ہے۔

میں بھی صبح تک اسی عشق پیچی میں جلتا رہا لیکن اس سوال کا جواب پھر بھی نہ مل سکا کہ کیا گلو بھی میرے بارے میں سوچتی ہوگی؟ صبح ناشتے کے ساتھ ہی اسماعیل بھی پہنچ گیا "کیوں بابو...... نیند تو آئی نا ٹھیک سے؟"

اسماعیل کے ہاتھ میں کپڑوں کا تھیلا تھا "چلو نہا دھو کر کپڑے بدل لو...... یہ تمہارا نیا لباس ہے۔" اسماعیل نے تھیلے سے کرتا شلوار نکال کر بستر میں لٹکا دیا۔ میں نے مسکرا کر اسماعیل کو دیکھا "ایک تعویذ اور ہاتھ کا کڑا بھی لا دو...... پورا اڈے والا بن کر پھروں گا......" ناشتے کے دوران اسماعیل نے مجھے بتایا کہ روزانہ صبح 10 بجے سارنگا کا دفتر لگتا ہے جہاں دن بھر کی مصروفیات اور آئندہ کے کام بانٹے جاتے ہیں۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا "دفتر......؟...... کیا...... یہاں بھی باقاعدہ دفتری کام ہوتا ہے......"

"دفتر کیا آیان بابو...... پوری عدالت کہو...... حکومت چلانا آسان کام تھوڑی ہے......"

یہاں میرے لیے ہر قدم پر ایک نئی حیرت بانہیں کھولے میری منتظر کھڑی تھی۔ اسماعیل کے بقول یہ علاقہ ابھی چند ماہ پہلے ہی سارنگا کے قبضے میں آیا ہے۔ اس سے پہلے کوئی "کالی" نام کا زور آور اس علاقے کا مالک تھا لیکن رنگا نے ہرا کر شہر کے اس حصے کا قبضہ دار رہا جس میں ہمارا کیفے فراق اور بابو کالونی بھی شامل تھی۔ علاقے کا کنٹرول سنبھالتے ہی قبضہ دار کو سب سے پہلے مختلف حصوں کی تعیناتیاں (پوسٹنگ) کرنی ہوتی ہیں۔ اپنی انتظامیہ کے اہل اور ایمان دار کارندوں کو ان کی اہلیت کے مطابق علاقے بانٹے جاتے ہیں جہاں کے تمام معاملات کے وہی نگران ہوتے تھے۔ ان معاملات میں زمین پر قبضہ، علاقے کے سیٹھوں سے بھتہ وصولی، مخالفوں کا اغواء، بازار کا قبضہ، سٹہ، جوئے کے اڈوں کا حساب، تاجروں کے معاملات اور شیئر بازار کا حساب کتاب، علاقے کے تھانے سے تعلقات و رابطہ اور اپنے علاقے میں کسی دوسرے گروہ کی دخل اندازی کو روکنا اور ایسے کئی دوسرے جھگڑے نمٹانا بھی شامل تھا۔ عام نظام حکومت کی طرح اس زیر زمین سلطنت کی بھی اپنی عدالتیں اور اپنی سزائیں مقرر تھیں، اور شاید ہماری ظاہری حکومت سے کہیں زیادہ پر اثر اور مکمل بھی۔ حکومتی اہل کاروں کی طرح یہاں بھی عہدے دار اپنے عہدے کے حساب سے اپنا کام سرانجام دیتے تھے۔ مجھے یہ سن کر بھی بہت حیرت ہوئی کہ ہر علاقے میں ایسے لوگوں کی کثیر تعداد موجود ہوتی ہے جو ہماری سرکار اور عدالتوں کے چکر میں پڑنے کے بجائے براہ راست اپنے جھگڑے اسی زیر زمین نظام کے تحت حل اور ختم کروانے پر یقین رکھتے ہیں اور وہ اس نظام کے فیصلوں کو من وعن تسلیم بھی کرتے ہیں، کیونکہ یہاں انصاف ملنے میں دیر نہیں لگتی۔ عام عدالتوں کی طرح سالوں ذلیل و خوار نہیں ہونا پڑتا نہ ہی ہر روز پولیس اور عدالتوں کے ہاتھ اپنی عزت نفس کو کچلتے ہوئے دیکھنا پڑتا ہے۔ مجھے اس روز اپنے ایک اور سوال کا جواب بھی مل گیا۔ جس دن سے میں نے سارنگا کی اس بادشاہت کے بارے میں سنا تھا میرے ذہن میں ایک الجھن ہمیشہ کلبلاتی رہی کہ اگر ایسا کوئی زیر زمین نظام ہمیشہ سے ہمارے آس پاس موجود رہتا ہے تو پھر مجھ جیسے عام انسانوں کو اس کے بارے میں پتہ کیوں نہیں چلتا؟...... اسماعیل کی باتیں سن کر یہ عقدہ بھی حل ہو گیا۔ اس نظام کا براہ راست تعلق زر اور زور والوں کے ساتھ تھا۔ غریب بے چارہ تو ان کے لیے صرف مزدوری ہی کر سکتا تھا۔ اس نظام کا غربت اور غریب سے کچھ لینا دینا نہیں تھا اس لیے مجھ جیسے غریب گھرانے سے تعلق رکھنے والوں کے لیے یہ نظام سدا پوشیدہ رہتا تھا۔ تاوقتیکہ کوئی حادثہ ہمیں اس زیر زمین دنیا سے متعارف نہ کروا دے۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے میں انجانے میں اس نظام سے آ ٹکرایا تھا۔

باقاعدہ دربار کی طرح دائیں بائیں دو قطاروں میں بہت سی کرسیاں بچھائی گئی تھیں جن پر عہدیدار اور ضرورت [illegible]
بیٹھ چکے تھے۔ سارنگا قطاروں کے اختتام پر درمیان میں رکھے ایک بہت بڑے صوفے پر براجمان تھا۔ اس [illegible]
جانب ہاتھ میں ایک رجسٹر پکڑے کوئی شخص کھڑا لوگوں کے نام پکار رہا تھا اور بائیں جانب موسیٰ کھڑا تھا جو [illegible]
سائل کے کوائف اور مسئلے سے رنگا کو آگاہ کرتا جا رہا تھا۔

ہمیں دیکھ کر موسیٰ نے دور سے ہی ہاتھ ہلایا "واہ شہزادے...... آج تو اپنا ہی بھائی بند لگ رہا [illegible]
سارنگا نے چونک کر سر اٹھایا اور مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آگئی۔ اسماعیل کچھ دور ہی رک گیا تھا [illegible]
نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے قریب بلا کر ایک خالی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اسماعیل وہیں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ [illegible]
مقدمات کھل چکے تھے۔ سب سے پہلے موٹی توند والا ایک ٹھگنے وار سا سیٹھ اٹھ کر سامنے کھڑا ہو [illegible]
نے تعارف کروایا۔ "رنگا بھائی یہ اپنا سیٹھ جبار ہے...... تین سال ہو گئے ہیں اس کے کمرشل پلاٹ [illegible]
کو...... دوسری پارٹی قبضہ نہیں دے رہی...... کروڑوں کا نقصان ہو چکا ہے اس کا...... زمین تو گئی سو گئی...... تعمیر [illegible]
گیا۔ چالیس منزلیں تیار پڑی ہیں لفٹ تک لگ گئی ہے......"

سارنگا نے لمبی سانس لی...... "ہونہہ...... ٹھیک ہے...... قبضہ تو اسے تیس 30 دن کے اندر مل جائے [illegible]
نچلی دو منزلیں ہماری ہوں گی۔ منظور ہے تو کاغذ بھروا لے اس سے......"

سیٹھ جبار کے منہ سے مری مری سی آواز نکلی...... "رنگا بھائی گراؤنڈ فلور اور میزنائن تو بہت زیادہ [illegible]
گا...... میں پیچھے کی چالیس دوکانوں کی زبان علاقے کے ایم پی اے کو دے آیا ہوں......" رنگا کو غصہ آ گیا [illegible]
دے آیا ہے تو پھر یہاں کیا لینے آیا ہے۔ قبضہ بھی جا کر اسی وزیر سے لے لے......" سیٹھ جبار نے بات بگڑ [illegible]
جلدی سے دائیں جانب کھڑے منشی نما شخص سے ایک اسٹامپ پیپر لے کر دستخط کر دیے اور سلام کر کے پلٹ گیا [illegible]
دوسرا سائل آگے بڑھا...... موسیٰ نے پہچان کروائی...... "یہ فیقا فلم والا ہے بھائی...... دو سال پہلے [illegible]
اعلان کر کے ایڈوانس بھی دے چکا ہے...... لیکن کوئی نیا ہیرو ہے جو وقت نہیں دے رہا۔ پیسے بھی کھا چکا ہے [illegible]
شوٹنگ کے لیے مزید پیسے مانگ رہا ہے۔ پروڈیوسر تباہ ہو گیا ہے رنگا بھائی......"

سارنگا نے فلم پروڈیوسر پر سخت تیز نظر ڈالی...... "کیوں بھئی، ملنے صرف رنگین...، مل گئی تجھے فرصت [illegible]
پریوں سے...... وہ تیری ہیروئن تو اسٹوڈیو سے زیادہ وقت تیرے اس فلیٹ میں گزارتی ہے۔ پھر کیسے بنے [illegible]
فلم......؟" ...... موسیٰ نے لقمہ دیا "زیادہ تر تو یہ اپنی ہیروئنوں سے شادی رچا لیتا ہے رنگا بھائی......" رنگا نے [illegible]
کہا اور پروڈیوسر کو جھاڑا "خوب جانتا ہوں میں اس کی ان فلمی شادیوں کو...... بہرحال...... کاغذ بھروا لے اس [illegible]
مکمل ہونے کے بعد چل پڑی تو آدھا منافع ہمارا...... اور ضمانت کے طور پر اس کا وہ فلیٹ لکھوا لے...... اچھا ہے [illegible]
فلیٹ نہ بچیں گی اس کی یہ عیاشیاں...... جا کر اپنی فلم پر دھیان دے......" پروڈیوسر بھی دستخط کر کے آگے بڑھ گیا [illegible]
بیٹھے ایک پکی عمر کے عہدے دار نے شکایت کی "رنگا بھائی وہ ڈاک یارڈ کا نیا افسر بہت تنگ کر رہا ہے۔ وہ [illegible]
ڈی ایس پی لگا ہے علاقے میں لیکن آتے ہی ہمارے ہر کام میں دخل دینے لگا ہے۔ دو مرتبہ سندیسہ بھی بھج [illegible]
ہمارے معاملوں میں ٹانگ نہ اڑائے مگر ایمان داری کا بھوت سوار ہے اس کے سر پہ......" رنگا نے غور سے [illegible]

"نہیں بھائی..... رہنے تو اس کے آتے ہی دو گت کر چکے ہیں ہم لوگ" رنگا کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔ پھر اس نے موسیٰ کو حکم دیا "وہ کون سا وزیر ہے جو یہ معاملے دیکھتا ہے۔ ہاں..... داخلے کا..... فون لگا اس کو....." موسیٰ نے جلدی سے دستی فون سیٹ اٹھا کر کوئی نمبر لگایا۔ دوسری جانب لائن ملنے پر اس نے فون رنگا کے حوالے کر دیا۔ رنگا نے سلام دعا کے بعد براہ راست شکوہ کیا "کیا بولوں سرکار..... آپ بھی چن چن کر ہمارے علاقے میں افسر لگاتے ہو..... ڈاک یارڈ میں جس کو آپ نے نیا بھرتی کر کے بھیجا ہے بار بار راستے میں آ رہا ہے..... کل کلاں کو لڑکے کچھ کر بیٹھیں گے پھر آپ ہی کو شکایت ہوتی ہے کہ پہلے کیوں نہیں بتایا....." وہ دوسری جانب کی بات سننے لگا "بس اس کو بدلی کرتا ہے اور آج شام تک ہی کرنا ہے..... ڈاک یارڈ میں آپ کے تیرہ ہزار ووٹ ہیں..... پبلک ناراض ہو گئی تو اگلے الیکشن میں سنبھالنا مشکل ہو جائے گا..... ٹھیک ہے ٹھیک ہے..... کل تک ہی سہی..... آپ کا ہی دیا کھاتے ہیں....." رنگا نے مسکراتے ہوئے فون بند کر دیا اور عہدے دار سے بولا

"آج تین بجے بڑے دفتر میں جا کر اس افسر کا نام دے دینا جسے ڈاک یارڈ میں لگوانا ہے اور دھیان رہے۔ بندہ کام کا ہو..... بڈ حرام نہ ہو....." رنگا دوپہر تک احاطے میں بیٹھا اپنی سرکار چلاتا رہا۔ کون سا مسئلہ تھا جو اس کی عدالت میں پیش نہ کیا گیا ہو۔ چوری، ڈکیتی، قتل، اغواء، قبضہ، رسہ گیری، شادی بیاہ، ہنڈی، سیاسی جھگڑے..... غرض کوئی قضیہ ایسا نہیں تھا جس کا فیصلہ سارنگا نے وہیں بیٹھے بیٹھے نہ کر دیا ہو، اور حیرت کی بات یہ تھی کہ بمشکل ہی کسی نے اس کے فیصلے پر کوئی اعتراض کیا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سب جانتے تھے کہ چاہے انہیں آدھا انصاف ہی ملے لیکن مل ضرور جائے گا، اور سچ بھی یہی تھا کہ رنگا انہیں فوری طور پر ان کے حصے کا آدھا انصاف فراہم کر دیتا تھا۔ باقی آدھا انصاف رنگا کی سرکار کے حق میں جاتا تھا۔ لہٰذا کچھ نہ ملنے سے آدھا ملنا ہی سب کے لیے قابل قبول ہوتا تھا۔

دوپہر 2 بجے دربار برخاست ہو گیا۔ باقی ماندہ کیس اگلے دن کے لیے ملتوی کر دیے گئے۔ کچھ ہی دیر میں وہیں درختوں کی چھاؤں تلے ایک وسیع اور کشادہ دسترخوان بچھا دیا گیا اور کھانا چن دیا گیا۔ سارنگا نے وہیں سب کے ساتھ کھانا کھایا۔ مجھ سے دو بار اس نے پوچھا کہ مجھے یہاں کوئی پریشانی تو نہیں ہے۔ اب میں اسے کیا بتاتا کہ میرے لیے یہ سب کیسا جہان حیرت ہے۔

4 بجے اسماعیل نے ناہید کی حویلی کی طرف جانے کے لیے گاڑی نکالی۔ رنگا دوپہر کے کھانے کے بعد آرام کرنے کے لیے رہائشی حصے کی طرف جا چکا تھا تاہم ناہید کے ہاں پہنچے تو اسے اور بوا کو میری گزشتہ شب بسری کی خبر پہلے ہی مل چکی تھی۔ ناہید بے حد خوش تھی کہ میں نے کہیں اور نہیں اس کے بابا کی طرف منتقلی کا فیصلہ کیا ہے۔ اس نے مجھ سے گلہ بھی کیا میں نے گزشتہ روز ہی اسے اپنے گھر بدری کے بارے میں کیوں نہیں بتایا تھا۔ جانے اسے یہ ساری خبریں کون پہنچاتا تھا۔ اسماعیل تو کل رات دیر تک میرے ساتھ ہی تھا۔ شاید دن میں جب میں رنگا سرکار کی عدالت دیکھ رہا تھا کسی وقت وہ یہاں آیا ہو۔ کیونکہ درمیان میں وہ دو مرتبہ کہیں گیا تھا۔ میں نے ناہید کو تسلی دی کہ بابا کا غصہ ختم ہوتے ہی ریحان خود مجھے لینے آ جائے گا، لیکن نہ جانے کیوں میرا دل اندر سے کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ گھر اور میرے درمیان فاصلہ روز بروز بڑھتا جا رہا تھا..... ناہید مجھ سے بار بار پوچھتی رہی کہ اس کے بابا مجھے کیسے لگے؟ انہوں نے میرا ٹھیک سے خیال رکھا یا نہیں.....؟ اور میں وہاں خوش تو ہوں؟ وغیرہ وغیرہ اور میں اسے اپنے گزرے دن کے بارے میں بتاتا رہا۔

پھر میں نے خاص طور پر ناہید سے ستارہ کے بارے میں بات کی کیونکہ میں سارنگا سے پہلے ناہید
کی ٹیوشن کے بارے میں اجازت لینا چاہتا تھا۔ ناہید تمام بات سن کر افسردہ ہو گئی "کیوں آیان بھائی..... آپ
پڑھانا چاہتے کیا.....؟"۔

"ایسی بات نہیں..... وہ لوگ اس وقت ضرورت مند ہیں لہٰذا انہیں کسی ایسی مدد کی ضرورت ہے
خودداری متاثر نہ ہو، اور اب میرا اور تمہارا رشتہ ایسے کسی بہانے کا متقاضی بھی تو نہیں..... تمہارا جب جی چ
تمہاری مدد کے لیے یہیں موجود رہوں گا....." میری بات سن کر ناہید کے چہرے پر روشنی سی آ گئی "تو
ہے..... مجھے کوئی اعتراض نہیں..... مگر بابا شاید مجھے گھر سے باہر پڑھنے کے لیے نہ جانے دیں....."۔

"کوئی بات نہیں..... اس صورت میں اسماعیل روزانہ ستارہ کو یہاں لا سکتا ہے..... جیسے وہ مجھے
آتا ہے....."

ناہید کی رضامندی کے بعد میں ہلکا پھلکا سا ہو گیا تھا۔ جب اسماعیل مجھے دوبارہ یعقوب مینشن لے
ایک اور شام ڈھلنے والی تھی۔

احاطے میں کل شام کی طرح کلائی اور زور کی مشق جاری تھی۔ آج رنگا خود بھی ایک بڑے سے اسٹو
اپنے کارندوں کو زور سکھا رہا تھا۔ اس کے سامنے ایک نوجوان نے دوسرے کی کلائی زور سے درمیان میں جھکی
دی۔ فضا میں ہلکی سی ہڈی چٹخنے کی آواز ابھری۔ مجھے دیکھ کر سارنگا نے دعوت دی "کیوں بھئی ساجن..... کلائی
میرے شیروں سے..... سنا ہے تجھ میں بڑا دم خم ہے۔ یہ یاد رکھنا پنجہ لڑانے کے لیے صرف کلائی کی نہیں
ضرورت بھی ہوتی ہے۔" میں نے ہلکے سے مسکرا کر معذرت کی۔

"نہیں..... آپ کے شیر واقعی سوا سیر ہیں۔ میرا ان سے کیا مقابلہ.....؟" لیکن موسیٰ نہ مانا اور
میرا ہاتھ پکڑ کر سارنگ کے سامنے بچھی لکڑی کی میز پر بائیں جانب بٹھا دیا۔ ایک نوجوان اپنی کلائی پر ہاتھ
میرے مدمقابل آ کر بیٹھ گیا۔ مجبوراً میں نے اپنا ہاتھ پنجہ لڑانے کے لیے میز پر رکھ دیا۔ نوجوان کی نظر
نظروں سے ٹکرائیں۔

باب 13

سارنگا نے زور سے تالی بجائی "واہ بھئی...... میدان میں تو میرا اپنا سورما اترا ہے۔ چل جیندو...... دکھا دے اپنا زور اس شہزادے کو......"

بچپن سے اب تک میں کئی بار ریحان اور اپنے دوستوں کے ساتھ پنجہ لڑانے کا یہ کھیل کھیل چکا تھا، لیکن بالے کے علاوہ مجھے اور کوئی ہرا نہیں پایا تھا۔ بالے کی کلائی میں واقعی بلا کا زور تھا۔ ریحان کو تو میں زبردستی بھی دونوں ہاتھوں سے پنجہ گرا کر ہرا دیتا تھا اور اس کام میں چھوٹی میرا ساتھ دیتی تھی وہ میرے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا زور بھی ڈال دیتی تھی اور ریحان کو ہارنا ہی پڑتا تھا کیونکہ اگر وہ جیت جاتا تو پھر سارا دن منہ پھلائے پھرتا اور ریحان سے بات بھی نہیں کرتا تھا۔ جانے یہ بچپن ایک دم پھر سے اڑ کر کہاں اوجھل ہو جاتا ہے۔

جیندو نے اپنا بایاں ہاتھ اپنی پشت پر پیچھے مضبوطی سے کس لیا اور مجھے بھی اشارہ کیا کہ میں بھی اسی عمل کو دہراؤں تاکہ صرف دائیں ہاتھ کے پنجے اور کلائی کا زور ہو سکے۔ ہمارے آس پاس موجود باقی سارے شاگرد، کارندے اور ان کے بوڑھے استاد بھی ہمارا یہ بے وزن مقابلہ دیکھنے کے لیے اپنی مشق چھوڑ کر ایک دائرے میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ قاعدے کے مطابق موسیٰ میری طرف سے میرا حوصلہ بڑھانے والا مقرر ہو گیا اور جیندو کی سرپرستی خود سارنگا نے سنبھال لی۔ میرے حق میں نعرے لگانے والوں کو موسیٰ نے بائیں جانب کھڑا کر دیا اور جیندو کے حامی دائیں جانب اس کا حوصلہ بڑھانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ گویا باقاعدہ ٹیم بنا کر پنجہ لڑانا بھی یہاں کے آداب و تربیت میں شامل تھا۔ ایسا شاید اس لیے کیا جاتا ہوگا کہ کوئی ایک مقابل داد اور جوش کی تالی میں تنہا نہ رہ جائے۔ ایسا موقع سارنگا یہاں اپنے دشمنوں کے لیے بھی ضرور فراہم کرتا ہوگا۔ جیندو نے اپنا پنجہ کھولا اور میں نے اپنی ہتھیلی اس کی ہتھیلی سے جوڑ کر اپنی انگلیاں کس لیں۔ موسیٰ نے گنتی شروع کی۔ تین۔ دو۔ ایک اور اس کی انگلی گرتے ہی فضا میں شور سا مچ گیا۔ "شاباش جیندو...... دس سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگنے چاہئیں...... گرا دے اسے......" کوئی میری طرف سے چلایا "شاباش جوان...... ہمت کرو...... گرنے نہ پائے" جیندو پہلی ہی ساعت میں میرا ہاتھ میری طرف جھکانے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن میز کی سطح چھونے سے پہلے ہی میری کلائی نے اپنا زور پکڑ لیا اور میں دھیرے دھیرے جیندو کا ہاتھ واپس برابر سطح پر لانے میں کامیاب ہو گیا لیکن جیندو واقعی پنجہ لڑانا جانتا تھا۔ اس نے میری لاکھ کوشش کے باوجود بھی اپنے ہاتھ کو اپنی جانب زیادہ جھکنے نہ

دیا۔ میری کن پٹی سے پسینے کی ایک بوند پھوٹی اور دھیرے دھیرے میرے کان کے پیچھے غائب ہو گئی۔ ہم دونو
ہاتھوں کی نسیں پھٹنے کو تھیں۔ چاروں طرف شور برپا تھا۔

"بلے بھئی بلے...... آج تو جیندو کو پنجہ دکھانے والا بھی کوئی پیدا ہوا ہے۔ آفرین ہے جوان" "
طرف سے سارنگا نے نعرہ مارا "کیا کر رہا ہے...... عزت ڈبوئے گا کیا سارے اڈے کی...... اتنا لمبا مت کھینچ "
تو باقاعدہ چلا رہا تھا "واقعی ماں کا دودھ پی کر چلا ہے یہ جوان...... توڑ ڈال اس سانڈ کی کلائی آج...... بڑی جیتا
جیندو کی......" میں اور جیندو دونوں پسینے میں تر بتر ہو چکے تھے۔ ہماری کہنیوں کے نیچے بچھی میز کی سطح میں سے
باقاعدہ لکڑی کی چرچراہٹ کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ مجھے آس پاس صرف ایک سرخ اندھیرا دکھائی دے رہا تھا اور
پوری حسیات سمٹ کر صرف میری کلائی کے اندر سما گئی تھیں۔ پھر اچانک جیندو نے ہاتھ کو ایک لمحے کے لیے
چھوڑا اور میری توجہ ٹوٹی اور شاید یہ میری غلطی تھی کیونکہ دوسرے ہی لمحے جیندو میرا بازو میز کی سطح پر گرا چکا تھا۔
نعروں اور چیخوں سے گونج اٹھا۔ اڈے کا جیندو جیت چکا تھا لیکن سارنگا کا موڈ اب بھی خراب تھا۔ اس نے قریب
لکڑی کی ایک پلیٹ اٹھا کر جیندو کی کمر پر دے ماری "حرام خور...... پورے ڈھائی منٹ لگا دیے تو نے...... چربی چ
ہے تیرے جسم پر...... اتارنی پڑے گی...... اتنی دیر میں تو پہلے دس بندے گرا دیتا تھا" جیندو نے مسکراتے ہوئے مجھ
ہاتھ ملایا اور میری کلائی تھام کر مجھے کھڑا کر دیا "اس میں بڑا دم ہے بھائی...... یہ ان میں سے نہیں ہے۔" موسیٰ نے
میرے بازو سہلائے...... "جی خوش کر دیا تم نے آج......" سارنگا نے جیب سے ہزار کا نوٹ نکالا، اور مجھ پر وار کر
خدمت گار کو تھما دیا "جانتا ہے تو جیندو سے کیوں ہار گیا......؟......"

"کیونکہ جیندو مجھ سے بہتر پنجہ باز ہے......" سارنگا نے نفی میں سر ہلایا "نہیں...... اس لیے کہ عین آ
لمحے میں تیری نظر اس کی نظر سے ہٹ گئی تھی" میں نے حیرت سے سارنگا کی طرف دیکھا "کیا مطلب ہے؟...... مقا
کلائی کے زور کا ہو رہا تھا۔ پھر نظر کا نظر سے کیا واسطہ......؟......"

سارنگا نے ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے پاس بٹھا لیا "نظر کا ہی تو سارا کھیل ہے پیارے...... پنجہ آزمائی میں
کلائی کا زور درکار ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ اپنے مقابل کی نظر پہچاننا بھی ضروری ہے......" میں حیرت سے سارنگا
بات سنتا رہا۔ اس دن مجھے پتہ چلا کہ پنجہ آزمائی کے دوران حریف ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے ا
دوسرے کو آخری لمحے تک گھورتے کیوں ہیں۔ اصل میں وہ دوسرے کی نظر پڑھ رہے ہوتے ہیں ہاتھ تو دماغ کی ہدای
پر اپنی پوری توانائی کا زور صرف کر رہا ہوتا ہے لیکن مقابل کی نظر یہ بتاتی ہے کہ وہ کس وقت اپنی کلائی کو کس انداز
جھٹکے گا یا ساکت رکھے گا۔ نظر سے ہی پتہ چلتا ہے کہ اگلا حریف اب اس مقام پر ہے جہاں ایک آخری جھٹکا اس کی کلائی
گرا سکتا ہے۔ غرض یہ صرف کلائی سے کلائی کی نہیں...... بلکہ آنکھ سے آنکھ کی بھی برابر کی لڑائی ہوتی ہے...... سارنگا
جانے کے بعد موسیٰ نے وہیں بیٹھے بیٹھے مجھے پنجہ آزمائی کے چند گر بھی بتا دیے اور مجھے مشق کرتے رہنے کی تلقین بھی کی۔

بعد میں اسماعیل نے مجھے بتایا کہ موسیٰ خود ایک زمانے میں شہر کا سب سے بڑا چاقو باز رہ چکا ہے۔ اس
ہاتھ میں بجلی کی سی تیزی اور پھرتی تھی کہ مقابل کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا اور وہ اپنی شہ رگ سے خون کے فوا
بلند ہوتے دیکھتا تھا۔ اسماعیل نے مجھے چاقو بازی کے کچھ اصولوں سے بھی روشناس کروایا کہ اچھا چاقو باز بھی جلدی

کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ کیونکہ ماہر کو ہمیشہ ناپ تول کر وار کرنا ہوتا ہے کسی مستند جراح کی طرح، اور اس کی مشق کا ایک عام پیمانہ یا امتحان یہ رکھا جاتا ہے کہ اسے مختلف جسموں کے کسی ایک مخصوص حصے پر ایک ہی ناپ اور سائز کا زخم لگانے کو کہا جاتا ہے اور بعد میں اگر ان دس بارہ زخموں سے ایک سنٹی میٹر بھی کم یا زیادہ ہو تو اسے ماہر کی گدی سے اتار دیا جاتا ہے۔ یا پھر سے امتحان میں شریک ہونے کا فیصلہ صادر کر دیا جاتا ہے۔

ایک اور بڑی حیرت انگیز بات پتہ چلی کہ ایک ماہر سرجن یا جراح کی طرح اچھا چاقو باز چاہے تو اپنے زخم کا نشان نہیں چھوڑتا وہ ہر وار جسم پر بنی قدرتی لکیروں (Body lines) کے متوازی کرتا ہے اور زخم بھرنے پر زخم کا ذرہ برابر نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ بالکل ویسے ہی جیسے کوئی تجربہ کار پلاسٹک سرجن کسی مریض کی پلاسٹک سرجری کرتا ہے۔ بقول اسماعیل نئے لڑکوں کو مشق کراتے ان عمر رسیدہ استادوں میں اب بھی ایسے کئی چاقو باز موجود تھے جو ازلی کمی کو بھی نشان بنانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ میں نے اسماعیل سے درخواست کی کہ کیا میں اگر اس فن کی کوئی سدھ بدھ حاصل کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں، لیکن اسماعیل نے ہنسی میں جواب دیا کہ صرف چند مشقوں کی حد تک تو ٹھیک ہے ورنہ باقاعدہ یہ فن چاقو بازی سیکھنے کے لیے مجھے اڈے سے وفاداری کا حلف اٹھانا ہوگا اور کسی ایک استاد کو باقاعدہ اپنا استاد مان کر اور بھینٹ چڑھا کر اس کی شاگردی میں آنا ضروری ہوگا ورنہ اس دنیا کے رسم رواج اور اصول میرے آڑے آ جائیں گے۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد اسماعیل نے مجھے پان کی پیش کش کے لیے باہر جانے کا پوچھا۔ مجھے یاد آیا کہ سارنگ سے پہلی ملاقات کی رات وہ بھی موسیٰ کے ساتھ کیفے فراق سے اگلے چوراہے پر حق شہر کی مشہور پان کی دوکان سے ہی پلٹ رہے تھے جب موسیٰ نے مجھے سڑک کنارے دیکھا تھا۔ میں نے اسماعیل کے سامنے شرط رکھی کہ اگر وہ کیفے فراق کے اگلے چوراہے تک لے چلے تو مجھے پان کی یہ پیش کش منظور ہے۔ اسماعیل میرا مدعا سمجھ کر مسکرا دیا اور کچھ دیر بعد ہم گاڑی میں سوار شہر کی سنسان سڑکیں ناپ رہے تھے۔

اسماعیل نے پان خریدنے کے بعد واپسی پر گاڑی کیفے فراق کے سامنے کھڑی کر دی۔ مرزا نے چونک کر سر اٹھایا اور پھر مجھے گاڑی سے اترتے دیکھ کر وہ دوڑتا ہوا میری جانب آیا۔ مجھے گھر سے نکلے بمشکل اڑتالیس گھنٹے ہوئے تھے لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے میں اڑتالیس سال بعد کیفے فراق آیا ہوں۔

مرزا آتے ہی مجھ سے لپٹ گیا "او یار ــــ کہاں چلے گئے تھے تم ــــ" میں نے اس سے راجہ اور بالے کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ دونوں منشی کے پاس ہسپتال گئے ہیں لیکن میرے لیے پیغام چھوڑ گئے ہیں کہ میں جب بھی آؤں تو مرزا کے ساتھ کوئی وقت ضرور طے کر لوں جب ہماری ملاقات ہو سکے۔ میں نے مرزا سے کہا کہ کل کا پتہ نہیں لہٰذا میں ابھی ہسپتال سے ہو آتا ہوں۔ میں نے مرزا کو ریحان کے لیے پیغام بھی دیا کہ میں ٹھیک ہوں میری فکر نہ کرے۔ میں نے اسماعیل کو ہسپتال چلنے کا کہا۔ میں دل ہی دل میں یہ دعا کر رہا تھا کہ وارڈ میں مجھے منشی کے ابا یا گھر کا کوئی دوسرا بزرگ نہ مل جائے۔ اس وقت میں کوئی وضاحت دینے کی حالت میں نہیں تھا۔

میری دعائیں رنگ لائیں اور مجھے راہداری کے شیشے والے دروازے سے اندر صرف راجہ اور بالا ہی نظر آئے۔ وہ دونوں مجھ پر نظر پڑتے ہی یوں اچھل کر کھڑے ہو گئے جیسے انہوں نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو اور پھر دوسرے ہی لمحے مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ شروع ہو چکی تھی "کہاں تھے تم ــــ تمہیں پتہ بھی ہے ہم کتنے پریشان تھے، تمہیں تو [illegible]

کھول دیں۔ اس کی حالت اب کافی بہتر نظر آ رہی تھی۔ بڑی مشکل سے میں نے انہیں دوسرے مریضوں کا وا... دے کر چپ کرایا۔ "ٹھیک ہے ہم شور نہیں کریں گے مگر یہ بتاؤ کہ تم دو دن سے غائب کہاں ہو ــــ اور رات کہ... گزاری تم نے ــــ"۔

"میں سارنگ کے یعقوب مینشن میں تھا ــــ" میری بات سن کر پہلے تو وہ کچھ سمجھے ہی نہیں اور پھر جب ان... سمجھ میں آیا کہ میں نے کیا کہا ہے تو جیسے ان کے سروں پر کسی نے زوردار بم پھوڑ دیا۔ اس مرتبہ چلانے والوں میں... خود بھی شامل تھا۔ ان کی آوازیں سن کر ڈیوٹی پر موجود نرس گھبرا کر ڈیوٹی روم سے بھاگتی ہوئی منشی کے بستر کی جانب آ... اور پھر اس نے تینوں کی وہ خبر لی کہ انہیں معافی مانگتے ہی بنی ورنہ وہ تو ان کو وارڈ بدر کرنے پر ہی مصر تھی۔ ان تینو... کی آوازیں اب بھلے ہی دھیمی ہو چکی تھیں مگر ان کے تاثرات اب بھی انتہائی اونچے (Loud) تھے۔ میں نے الف... سے ے تک ساری کہانی انہیں سنا دی۔ کچھ دیر تک وہ سب خاموش رہے پھر راجہ نے پہل کی "لیکن یار تو ــــ لوگ... یہی کہیں گے نا کہ کل تک جس رنگا کے خلاف ہم لڑ رہے تھے آج ہمارا یار اسی رنگا بھائی کے گھر میں رہ رہا ہے"۔ میں... ان کی طرف دیکھا "لوگوں کی پرواہ کسے ہے؟ ــــ اور وہ شوکی جسے ہم رنگا کا خاص آدمی سمجھتے تھے وہ تو اس کے احا... کے سو کوس دور بھی کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ یہ اچکا پن شہر میں اور بھی بہت سی جگہوں پر سارنگ کے نام پر ہوتا ہوگا۔ میں ا... جگہ یا ان لوگوں کی حمایت نہیں کر رہا ہوں ــــ لیکن سچ یہی ہے کہ ہم جو انہیں سمجھتے ہیں وہ لوگ اس سے بہت مختلف ہیں ــــ" بالے نے دھیرے سے کہا "ویسے جس دن سے ہم تھانے سے چھوٹ کر آئے ہیں۔ علاقے میں زبردستی بھتہ لینے کے لیے کوئی پارٹی نہیں آئی ــــ اب تم نے بتایا ہے تو پتہ چلا ہے ورنہ آس پاس کے بھی دوکاندار اسے ہمارا کارنامہ سمجھ رہے تھے ــــ"۔

"چلو چاہے جیسے بھی سہی پر یہاں کے لوگوں نے سکون کا سانس تو لیا ــــ اور مجھے یقین ہے کہ اب وہ دوبارہ ا... بھی نہیں ہوگا ــــ جب تک سارنگ کے پاس یہ علاقہ ہے جب تک تو ہرگز نہیں ــــ"

تب ہی راجہ کی زبان سے ایک ایسا سوال نکل گیا جس کا جواب اس وقت ہم میں سے کسی کے پاس نہیں تھا... "لیکن جب یہ علاقہ سارنگ کے ہاتھ سے نکل گیا تب کیا ہوگا؟" ہم سب ہی چپ ہو گئے۔ میں نے اپنا ہا... آگے بڑھایا "اس سے پہلے ہمیں یہ علاقہ اپنے نام کرنا ہوگا۔ اس مسئلے کا سب یہی ایک حل ہے ــــ" میرے پھیلے ہاتھ... پر تین ہاتھ اور آ گرے اور ہم چاروں نے آج تک زندگی میں ایسے بہت سے عہد ایک دوسرے کے ساتھ کیے تھے اور... چاروں جانتے تھے کہ اب یہ عہد پورا کرنا ہم چاروں کا فرض بن چکا ہے۔

میں بہت دیر تک وہاں بیٹھا رہا۔ پھر نہ چاہتے ہوئے بھی اسماعیل کے خیال کی وجہ سے وہاں سے اٹھ آیا... اسماعیل آرام سے سیٹ سے ٹیک لگائے سو رہا تھا۔ میں نے دھیرے سے اس کا کاندھا ہلایا "آ گئے بابو ــــ مل ا... دوستوں سے ــــ"۔

"ہاں ــــ مگر میں نے تمہیں بے آرام کر دیا ــــ"

"ارے نہیں ــــ ڈرائیور کا تو کام ہی انتظار کرنا ہے ــــ اور سچ بتاؤں ــــ جب تم اپنے دوستوں سے ملے... تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ میں بھی کبھی یاروں کا یار تھا۔ پھر وقت نے ایسے پھیرے دیے کہ سارے دوست ایک ایک... [illegible]

تو بے بنائے ملتے ہیں اور بس بھانے پڑتے ہیں۔''

ہم یعقوب مینشن پہنچے تو رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی۔ احاطے میں صبح سویرے کی مشق کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ہم کار سے اترے تو میں نے چند بزرگوں کو دودھ کی سبیل والی جگہ پر بنی پانی کی بڑی ٹینکی کے نیچے وضو کرتے دیکھا۔ کچھ دور چند حضرات صفیں بچھا رہے تھے۔ گویا یہاں نمازی حضرات کے لیے نماز ادا کرنے کا بھی مکمل بندوبست موجود تھا۔

اگلے دن جمعہ کا تھا۔ میں نے اسماعیل سے کہا کہ مجھے صبح ساڑھے دس بجے تک کچھ دیر کے لیے سادات محلے جانا ہے لہٰذا اگر وہ مجھے یہاں نہ پائے تو پریشان نہ ہو، لیکن جب صبح ساڑھے دس بجے کے قریب میں باہر نکلا تو اسماعیل گاڑی لیے تیار کھڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرایا ''آیان بابو..... ڈرائیور حاضر ہے.....''

''لیکن تم نے کیوں تکلیف کی..... میں چلا جاتا..... ہماری غیر موجودگی میں کسی کو گاڑی کی ضرورت بھی تو پڑ سکتی ہے.....؟''

اسماعیل نے گاڑی گیئر میں ڈال دی..... ''نہیں..... یہ گاڑی صرف ناہید بٹیا کی ڈیوٹی پر ہے اور بٹیا نے اسے اب تمہاری ڈیوٹی پر لگا دیا ہے کیونکہ اسے خود تو کہیں جانا نہیں ہوتا۔ بس کبھی کبھار شہر کی بڑی لائبریری تک جانا ہو تو فون کر کے مجھے بلا لیتی ہے.....''

کچھ دیر بعد ہم سادات محلے میں داخل ہوئے تو کچھ لوگوں کی نظریں اس بڑی گاڑی کو شیخ صاحب کے دروازے کے قریب رکتے دیکھ کر اٹھیں..... دروازہ خود شیخ صاحب نے کھولا اور مجھے دیکھتے ہی حسب معمول ان کا چہرہ کھل گیا۔ میں نے بیٹھک میں بیٹھتے ہی سب سے پہلے ستارہ کی ٹیوشن کا ذکر چھیڑ دیا۔ ان کے چہرے پر بہت سی سوچوں کی لکیریں ابھر آئیں۔

''ہاں میاں..... شیخانی جی نے ذکر تو کیا تھا ستارہ کی اس خواہش کا۔ پر تمہیں سچ بتاؤں تو میرا دل نہیں مانتا۔ اور پھر اگر ان کے بڑے بھائی یعنی میرے صاحبزادے حمید کو اس بات کی خبر ہوئی کہ اس کی بہن نے ٹیوشن پڑھانا شروع کر دی ہے تو یقین جانو وہ بہت ناراض ہوگا۔ وہ اس معاملے میں بہت سخت مزاج ہے..... اور اب اس کے یہاں آنے میں کچھ زیادہ دن بھی باقی نہیں ہیں'' تنویر بھی کچھ دیر میں بیٹھک میں آ گیا۔ میں نے اسے بتایا کہ یہ وہی ٹیوشن ہے جو اس نے مجھے دلائی تھی۔ سیٹھ داؤد کی صاحبزادی والی..... لیکن جب میں نے انہیں یہ بتایا کہ ناہید اصل میں سارنگا کی بیٹی ہے تو ان دونوں کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے۔ شیخ صاحب نے سوچنے اور سب سے مشورہ کرنے کے لیے مجھ سے کچھ وقت مانگ لیا۔ کچھ دیر میں چائے بھی آ گئی مگر وہ جسے میری نظریں غیر ارادی طور پر ہمیشہ ڈھونڈتی رہتی تھیں آج وہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ پھر رخصت ہوتے وقت شیخانی جی نے ہی یہ عقدہ کھولا کہ ستارہ اور گہنا دونوں ہی پڑوس میں کسی کے بے حد اصرار پر ان سے ملنے گئی ہوئی ہیں۔ میں بھاری دل کے ساتھ یعقوب مینشن پہنچا تو وہاں کچھ عید کا سا سماں تھا۔ مختلف اہل کار، شاگرد اور استاد سروں پر فلسطینی رومال باندھے اور صاف ستھرے کپڑے پہنے ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ اسماعیل نے سر پر ہاتھ مارا ''اوہو..... شکر ہے ہم وقت پر واپس آ گئے..... آج تو جمعۃ المبارک ہے.....'' میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا ''ہاں..... تو.....؟''

''چلو تم بھی جلدی سے نہا دھو کر تیار ہو جاؤ۔ آج کے دن ہم سب رنگا بھائی کے ساتھ جامع مسجد جاتے ہیں

نماز پڑھنے..... یہاں جمعہ کو خاص تیاری ہوتی ہے.....'' مجھے حیرت ہوئی کہ ہفتے کے باقی چھ دن کی نمازیں خ[...]
دینے والا رنگا جمعہ کو اس قدر اہتمام سے کیوں مناتا ہے۔

کچھ دیر بعد جب میں لباس تبدیل کر کے باہر احاطے میں آیا تو سبھی گاڑیاں لگ چکی تھیں۔ جلدی ہی سا[...]
سے رنگا، موسیٰ سمیت آتا نظر آیا۔ رنگا نے بھی سر پر چارخانے کا مخصوص فلسطینی رومال باندھ رکھا تھا اور اس کے ہاتھ[...]
ایک بڑی سی تسبیح تھی۔ آنکھوں میں سرمے کی دھار کچھ زیادہ گہری اور لباس میں خاص اہتمام۔ اس نے مجھے احاطے[...]
گم سم کھڑے دیکھا تو اشارے سے مجھے اپنی بڑی وین نما گاڑی میں بلا لیا جس میں اس کے خاص محافظ موسیٰ س[...]
پہلے ہی بیٹھ چکے تھے۔ وین کے پیچھے باقی ساری گاڑیاں بھی چل پڑیں لیکن گیٹ سے نکلتے ہی ایک اور انہونی [...]
منتظر کھڑی ملی۔ سامنے پولیس کی بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں اور ان سب کی سربراہی اے ایس پی بلال کر رہا تھا۔ ی[...]
اے ایس پی تھا جو کبھی میرے ابا کا شاگرد رہ چکا تھا اور جس کے تھانے میں ہماری گرفتاری ڈالی گئی تھی۔

گاڑیاں رک گئیں۔ ہم گاڑیوں سے اترے اور اے ایس پی کی نظریں مجھے رنگا کی وین سے اترتے د[...]
حیرت سے پھیلتی گئیں۔

.....●.....

ناہید ہنس دی "بابا آپ بھی تو مہمانوں کی طرح آتے ہیں نا۔ ہفتے میں صرف ایک بار..... تو پھر خاطر مدارات تو بنتی ہے نا..... اور آج تو میرے لیے دوہری خوشی ہے کہ آپ کے ساتھ آیان بھیا بھی آئے ہیں..... میرے لیے آج کا دن بہت بہت خاص ہے....." سارنگ نے پیار سے ناہید کو کھینچ کر اپنے قریب کرلیا اور بوا سے شکوہ کیا "یہ کیا بڑی بی..... تو اپنی لاڈلی کو ٹھیک سے کھلاتی پلاتی نہیں ہے کیا..... کیسی سوکھ کر ہڈیوں کا ہار ہوتے جارہی ہے....." "بوا کو شکایت کا موقع مل گیا" یہ کچھ کھائے پیے تو میں اسے کھلاؤں نا یعقوب..... یہ تو بس پانی پر زندہ ہے....." بوا کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ وہ ضرور کبھی سارنگ کی بزرگ بھی رہی ہوگی۔ ناہید نے لاڈ سے اپنے باپ سے پوچھا "بابا آپ کو میرے آیان بھائی کیسے لگے..... بالکل سلمان بھیا جیسے ہیں نا....."

سارنگ کی آنکھوں میں غم کی ایک لہر سی آکر گزر گئی لیکن فوراً ہی اس نے خود پر قابو پالیا "ہاں ری..... ویسا ہی ضدی ہے..... اکھڑ اور من موجی....." ناہید خوش ہوگئی "دیکھا..... میں نے کہا تھا نا بھائی..... بابا کو بھی ایسا ہی لگتا ہے" ناہید شاید دوری کی وجہ سے سن نہیں پائی مگر میں نے سارنگ کی وہ زیر لب بڑبڑاہٹ سن لی کیونکہ میں اس کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ سارنگ کا لہجہ دعائیہ تھا "ہاں..... پر خدا نہ کرے اس کا نصیب بھی اس جیسا ہو....." ناہید اور بوا نے ہمیں رات کے کھانے سے پہلے واپس جانے نہیں دیا۔ درمیان میں ستارہ کی ٹیوشن کا ذکر بھی آیا۔ سارنگ کو اس کے ناہید کے گھر آکر پڑھانے پر کوئی اعتراض نہیں تھا مگر وہ ناہید کے گھر سے نکلنے کے خلاف تھا اور اس کی وجہ بھی بہت واضح تھی۔ سادات محلے میں ناہید کی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام کرنے میں بہت سی الجھنیں درپیش تھیں کیونکہ وہ ایک چھوٹا سا محلہ تھا اور وہاں روزانہ ایک مخصوص وقت پر اتنے محافظوں کی بھیڑ بھاڑ اور گاڑیوں کا آنا جانا خود محلے والوں کے لیے ایک اچھی خاصی زحمت کا باعث بن سکتا تھا۔

ہم ناہید کی حویلی سے نکلے تو رات سر پر تھی۔ سوئی نے واپسی کے لیے ڈرائیور کو دوسرا راستہ اختیار کرنے کی ہدایت کی۔ یعقوب مینشن کے دربان نے ہمیں داخل ہوتے ہی بتا دیا کہ کچھ خاص مہمان بڑے مہمان خانے میں سارنگ کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں نے اپنی رہائش کی طرف قدم بڑھائے تو سارنگ نے میرا ہاتھ تھام لیا اور مجھے ساتھ لیے بڑے مہمان خانے کی طرف بڑھ گیا جہاں میں اس سے پہلے نہیں گیا تھا۔

وہ دراصل ایک بہت بڑا ڈرائنگ روم نما ہال تھا جس میں ہاتھ جوڑ کے ایک بہت بڑا اور قیمتی قالین فرش کو ڈھانپے ہوئے تھا اور چاروں جانب صوفے لگے ہوئے تھے۔ چھت کے درمیان میں لٹکے فانوس سے چھن کر آنے والی روشنی کچھ اس زاویے سے زمین تک پہنچ رہی تھی کہ ماحول روشن ہونے کے باوجود خواب ناک سا تھا۔ آنے والے مہمان دو عمر رسیدہ شخص تھے جن کے لباس کی نفاست اور رکھ رکھاؤ سے ان کی حیثیت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ ایک شخص سفاری سوٹ اور دوسرا قیمتی شیروانی میں ملبوس تھا۔ دربان کے مطابق وہ لوگ مغرب سے بھی پہلے ہمارے انتظار میں یہاں آبیٹھے تھے۔ سلام دعا کے بعد سفاری سوٹ میں ملبوس شخص نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کر سوئی کو دیا جو اس نے سارنگ کو تھما دیا۔ سارنگ نے کارڈ پر نظر ڈالی اور پھر اسے جیسے کچھ یاد آ گیا۔

"ہاں ہاں..... مجھے بولا تھا ابراہیم نے کہ کچھ مہمان آنے کو ہیں..... پر وہ تو کسی نواب صاحب کا ذکر کرتا تھا....." سفاری سوٹ والے نے شیروانی والے صاحب کی طرف اشارہ کیا "جی..... یہی ہیں میرے دوست نواب وزیر الملک..... شہر کے شمالی علاقے میں جو کاشانہ زمرد ہے وہ انہی کا ہے....."

سارنگ نے جلدی سے بات کاٹی "کاشانہ کیا بولتے ہو صاحب..... وہ تو پورا محل ہے..... سنا ہے ابھی تین

سال پہلے ہی اس کا سودا طے ہوا تھا۔ اچھا تو یہی ہیں وہ نواب صاحب جو بھوپال سے تشریف لائے ہیں۔"

نواب نے پہلی مرتبہ زبان کھولی "بھوپال تو آباؤ اجداد کی راج دھانی تھی جناب..... میری پیدا
ساری باہر کی ہے..... بس قسمت میں اس شہر کا دانہ پانی لکھا تھا تو یہیں آکر بس گئے۔ میری زندگی کا زیادہ
کے شہر تہران میں گزرا ہے..... وہاں زمرد کی کانیں تھیں ہماری....." نواب صاحب اپنی اور کاروبار کی با
رہے جنہیں سارنگ غور سے سنتا رہا۔ شاید جسٹس ابراہیم نے نواب کو ہماری طرف بھیجا تھا وہ سارنگ کو بہت عزی
میں نے اب تک سارنگ کو کسی اجنبی کو اتنا وقت دیتے نہیں دیکھا تھا۔ "تو نواب صاحب..... ابھی ہم کو بولو ک
کریں آپ کی..... کہیں وہاں کسی حرام خور نے آپ کے محل میں کوئی پرچی ورچی تو نہیں ڈال دی اگر ایسا
بس حکم کرو....." نواب نے جلدی سے رنگا کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ "نہیں نہیں..... ایسی کوئی بات
ہمیں کیوں شرمندہ کرتے ہیں....." سارنگ کو کچھ اطمینان سا ہوا "اچھا تو پھر کسی مصیبت میں ہو تو بولو..... کسی
یا کسی کا سر کاٹنا ہے..... زمین چاہیے یا پھر طاقت..... رنگا حاضر ہے....."

نواب وزیر نے اپنے دوست کی طرف دیکھا جس نے اپنا نام کمال پاشا بتایا تھا۔ پاشا صاحب نے
کھنکار کر وضاحت کی۔ "وہ دراصل رنگا بھائی..... معاملہ کچھ ذاتی ہے..... تو اس لیے....." رنگا نے بات سمجھ کر
پہرے پر کھڑے محافظوں اور چائے کافی پیش کرتے خدمت گاروں کو اشارہ کیا اور پل بھر میں ہی وہ سب وہاں
تھے۔ "جی نواب صاحب..... ابھی بولو آپ..... اب صرف وہ لوگ باقی ہیں جو رنگا کے اپنے ہیں....." میں
نظروں ہی نظروں میں وہاں سے اپنے اٹھنے کی اجازت طلب کی لیکن اس نے مجھے وہیں بیٹھے رہنے کا
دراصل میں نہیں چاہتا تھا کہ سارنگ میری وجہ سے کسی تکلف کا مظاہرہ کرے لیکن سارنگ نے مجھے اٹھ کر پیچھے جا
"بیٹھ جا رے..... اب تجھ سے کیا چھپا ہے..... چپ کا بیٹھا رہ....."

میں خاموشی سے دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ نواب صاحب نے گلا صاف کرکے اپنا مدعا بیان
خلاصہ کچھ یوں تھا کہ وہ ان کی ایرانی بیگم اور بیٹی اور پچھلی بیوی سے ان کے دو بیٹے سب ہی کاشانہ زمرد میں
جسے لوگ اب زمرد حویلی کے نام سے پکارتے ہیں۔ دونوں بیٹے اپنی سوتیلی ماں سے کچھ زیادہ سروکار نہیں ر
دونوں کے اپنے مشاغل ہیں۔ گھر میں ان سب کے علاوہ نواب کے بڑے بھائی کی بیوہ نواب خاتون بھی رہتی
ان کا گزر حویلی کے پچھلے حصے میں ہی زیادہ رہتا ہے اور وہ شوہر کی موت کے بعد زیادہ لوگوں سے گھلتی ملتی
پاشا صاحب بھی اپنے دوست کے اصرار پر اپنا زیادہ وقت زمرد حویلی کے مہمان خانے میں ہی گزارتے ہیں۔
مہینے سے حویلی میں کچھ پراسرار واقعات کی وجہ سے نواب صاحب کا چین غارت ہوگیا ہے۔ پہلے ان کی خوا
کہیں سے کوئی سانپ گھس آیا جب کہ اس علاقے میں سانپ بسیرا نہیں کرتے۔ پھر ان کی رولز رائس کار کی
خراب بریکیں عین سفر کے دوران جواب دے گئیں۔ ڈرائیور اگر عین وقت پر اپنے حواس درست نہ رکھتا تو
سکتا تھا۔ پھر نواب صاحب کے چھت کی بالکنی سے ایک وزنی گملا ٹھیک اسی وقت نیچے گرا جب نواب صاحب
قدمی کا وقت تھا۔ ایک آدھ بار کھانے میں بھی کچھ زہریلی چیز کی آمیزش پائی گئی لیکن بروقت علم ہونے کی وجہ سے بچ
کے بعد نواب صاحب نے سب کو کھانا کھانے سے روک دیا۔ غرض ہر واقعہ پچھلے حادثے سے زیادہ گھمبیر اور سن
سے زیادہ پیچیدہ محسوس ہوتا تھا۔ نواب صاحب اسی بارے میں سارنگ کی مدد کے طالب تھے۔

رنگا نے ساری بات سن کر لمبی سی ہونہہ کی "تو پھر آپ کے ساتھ اپنا کوئی حرام خور لگا دیں...... جو آپ کی حفاظت کرے......"

"جی محافظ تو پہلے بھی کچھ ہیں برائے نام گھر میں...... لیکن میں چاہتا ہوں کہ میں بات کی تہہ تک پہنچ کر اس دشمن کو رنگے ہاتھوں پکڑ سکوں...... وہ جو کوئی بھی ہے حویلی کے اندر ہی کا ہے...... لہٰذا گھر کی بات باہر نکلنے کا بھی ڈر ہے مجھے...... کوئی ایسا طریقہ ہو کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے......"

رنگا گہری سوچ میں گم ہو گیا، اور پھر کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا۔ "ٹھیک ہے نواب صاحب...... آپ میرے کو کچھ وقت دے دو...... تب تک آپ کی کوٹھی کے باہر ہم اپنا پہرہ ڈال دیں گے...... کچھ بات سمجھ میں آئی تو آپ سے رابطہ کریں گے...... رب بھلی کرے گا......"

پاشا اور نواب دبیر شکریہ ادا کر کے جانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جاتے جاتے نواب نے بتایا کہ اس نے اپنی یہاں آمد کو بے حد خفیہ رکھا ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ اس کا دشمن ہوشیار ہو جائے۔ موسیٰ نے برجستہ تذکرہ نواب صاحب سے پوچھ لیا کہ کہیں مستقبل قریب میں اس کا سیاست وغیرہ میں حصہ لینے کا کوئی ارادہ تو نہیں۔ نواب دبیر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں...... مگر آپ کو کیسے پتہ چلا"۔ موسیٰ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا پیسہ اور اس کا اقتدار ہوتا ہے۔ آپ جدی پشتی نواب ہو لہٰذا پیسہ اپنی دشمنی آپ کے پرکھوں سے نکال چکا ہوگا۔ اب تو صرف کوئی ذاتی دشمنی یا اقتدار کی دشمنی ہی باقی رہ جاتی ہے۔ اس لیے آج رات جب آپ سونے کو جاؤ تو بستر پر لیٹ کر اپنے ذاتی دشمنوں کی فہرست بھی بنا لینا۔ ہو سکتا ہے کوئی آپ سے پرانی دشمنی کا حساب چکا رہا ہو۔ ویسے دھیان رہے کہ آپ کا محل ہمارے علاقے سے باہر ہے......"

نواب نے سر ہلایا...... "میں اس جانب بھی پورا اطمینان کر چکا ہوں مگر مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میری کسی سے کوئی ذاتی پرخاش ہو، بہر حال آپ کہتے ہیں تو آج دوبارہ سوچتا ہوں۔" پاشا اور نواب ہم سب سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئے۔ میں اس رات اپنے بستر پر لیٹا یہ سوچتا رہا کہ یہاں ہر دیوار کے پیچھے ایک نئی کہانی بنتی اور ایک نیا فسانہ جڑتا ہے لیکن بظاہر دیکھنے میں یہ سب در و دیوار، یہ گلی، یہ مکان اور یہ شہر اوپر سے کتنا پر سکون لگتا ہے۔

اگلی صبح پھر سے رنگا کی سرکار کا دفتر لگا اور دوپہر تک لوگوں کے مسائل کا انبار سمیٹا جاتا رہا۔ سہ پہر کی چائے کے بعد اسماعیل نے ناہید کی طرف جانے کے لیے گاڑی تیار کر لی۔ میرا ارادہ تھا کہ آج میں شیخ صاحب اور ستارہ کو بھی ناہید کی طرف لے جاؤں گا تا کہ ان کے ذہن اور دل سے جھجک دور ہو سکے......

اسماعیل نے گاڑی مرکزی گیٹ سے باہر نکالی تو دربان کو کسی سے بحث کرتے پایا۔ وہ زور زور سے کسی کو اندر جانے سے منع کر رہا تھا کہ رنگا بھائی سے اجازت لیے بغیر وہ کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں نے بے خیالی میں گیٹ کے باہر کھڑے افراد پر نظر ڈالی اور پھر میرے منہ سے بے اختیار نکلا "گاڑی روکو......"

اسماعیل نے گھبرا کر جلدی سے بریک لگائی۔ گیٹ کے باہر ابا اور ریحان کھڑے ہوئے تھے۔ میں تیزی سے گاڑی سے اترا۔ اپنے خیالوں میں گم کھڑے ابا کی نظر مجھ پر پڑی۔

باب 15

ابا کی آنکھوں میں حیرت اور دکھ کی ایک لہر ابھری جس نے پل بھر میں ہی شدید غصے اور قہر کے
جذب ہو کر ان کے اندر اٹھتے طوفانوں کی خبر دے دی۔ وہ بولے تو ان کی آواز آس پاس لوگوں کی وجہ سے
ان کے لہجے میں چھپا آتش فشاں میں خوب جانتا تھا۔

"خوب...... جب اے ایس پی بلال نے مجھے بتایا کہ میرا سپوت باقاعدہ غنڈہ بن گیا ہے تو میرے
کی ایک ہلکی سی رمق باقی تھی کہ شاید میرا خون ابھی اتنا سفید نہ ہوا ہو لیکن آج یہ آخری بھرم بھی توڑ دیا تم نے
اس حد تک چلے جاؤ گے...... یہ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا......" اسماعیل پریشانی سے باپ بیٹے کے درمیان
اس خلیج کو دیکھ رہا تھا۔ میں چپ رہا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اے ایس پی واپس جا کر اتنی جلدی
پہنچا دے گا۔ میرا ارادہ تھا کہ کسی مناسب موقعے پر پہلے ریحان کو یہ بات بتاؤں گا تا کہ ایسی کسی صورت
بات بگڑنے سے بچا سکے۔ لیکن کہتے ہیں کہ تقدیر ہمیشہ تدبیر سے دو قدم آگے چلتی ہے۔

ریحان خاموش کھڑا رہا کیونکہ اس کے پاس کہنے کے لیے شاید کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ اس نے ابا کو
کوشش کی "آپ کی طبیعت پہلے ہی کچھ ٹھیک نہیں ہے ابا...... آپ خود پر مزید بوجھ نہ ڈالیں۔ میں آیان سے
گا۔" ابا کی آواز اب بھی کانپ رہی تھی...... "نہیں...... یہ سب جانتا ہے۔ یہ صرف مجھے آزار پہنچانے کے
کرتا ہے۔ ریحان مجھے یہاں سے لے چلو۔ میں اب اس کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ آج سے میرا صرف
بیٹا ہے۔ چلو یہاں سے......" ابا تیزی سے پلٹے اور چل دیے۔ ریحان نے بے بسی سے میری جانب دیکھا اور
لڑکھڑاتے ابا کو سہارا دے کر قریب سے گزرتے ایک رکشہ کو ہاتھ دے کر روک لیا۔ ریحان ابا کو لے کر وہاں
اور میں وہیں گیٹ کے سامنے لٹا ہوا سا کھڑا رہ گیا۔ اسماعیل نے مجھے بہت سنبھالنے کی کوشش کی لیکن میرے
اور بہت دیر سے رکے آنسو میری آنکھوں سے چھلک ہی پڑے۔ ٹھیک اسی لمحے رنگا کی اوپن گیٹ سے باہر
رنگا نے مجھے روتے اور اسماعیل کو مجھے سنبھالتے دیکھ لیا۔ وہ ہڑبڑایا سا گاڑی سے باہر نکل کر میری جانب
تک میں اپنی آنکھوں کو دوسرے مسل چکا تھا "کیا ہوا شہزادے...... سب خیر تو ہے نا......" مجھ سے کچھ بولا

پکڑ کر مجھے ایک جانب لے گیا" تیرا من تو اندر سے بڑا کومل ہے ساجن...... پر یاد رکھ...... یہ دنیا رونے والے کے ساتھ نہیں، بلکہ رلانے والے کے ساتھ ہوتی ہے۔ تو کہے تو ہم ابھی تیرے بابا کے گھر چلتے ہیں۔ میں خود ہی پکڑ لوں گا ان کے...... پر تو خود کو یوں نڈھال نہ کر...... رنگا سے دیکھا نہیں جائے گا......"

میں نے رنگا کو تسلی دی کہ اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس ابا کی حالت دیکھ کر من بھر آیا تھا۔ مجھے ان کی ذات کا کوئی ملال نہیں ہے۔ سارنگا کے چہرے پر فکر کی پرچھائیاں کچھ کم ہوئیں تو اسے وہ ضروری کام یاد آیا جس کے لیے وہ گھر سے نکل رہا تھا لیکن آج خلاف معمول موسیٰ اس کے ساتھ نہیں تھا۔ رنگا کے جانے کے بعد میں بھی اسماعیل کی گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ اسماعیل نے گاڑی سٹارٹ کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھا" تم کہو تو آج کی پڑھائی رہنے دیتے ہیں۔ میں ناہید بٹیا کو جا کر پیغام دے آؤں گا۔ تم آج گھر پر ہی آرام کر لو۔"

"نہیں...... میں ٹھیک ہوں...... یہاں تنہائی میں پڑا رہا تو ضرور کچھ ہو جائے گا مجھے۔ تم شیخ صاحب کے ہاں چلو...... آج انہیں بھی اپنے ساتھ لے کر جانا ہے ہم نے......"

ہم سادات محلے پہنچے تو پھر سے گلی میں موجود لوگوں کی نظریں اس بڑی گاڑی پر جم گئیں۔ انسان ہمیشہ سے اپنے معمول کا کس قدر پابند رہا ہے کہ کوئی بھی غیر معمولی رویہ اس کے ماحول کی تمام جزئیات بدل کر اسے چونکنے پر مجبور کر ہی دیتا ہے۔ شاید ہم سب اپنے اپنے معمول کے غلام ہوتے ہیں۔

آج شیخ صاحب نے اسماعیل کو بھی اندر بیٹھک میں ہی بلا لیا مگر وہ ابھی تک کسی شدید الجھن کا شکار نظر آ رہے تھے۔ ایک طرف ان کی لاڈلی مگر غم زدہ بیوہ بیٹی کی فرمائش تھی تو دوسری جانب ان کے اپنے خدشات، کاش ناہید کو یہاں لانے میں اتنی مشکلات درپیش نہ ہوتیں تو میں خود اسے اپنی نگرانی میں روزانہ یہاں لے کر آ جایا کرتا...... کچھ ہی دیر میں اندر سے چائے کے لوازمات آ گئے تو شیخ صاحب نے مجھ سے کہا" آیان بیٹا...... شہنائی جی تم سے کوئی بات کرنا چاہتی ہیں۔ تم میرے ساتھ چل کر ذرا ان کی بات سن لو۔" میں کچھ حیرت زدہ سا ان کے ساتھ چل پڑا۔ اسماعیل سے انہوں نے دو گھڑی کے لیے معذرت چاہی کہ بس ابھی دوبارہ حاضر ہوتے ہیں۔ میرا دل پھر سے اپنی پوری قوت کے ساتھ دھڑکنے لگا تھا۔ جانے یہ اچانک بیٹھے بیٹھے اس دل کو کیا ہو جاتا تھا۔ میں آج پہلی بار شیخ صاحب کے ساتھ بیٹھک سے ملحق درمیانی کمرے میں آیا تھا جس کے دروازے کے پردے کے پیچھے کھڑے ہو کر ستارہ اور گہنا مجھ سے بات کیا کرتی تھیں۔ سادہ سا فرنیچر، کتابوں کے چند ریک اور ان سے جڑی میز کرسی یہ بتا رہی تھی کہ یہ تحریر کے پڑھنے کا کمرہ تھا۔ شاید گہنا بھی یہیں بیٹھ کر پڑھتی ہوگی۔ کمرے کے وسط میں بید کی لکڑی سے بنی چند ہلکی پھلکی کرسیاں اور میز بھی پڑی تھی۔ شیخ صاحب نے مجھے وہاں بیٹھنے کا اشارہ کر کے باہر کی جانب آواز لگائی۔" اجی سنتی ہیں...... آیان میاں آئے ہیں۔" باہر سے شہنائی جی اور ستارہ اندر کمرے میں آ گئے۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر سلام کیا اور دعا لی۔ شیخ صاحب نے مجھ سے کہا" لو میاں...... تم ان کی بات سنو...... میں اسماعیل صاحب کے پاس بیٹھتا ہوں۔ وہ تنہا بیٹھے ہیں وہاں......" شیخ صاحب کے جانے کے بعد میں نے سوالیہ نظروں سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ ستارہ کچھ الجھی سی تھی "دراصل ابا نے مجھے اجازت تو دے دی ہے لیکن وہ اندر سے بہت پریشان ہیں۔ خاص طور پر اس گھرانے کے بارے میں جان کر۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اس بات پر بھی شرمندہ ہیں کہ میری خاطر آپ نے اتنا کچھ کیا مگر اب اگر میں نے انکار کر دیا تو آپ کی کتنی دل آزاری......

شام وہ خاص طور پر ڈاک خانے گئے تھے سرکاری فون پر بات کرنے، مگر حمید بھائی نے بھی انہیں سختی سے منع ک... ستارہ کی پیشانی پر پسینے کے چند ننھے موتی سے جھلملانے لگے تھے، صاف لگ رہا تھا کہ وہ اندر سے کتنی شدید... شکار ہے۔ میں نے اس کی الجھن دور کرنے کی کوشش کی" ٹھیک ہے...... اس میں ایسی پریشانی والی بھی... نہیں...... اگر وہ مناسب نہیں سمجھتے تو آپ کو انہی کی بات ماننا چاہیے......" اتنے میں برآمدے سے آواز آئی "... کی تو بات ہے آیان صاحب...... آپ کو بھی تو ذرا ذرا سی بات پر غصہ آ جاتا ہے...... اب ہم بے چارے تو... غصے سے بھی ڈرتے ہیں ناں......" وہ شریری آواز گہنا کی ہی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ اندر آ چکی تھی۔ شہنائی جی... گھورا" گہنا...... کتنی بار کہا ہے تم سے کہ بڑوں کی باتوں میں نہیں بولا کرتے" وہ گلابی کرتے اور حلیہ... پری محسوس ہو رہی تھی۔ جانے یہ اس کے عارض کا گلال تھا جو اس کے کرتے کو گلابی کر رہا تھا یا پھر اس کی... گلابی پن تھا جس نے اس کے چہرے پر گلال بکھیر رہا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی سلام کر کے اپنی ماں کے پیچھے... ہوئی۔ چند لمحوں کے لیے میں اپنے سارے لفظ، اپنی پوری لغت ہی بھلا بیٹھا...... پھر زبردستی بات جوڑنے... میں نے کچھ بے ربط سے الفاظ منہ سے نکالے" نہیں نہیں...... ایسی تو کوئی بات نہیں...... جیسا آپ سب کو منا... وہی ٹھیک ہوگا......" مگر ستارہ اب بھی پریشان تھی......" لیکن آپ نے تو ان لوگوں سے ساری بات بھی... ہے۔ وہ لوگ برا مان جائیں گے۔"

"ان کی آپ فکر نہ کریں۔ ناہید میری چھوٹی بہن جیسی ہے۔ اسے اپنے بھائی کی کوئی بات بری... لگتی...... آپ دل پر کوئی بوجھ نہ رکھیں......" گہنا پھر بول پڑی" ارے...... چھوٹی بہن سے یاد آیا۔ ہم کل... تیسری گلی میں کسی تقریب میں گئے تھے۔ وہاں ہماری ملاقات رافعہ سے ہوئی تھی......" مجھے خوشگوار حیرت کا... "واقعی...... ؟ کمال...... یہ تو بہت خوشی کی بات ہے...... کیسی تھی وہ...... اور آپ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ رافعہ... میں جوش میں بیک وقت کئی سوال کر گیا اور پھر مجھے احساس ہوا کہ میں نے خود ہی اپنا راز کھول دیا ہے۔ شہنائی... مجھ سے گلہ کیا" آیان بیٹا تم نے گھر چھوڑ دیا اور ہمیں بتایا بھی نہیں...... وہ تو کل جب تمہاری بہن سے ستارہ... ملاقات ہوئی اور سارا واقعہ کھلا تو ہمیں پتہ چلا......؟"

شاید شیخ صاحب نے ابھی تک گھر میں ذکر نہیں کیا تھا۔ میں نے شہنائی جی کو بتایا کہ میں نے شیخ صا... ذکر کیا تھا۔ ستارہ کی آواز میں بھی گلہ تھا" آپ نے اپنے گھر والوں کو پوری بات کیوں نہیں بتائی تھی کہ آپ ا... ہونے اس جھگڑے میں ملوث ہو گئے تھے، بلکہ آپ کو چاہیے تھا کہ اپنے ابا کو ہمارے ہاں لے آتے تاکہ... آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیتے اور ہمارے ابا سے مل کر ان کی ناراضگی بھی ختم ہو جاتی، لیکن آپ نے یہ سب... والوں کو نہ بتا کر اچھا نہیں کیا۔ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، اور یہ سب کچھ ہمارے خاندان کی وجہ سے ہوا"... جلدی سے وضاحت کی" نہیں نہیں...... بات تو یہ ہے کہ ہم پہلے سے ہی ان لوگوں کو اپنے علاقے میں غنڈہ گرد... سے روکنا چاہتے تھے۔ شیخ صاحب کا قصہ درمیان میں نہ بھی آتا تو یہ سب کچھ ہونا ہی تھا۔ ان کی وجہ سے کوئی... بگڑی......" گہنا نے براہ راست مجھ سے پوچھا" لیکن آپ کو یہ سب کچھ برا نہیں لگتا...... میرا مطلب ہے... غنڈوں اور اچکوں کے لیے قانون موجود ہے۔ آپ نے ان سب کو قانون کے حوالے کرنے کی کوشش کیوں نہیں...

چاہیے ناں..... کل تقریب میں بھی سب لوگ آپ اور آپ کے دوستوں کے بارے میں بات کر رہے تھے..... سنیں..... آپ یہاں وہاں بھٹکنے کے بجائے سی ایس ایس کیوں نہیں کر لیتے.....؟.....''

میں نے حیرت سے اس نازک اندام کی طرف دیکھا جو آج پہلی مرتبہ مجھ سے اتنا کھل کر بات کر رہی تھی'' کیوں.....؟..... کیا میرے سی ایس ایس کرنے سے ملک کے تمام معاملات سدھر جائیں گے.....'' میرے جواب پر ستارہ اور شہنائی جی مسکرائیں..... گہنا نے ضد کی ''بتائیں نا..... آپ مقابلے کے امتحان میں کیوں نہیں بیٹھ جاتے.....''

''کیونکہ میری طبیعت کسی بھی سرکاری نوکری کی طرف مائل نہیں ہوتی۔ مجھے یہ افسری بھی بڑی غلامی لگتی ہے.....'' گہنا حیران ہوئی ''اچھا۔ حیرت ہے.....؟ ہمیں مجھے تو یہ سی ایس پی افسران بڑے کمال لگتے ہیں۔ سوٹ بوٹ، ٹائی شائی، نکھرے نکھرے سے، سب پر حکم چلاتے ہوئے افسر..... ویسٹ کوٹ میں تو اور بھی شاندار نظر آتے ہیں اور اگر وردی میں ہوں تو پھر تو کیا ہی بات ہے..... میں نے سوچ لیا ہے کہ میں بھی مقابلے کا امتحان پاس کر کے سی ایس پی بنوں گی پھر آپ اور ستارہ آپی آنا میرے پاس..... ان سب غنڈوں کی چھٹی نہ کر دی تو گہنا نام نہیں ہے میرا.....''

اتنے میں بیٹھک کی جانب سے شیخ صاحب کے کھانسنے کی آواز سن کر گہنا کی پھول جھڑتی زبان کو فوراً جیسے بریک سی لگ گئی۔ ستارہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ شیخ صاحب اندر داخل ہوئے۔ ''ہاں بھئی..... کیا فیصلہ ہوا.....'' ''میں نے انہیں اطمینان دلایا۔'' ''آپ نے خود کو اتنے جوکھم میں کیوں ڈالے رکھا..... آپ مجھے خود منع کر دیتے تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔ بہرحال اب اس قصے کو ختم کیجئے۔ آپ کے اطمینان میں ہی ہم سب کا اطمینان ہے۔'' شیخ صاحب نے گہری سانس لی ''سچ تو یہ ہے آیان میاں کہ ستارہ مجھ سے کہیں زیادہ پریشان تھی کیونکہ تم نے واقعی سچے دل سے اس کے لیے یہ سب کچھ کیا ہے۔'' میں نے بات ٹالنے کے لیے ادھر ادھر کی چند باتیں کیں اور شیخ صاحب سے اجازت چاہی کہ ناہید ہمارا انتظار کرتی ہوگی لہٰذا اب مجھے چلنا چاہیے۔ اچانک شیخ صاحب کے ذہن میں کوئی بات آئی ''آیان میاں..... اگر تم مناسب سمجھو تو آج میں اور ستارہ خود تمہارے ساتھ چل کر ناہید بٹیا کو اپنی مجبوری سے آگاہ کر آئیں۔ میں جانتا ہوں کہ اس کی ضرورت نہیں مگر ہم دونوں کے دل کا بوجھ بہت ہلکا ہو جائے گا کہ ہماری وجہ سے تمہیں اس شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔'' میں نے ان کا دل رکھنے کے لیے ہامی بھر لی ''ٹھیک ہے..... جیسے آپ کی مرضی۔ ناہید بہت مختلف لڑکی ہے، لیکن اگر آپ کا دل ہلکا ہوتا ہے تو آپ دونوں ضرور چلیے اسی بہانے ناہید کو بھی ایک نئی سہیلی سے ملاقات کا موقع مل جائے گا۔''

ستارہ کے چہرے پر بھی شیخ صاحب کی یہ تجویز سن کر روشنی سی آ گئی۔ کچھ ہی دیر میں ہم گھر سے نکلنے لگے تو گہنا نے اپنی اماں کے عقب سے حسب معمول شرارت کی ''آپ نے ستارہ آپی کی تو بڑے ہی جان سے مدد کر دی لیکن اگر کبھی مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہوئی تو مکر تو نہیں جائیں گے.....؟'' شیخ صاحب اندر شیروانی بدلنے گئے ہوئے تھے میں نے اسے اطمینان دلایا ''چلیں آج آپ کی امی کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ جب بھی آپ کو ضرورت ہوئی..... میں اسی طرح جی جان سے حاضر ہوں گا۔'' شہنائی جی اور ستارہ نے بڑی مشکل سے اسے گھور گھور کر چپ رہنے کے اشارے کیے، اور ہم سب گھر سے نکل پڑے۔ ناہید واقعی بڑی بے چینی سے ہمارا انتظار کر رہی تھی، اور ستارہ کو دیکھ کر تو اس کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی'' آیان بھیا..... اتنی پیاری استاد کو اتنے دن مجھ سے دور کیوں رکھا.....'' شیخ صاحب اور میں

حویلی کے در و دیوار کو دیکھتے رہے اور اس کی سجاوٹ اور نفاست کی داد دیتے رہے۔ تقریباً گھنٹے بعد ستارہ کی طرف واپسی کا پیغام آ گیا۔ ہم مردانے سے نکلے تو ناہید اور ستارہ برآمدے میں ہی کھڑی تھیں۔ ستارہ ناہید کو اپنی مجبوری بہت اچھی طرح سمجھا چکی تھی اسی لیے ناہید کے چہرے پر ملال کی کوئی پرچھائی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میری توقع کے مطابق اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا ''آیان بھیا..... یو آر گریٹ..... آپ نے مجھے اتنی اچھی دوست سے ملوا دیا..... یہ دوستی کبھی ختم نہیں ہوگی..... میں نے ستارہ آپی سے وعدہ لیا ہے کہ وہ گہنا کو بھی ضرور لے کر آئیں گی کسی دن.....''

ناہید نے بڑی محبت سے ستارہ کو رخصت کیا۔ شیخ صاحب نے بڑھ کر ناہید کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی'' خوش رہو''۔ میں اسماعیل کے ساتھ ستارہ اور شیخ صاحب کو ان کے گھر چھوڑنے کے لیے ان کی گلی میں پہنچا تو شام ڈھل چکی تھی۔ شیخ صاحب نے بہت اصرار کیا کہ ہم بھی کچھ دیر کے لیے اندر چلیں لیکن میں نے معذرت کر دی۔ کبھی کبھی دل کے بہت خلاف جا کر بھی دنیا کی ریت رواج نبھانے کے لیے کچھ فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔

ستارہ نے اترتے ہوئے دھیرے سے کہا ''آپ کا بہت شکریہ آیان..... خدا حافظ'' ہم واپس یعقوب مینشن پہنچے تو سارنگ ابھی واپس نہیں لوٹا تھا اور موسیٰ آج تنہا ہی مشق اور زور کی نگرانی کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے دور سے ہاتھ ہلایا، اور میں اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ آج نہ جانے میرا دل تنہائی کیوں ڈھونڈ رہا تھا۔ شاید وہ بھی مجھ سے آج ملی ڈھیر ساری خوشی بانٹنا چاہتا تھا۔ آج وہ تمام حجاب بالائے طاق رکھ کر مجھ سے محو گفتگو تھی۔ اس سے بڑی خوشی کی بات بھلا اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور جب ہمیں بہت زیادہ خوشی ملتی ہے تو باقی سب لوگوں سے پہلے ہمارا دل ہم سے اسے بانٹنا چاہتا ہے۔ کیونکہ بھیڑ میں تو ہم دل کی سن ہی نہیں پاتے..... دل سے باتیں تو صرف تنہائی میں ہی ہوتی ہیں۔ سو رات میں اور میرا دل بھی بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اگلی صبح میرا وجود بہت ہلکا پھلکا تھا۔ میں نے گہنا سے اپنے دل کی بات کہنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن کب اور کیسے.....؟ بس یہی طے ہونا باقی رہ گیا تھا۔ دل کے راز بہت عرصہ دل میں رہیں تو ناسور بن جاتے ہیں، اور میں نے ایسے کسی بھی ناسور کو دل میں نہ پالنے کا عہد کر لیا تھا۔

صبح ساڑھے دس بجے کے قریب اسماعیل نے مجھے بتایا کہ میرا بڑا بھائی مجھ سے ملنے کے لیے گیٹ پر آیا ہے مگر اندر آنے سے ہچکچا رہا ہے۔ میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ ''ریحان..... یہاں..... خدا خیر کرے۔'' میں تقریباً دوڑتا ہوا باہر احاطے میں نکلا۔ تب تک موسیٰ ضد کر کے ریحان کو اندر باغیچے میں لا کر سامنے پڑے صوفوں میں سے ایک پر بٹھا چکا تھا۔ میں تیزی سے ریحان کی جانب لپکا ''تم..... یہاں..... سب ٹھیک تو ہے.....''

''ہاں..... سب ٹھیک ہے..... لیکن تم سب ٹھیک رہنے کب دیتے ہو..... اماں کی طبیعت تمہاری وجہ سے کل شدید بگڑ گئی تھی..... رات بھر ہم سب ان کے سرہانے کھڑے رہے..... صبح نماز کے بعد کچھ آرام آیا تو سوئی ہیں..... ڈاکٹر بھی آیا تھا..... کہہ رہا تھا کہ ہائی بلڈ پریشر ہے.....''

میں نے ریحان سے شکوہ کیا..... ''تمہیں اماں کو یہاں نہیں لانا چاہیے تھا''..... ''میرے روکنے سے وہ بھلا کب رکنے والے تھے۔ میں ساتھ نہ بھی آتا تو وہ خود چلے آتے..... اے ایس پی نے خبر ہی ایسی دی تھی کہ ہم سب کے حواس ہی معطل ہو گئے تھے..... تم چلو یہاں سے..... میں نے یونیورسٹی کے ہاسٹل میں ایک دوست سے کمرہ لے لیا ہے چند دنوں کے لیے..... جب تک ابا کا غصہ اتر نہیں جاتا، تم وہیں رہو گے.....''

یہاں بھی انسان بستے ہیں اور وہ بھی ہماری طرح اچھے یا برے ہیں۔"

ریحان نے غور سے میری جانب دیکھا "ہاں...... وہ تو میں دیکھ ہی رہا ہوں کہ تم پر یہ جگہ کتنی اثر انداز ہو رہی ہے۔تم سیدھی طرح چلتے ہو یا میں تمہیں زبردستی کھینچ کر لے جاؤں ......" میں نے دکھ سے اپنے معصوم بھائی کی طرف دیکھا...... وہ نہیں جانتا تھا کہ کبھی کبھی وقت ہمیں کچھ اس طرح سے زمین میں گاڑ دیتا ہے کہ پھر کوئی بندھن ہمیں اپنی جگہ سے ہلا نہیں پاتا۔ میں نے اسے ٹالنے کے لیے کہا "ٹھیک ہے چلا جاؤں گا، مگر ان لوگوں کے مجھ پر بہت سے احسانات ہیں...... میں یوں منہ اٹھا کر تو نہیں چل سکتا ناں...... کچھ وقت دو مجھے......" ریحان کے چہرے پر سکون کے آثار پیدا ہوئے......" اچھا ٹھیک ہے...... مگر جلدی کرنا۔ ویسے مجھے بالے اور رجو نے ان کے بارے میں کافی کچھ بتا دیا ہے لیکن پھر بھی ہماری اور ان کی دنیا بہت الگ ہے۔ ہاں تم چاہو تو اس لڑکی کو ٹیوشن پڑھاتے رہنا......"

میں خاموشی سے ریحان کو دیکھتا رہا۔ خدا کسی کو اتنا بھولا بھالا اور سیدھا بھائی بھی نہ دے۔ اچانک میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔ جو بات میں گہنا سے پوچھنا چاہتا تھا اب وہ بات رافعہ بھی تو پوچھ سکتی تھی۔ وہ گہنا سے مل چکی تھی اور ضرور اس نے حسب عادت اسے اپنی "سب سے گہری سہیلی بھی بنا لیا ہوگا۔ میں نے ریحان کو چند منٹ انتظار کرنے کا کہا اور جلدی سے ایک کاغذ پر ساری تفصیل لکھ کر رافعہ کو سختی سے تاکید کی کہ وہ ریحان کے ہاتھ ہی جلد از جلد جواب بھجوا دے۔

میں نے خط ریحان کے حوالے کیا کہ وہ اسے چھوٹی کو دے آئے اور جیسے ہی وہ جواب دے فوراً مجھ تک واپس پہنچا دے۔ ریحان کو میرے اور چھوٹی کے یہ جاسوسی رابطے ہمیشہ سے بہت برے لگتے تھے مگر آج اس نے بنا چوں چرا کیے خط لے لیا، اور چلا گیا، لیکن میں انتظار کی سولی پر ٹنگا رہا، اور پھر ٹھیک تیسرے دن مجھے اسماعیل نے ایک لفافہ لا کر دیا "صبح سویرے تمہارا بھائی گیٹ پر دے گیا تھا۔ تم سو رہے تھے اس وقت......" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ لفافہ پکڑا۔ اس پر چھوٹی کے ہاتھ کی لکھائی نظر آ رہی تھی۔

باب 16

میری حالت اس وقت اس پیامبر جیسی تھی جو اپنے محبوب کو خط روانہ تو کر دیتا ہے مگر پھر سارا وقت یہی سوچ سوچ کر خود کو ہی تو چتا رہتا ہے کہ کاش وہ یہ سندیسہ نہ ہی بھیجتا تو اچھا تھا۔ خود ہی دل کی بات چٹھی میں لکھ بھیجتا ہے اور پھر خود ہی پشیمان ہوتا ہے کہ کاش وہ ڈاکیے کو روک لیتا۔ تو بہتر ہوتا کہ کہیں اس کا محبوب اس کے کسی لفظ سے، کسی شکوے سے آزردہ نہ ہو جائے۔ لفظ لکھے ہوں تو سب کچھ بول نہیں پاتے...... کاش وہ خود ہی جا کر اپنا مدعا بیان کرتا تو یہ ملال تو نہ رہتا۔

میں بھی رافعہ کا خط ملنے تک اسی کشمکش و پیچ کا شکار رہا۔ جانے چھوٹی میری بات ٹھیک طرح سے گہنا تک پہنچا بھی سکے گی یا نہیں...... کہیں گہنا کسی بات کا کوئی غلط مطلب نہ لے لے...... مجھے خود جا کر اس سے بات کرنی چاہیے تھی...... اس جلد بازی کا انجام کہیں برا نہ ہو۔ غرض ایسی ہزار سوچوں کے تیر میرا وجود تین دن تک چھلنی کرتے رہے جب خدا خدا کر کے تین دن بعد مجھے میری سوچوں کا جواب ملا تو میں گھنٹوں چھوٹی کا خط لیے بیٹھا اسے کھولنے سے ڈرتا رہا جیسے وہ خط نہ ہو، کسی سپیرے کی پٹاری ہو۔ جسے کھولتے ہی کوئی ناگ مجھے ڈس لے گا۔ پھر بہت دیر بعد جب میں نے وہ خط کھولا تو اس میں لکھی حقیقت کا زہر کسی زہریلی ناگن کے زہر سے زیادہ تیزی کے ساتھ میری نسوں میں پھیلتا گیا۔

میں نے اپنے خط میں چھوٹی کو لکھا تھا کہ وہ کسی طرح گہنا سے میرے بارے میں اس کی رائے پوچھ کر مجھے بتائے۔ رافعہ نے خط کے شروع میں تو مجھ سے حسب معمول خوب جھگڑا کیا تھا کہ میں اگر فوراً اب کچھ چھوڑ چھاڑ کر واپس نہ لوٹا تو وہ مجھ سے پھر کبھی نہیں بولے گی، اور مجھے کسی بڑی آپی کی طرح بہت سی نصیحتیں لکھ بھیجی تھیں کہ بڑے تو چھوٹوں پر اپنا غصہ نکالتے ہی رہتے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ چھوٹے روٹھ کر ہی بیٹھ جائیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن مجھے جن لفظوں کا شدت سے انتظار تھا وہ آخری سطے پر چھپے مگر میری تقدیر کا ستارہ سدا کے لیے ڈبو گئے۔ حالانکہ چھوٹی نے میری دل آزاری کو دھیان میں رکھتے ہوئے بہت مناسب الفاظ کا استعمال کیا تھا مگر خنجر کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو، اور اس کی دھار شکار کی اذیت کم کرنے کے لیے کتنی بھی تیز کیوں نہ کر لی جائے...... اس کا کام ہمیشہ نازک ریشوں کو چیر کر جسم کے آر پار ہو جانا ہے۔ ٹھیک میرے ساتھ بھی ویسا ہی ہوا۔

رافعہ کی تحریر پر میری نظریں پھسلتی گئیں۔ اس نے لکھا میری پہلے دن بھی گہنا سے آپ کے بارے میں بہت تفصیل

بڑی تہذیب اور رکھ رکھاؤ والے لوگ ہیں۔ گہنا کی اماں تو بھی وسی جاتی تھیں۔ ستارہ آپی بھی گہنا ہی کی طرح بہت پیار کرنے والی ہیں۔ مجھے وہاں دیکھ کر وہ بھی بہت خوش ہوئے۔ بڑی مشکل سے مجھے گہنا سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع ملا۔ مگر بھائی...... وہ کچھ اور خیالات کی لڑکی ہے۔ اس کے سپنوں کا شہزادہ کوئی غریب معمولی لڑکا نہیں بلکہ کوئی سی ایس پی آفیسر ہے۔ میں نے طریقے سے اس سے پوچھا کہ آپ کے بارے میں اس کی کیا رائے ہے تو جھٹ سے بولی کہ ایسے شخص انسان اس دور میں شاید کچھ ہی بچے ہوں مگر اسے آپ کے رہن سہن اور مصروفیات سے بہت اختلاف تھا۔ کہنے لگی کہ آپ کو ان غنڈے بدمعاشوں کا پیچھا چھوڑ کر اپنی تعلیم مکمل کرنی چاہئے۔ پھر میں نے کسی اور طریقے سے بات بدل کر اس سے اس کے مستقبل اور شادی وغیرہ کے بارے میں بات کی تو گہنا ہنستے ہوئے بولی کہ اس نے تو پہلے ہی اپنی اماں اور آپی کو خبردار کر رکھا ہے کہ کسی سی ایس پی افسر کے علاوہ کہیں ہاں نہ کریں۔

آیان بھائی جانے مجھے اس کی باتوں سے ایسا کیوں محسوس ہوا کہ وہ آپ کی دل جیسی ستارہ آپی میں بھی ہے اور شاید اسی رشتے سے وہ آپ سے چھیڑ خانی بھی کرتی رہتی ہے اور ستارہ آپی...... وہ تو آپ کی اتنی ممنون ہیں کہ بس کیا بتاؤں۔ جتنی دیر میں وہاں رہی، وہ آپ کے ہی گن گاتی رہیں اگر آپ نے خود مجھے گہنا کی مرضی معلوم نہ کرنے کا کہا ہوتا تو میں بھی ضرور کسی غلط فہمی کا شکار ہو جاتی۔ بہرحال میرے پیارے اور معصوم سے بھیا...... آپ گہنا کا خیال دل سے نکال دیں کیونکہ اس کے خوابوں کی تعبیر کچھ اور ہے......

چھوٹی نے اس کے بعد بھی کچھ لکھا تھا لیکن میری آنکھوں کی ضیا تو اتنا ہی پڑھ کر معدوم ہو چکی تھی۔ خط کے صفحے میرے ہاتھوں سے پھسل کر گرے اور کھڑکی سے اندر آتی تیز ہوا کے ساتھ کمرے میں یہاں وہاں بکھر گئے۔ بالکل اس طرح جیسے میرے خزاں رسیدہ دل کی شاخوں کے سوکھے پتے اس وقت میرے وجود کے اندر بکھرے پڑے تھے۔

تو گویا گہنا بھی مجھے ایک غنڈے اور بدمعاش سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتی تھی۔ ایک ایسا غنڈہ جو ان جانے میں اس کے گھر والوں کی کچھ مدد کر گیا تھا۔ مگر غنڈے تو سدا غنڈے ہی ہوتے ہیں۔ چاہے وہ کچھ پل کے لیے کسی کی مدد کو کیوں نہ کر جائیں۔ میرے اندر بیک وقت بہت سے چھناکے ہوئے۔ کون کہتا ہے کہ دل ٹوٹنے کی آواز نہیں آتی۔ کاش کوئی اس وقت میرے قریب ہوتا تو اسے میرے روئیں روئیں سے یہ چیخ و پکار سنائی دے جاتی۔ میں اس کے تکلف کو بھی اخلاص سمجھتا رہا جب کہ وہ تو کبھی میرے دل کی شناسا ہی نہ تھی اور پھر اس روز اس نے کھلے لفظوں میں اپنی پسند ناپسند بھی تو سب کے سامنے مجھے بتا دی تھی۔ شاید وہ یہ سب مجھی کو سنانا چاہتی تھی۔ میں پھر بھی کیوں نہ سمجھ پایا؟ اور پھر سچ ہی تو ہے۔ گلیوں بازاروں میں بھٹکتے ایک آوارہ کو کون اچھا سمجھے گا۔ جسے خود اس کے اپنے بھی دھتکار چکے ہوں اسے گھر بدر کر دیا گیا ہو اور زمانے بھر کے الزام اور بدنامی اس کے ماتھے کا تلک ہوں۔ ایسے بے گھر بنجارے کو کوئی نازنین اپنے دل کا محرم بھلا کیوں بنانے لگی۔ اچانک میرے ذہن میں ایک اور جھماکا ہوا۔ اس روز گھر سے رخصت ہوتے وقت تنویر نے گلی میں مجھے بتایا تھا کہ وہ بھی سی ایس ایس کی تیاری کر رہا ہے۔ اوہ...... اس کا مطلب وہ بھی گہنا ہی کی خاطر یہ معرکہ سر کرنا چاہتا ہے۔ یا شاید گہنا نے ہی اسے یہ مشورہ دیا ہو۔ میرے ذہن میں خیال آتے چلے گئے اور میرے دل میں پہلی بار رقابت نام کے سنپولیے نے جنم لیا۔ اس روز مجھے پہلی بار پتہ چلا کہ رقیب تصادم ہی سے دل کی شریانوں میں کتنا کڑوا زہر پھیل جاتا ہے کہ جس کا ذائقہ ہمیں اپنے پینے والے پانی میں بھی محسوس ہونے لگتا ہے۔ میں نے بھی ایک گھونٹ پی
[illegible]

تو گویا ستارہ کے نام پر وہ چھیڑ چھاڑ صرف دل لگی کی خاطر تھی، اور اس نے آخر یہ کیسے سوچ لیا کہ توجہ کا محور ستارہ ہو سکتی ہے......؟ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ میں نے اس پاکیزہ ہستی کے لیے ہمیشہ اچھا سوچا اور کسی طور اس کے دکھوں کے مداوے کی کوشش بھی کی مگر اس میں میرے کسی ذاتی غرض کو کب دخل حاصل تھا؟ اس ستا پلکوں کی نمی مٹانے کے لیے تو کچھ بھی کیا جا سکتا تھا۔ مگر گہنا نے میرے ستارہ سے اس بے غرض اور عقیدت بھ التفات کو اتنا غلط کیسے سمجھ لیا۔ دفعتہً میرے ذہن میں ایک اور شک نے سر ابھارا" کہیں خود ستارہ کو بھی تو ایسا نہیں ہوگا؟...... نہیں نہیں...... وہ ایک سمجھدار لڑکی ہے اور زمانے کے سرد و گرم سے خوب آشنا ہے۔ وہ کبھی میرے بار میں ایسا کوئی غلط اندازہ نہیں لگا سکتی...... لیکن گہنا...... آخر وہ کیوں میری نظر کا مطلب نہیں سمجھ پائی؟؟ کیا میری نظر قدر بے زبان تھی کہ وہ اپنا مفہوم بھی گہنا تک نہیں پہنچا سکی۔ کون کہتا ہے کہ نگاہوں کی زبان ہوتی ہے۔ میری بینا تو گویائی سے محروم ثابت ہوئی تھی۔ میں جتنا سوچتا گیا، اتنا ہی الجھتا چلا گیا۔ کہتے ہیں من کی گرہیں ذہن و دل بہت زیادہ الجھا جائیں تو نتیجہ جسم کو بھگتنا پڑتا ہے میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا اور شام سے پہلے ہی میرا بدن تیز میں پھنکنے لگا۔ اسماعیل کسی کام سے میرے کمرے میں آیا تو مجھے یوں آڑا ترچھا بستر پر پڑا دیکھ کر گھبرا سا گیا اور میرا ماتھا چھوتے ہی وہ باہر کی طرف لپکا۔

کچھ ہی دیر بعد علاقے کا مشہور ڈاکٹر اپنے نائب کے ساتھ میرے سرہانے موجود تھا۔ اس نے حرار تشخیص کی اور مکمل آرام تجویز کیا لیکن کیا صرف جسم کو آرام دینے سے دل کے سب درد دور ہو جاتے ہیں؟ مجھے تو یو لگ رہا تھا کہ یہ ظاہری سکون ہمارے اندر کی بے تابی کو اور بڑھا دیتا ہے۔ انسان چلتا پھرتا رہے اور دھیان کسی طر بٹا ہو تو بڑی غنیمت ہے ورنہ خالی ذہن کے ساتھ یوں کسی بند کمرے میں پڑے رہنے سے تو اندر کے طوفان اور سوا جاتے ہیں۔ آدھی رات کے قریب میں بھی اپنے اندر کی اس جنگ سے جھنجلا کر باہر صحن میں نکل آیا۔ میں نے ا جسم پر وہی بستر پڑا کھیس لپیٹ لیا تھا۔ باہر صحن کے آسمان پر میرے سارے دوست چمک رہے تھے۔ ان میں ایک چمکیلا تارہ بولا "ہم نے کہا تھا...... ہمارے سوا کسی سے دل نہ لگانا...... یہ انسان بڑے بے مروت ہوتے ہیں۔ یہ بھلا تمہاری محبت کی قدر کیا جانیں...... چلو بھول جاؤ سب...... اور پھر سے ہمارے دوست بن جاؤ......" "کاش انسا کا حافظہ ہی اس کے اختیار میں ہوتا تو شاید باقی کسی مزید اختیار کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ مگر انسان تو سدا کا" مجبور محض ہے۔ میں بھی انہی لاچاروں میں سے ایک تھا جو اس حافظے کے عذاب کے ساتھ صحن میں حوض کے قریب چبوترے پر بیٹھا خود سے لڑ رہا تھا۔

کچھ ہی دیر گزری ہوگی کہ بڑے احاطے سے صحن کی طرف آنے والے راستے پر کوئی آہٹ سی ہوئی اور کسی نے کڑکدار آواز میں پوچھا "کون ہے وہاں......" میں نے جواب دیا "آیان" آواز دینے والا اندھیری ڈیوڑھی سے نکل کر تاروں بھری روشنی میں آ گیا۔ وہ موسیٰ تھا "او نے شہزادے...... سب خیر تو ہے نا...... اسماعیل تو بتا رہا تھا کہ تجھے تیز بخار ہے پھر تو یہاں صحن میں کیا کر رہا ہے اس وقت۔" موسیٰ میری جانب چلا آیا۔

"بس اندر کمرے میں دم گھٹ رہا تھا...... اس لیے باہر کھلی ہوا میں آ کر بیٹھ گیا۔" موسیٰ نے میرا ماتھا چھوا...... "بخار تو اب بھی ہے۔ یہ کون کون سے روگ لگا رکھے ہیں تو نے اپنی جوانی کے ساتھ......؟" موسیٰ میرے قریب ہی بیٹھ گیا۔ میں نے دھیرے سے کہا" ساری زندگی ہی روگ ہے شاہ...... تم آدھی رات کو کیا کر رہے تھے یہاں......"

موسیٰ نے لمبی سانس بھری "یہاں دن سے زیادہ رات کو ہوشیار رہنا پڑتا ہے شہزادے۔۔۔ گھات لگانے کے لیے دن سے زیادہ رات مددگار ہوتی ہے۔۔۔ رات ہمیشہ دشمن کی دوست ہوتی ہے۔" میں نے چاروں طرف چھائے اندھیرے کو دیکھ کر کہا "ٹھیک کہا تم نے۔۔۔ رات سے بڑا دشمن شاید اور کوئی نہیں۔۔۔" موسیٰ نے غور سے میری جانب دیکھا۔

"سچ بتا۔۔۔ تجھے کسی سے عشق تو نہیں ہو گیا۔۔۔؟۔۔۔ تیری آنکھیں بولتی ہیں کہ تو اپنا سب کچھ ہار چکا ہے۔۔۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی "کیوں۔۔۔ کیا چاقو بازی کی طرح اس میدان کے بھی کھلاڑی رہے ہو بھی۔۔۔؟ تو بتاؤ پھر کیسا تجربہ رہا۔۔۔؟"

موسیٰ بھی مسکرا دیا "چاقو کی دھار تو پھر بھی نظر آ جاتی ہے پیارے لیکن اس بے بخت عشق کی دھار کا تو اندازہ بھی نہیں لگ پاتا انسان اور اگلے لمحے ہی زمین پر پڑا اپنے ہی خون میں تڑپ رہا ہوتا ہے۔۔۔ اسی تڑپ سے گزرنے کے بعد ہی تو چاقو اٹھایا تھا میں نے۔۔۔"

موسیٰ کی آواز نے ہی مجھے اس حقیقت سے آشنا کر دیا تھا کہ وہ بھی محبت کی اس دو دھاری تلوار سے گزر کر یہاں تک پہنچا ہے۔ میں نے ٹوہ لینے کے لیے اس سے پوچھا "اس دھار کی کسک کچھ کم ہوئی یا ابھی باقی ہے۔۔۔" موسیٰ کہیں دور خلا میں دیکھتا رہا "نہیں شہزادے۔۔۔ شروع شروع میں تو میں بھی یہی سمجھا تھا کہ شاید وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ زخم بھی بھر ہی جائیں گے مگر میں غلط تھا۔ عشق کا ناسور ہر گزرتے لمحے کے ساتھ مزید لاعلاج ہوتا جاتا ہے۔۔۔ اور ظلم تو یہ ہے کہ نہ یہ انسان کو پوری موت دیتا ہے اور نہ ہی مکمل زندگی۔۔۔ بس انسان ساری عمر برزخ میں ہی گزار دیتا ہے۔۔۔"

میں حیرت سے موسیٰ کو دیکھتا رہا۔ بظاہر اوپر سے فولاد نظر آنے والا یہ انسان اندر سے کتنا پگھل چکا تھا لیکن اب بھی دن رات جل رہا تھا۔ پھر اچانک موسیٰ جیسے ہوش میں آ گیا۔ "میری ایک بات مانے گا شہزادے۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔ بولو۔۔۔" موسیٰ نے میرا ہاتھ تھام لیا "تو اپنے گھر واپس چلا جا۔۔۔ یہ جگہ تیرے لیے نہیں بنی ہے۔ میری اور رنگا بھائی کی زندگی کا کچھ پتہ نہیں، چاروں طرف گدھ منڈلاتے پھرتے ہیں۔۔۔ ابھی وقت ہے تیری واپسی کا۔۔۔ ورنہ پھر عمر بھر کے لیے خوار ہو جائے گا۔۔۔ تیرا باپ بڑا شریف انسان ہے۔۔۔ اس کے غصے کا بہانہ بنایا کر۔۔۔"

میں نے موسیٰ کا ہاتھ تھپتھپایا "کچھ فیصلے انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتے موسیٰ بھائی۔۔۔ میرا خمیر اس گھر سے کبھی پورے اٹھایا گیا ہے۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ گھر چھوڑ کر میں نے اچھا نہیں کیا۔۔۔ لیکن وہاں رہتا بھی تو ہر روز انہیں کوئی دکھ یا تکلیف دیتا رہتا۔۔۔ تو پھر کیوں نہ ایک ہی بار یہ جھنجھٹ ختم کر دیا جائے۔۔۔ میرے ابا جو مجھ سے چاہتے ہیں وہ میں چاہ کر بھی نہیں کر پاتا۔ ان کے دکھاوے کے لیے دو چار دن ویسا بن بھی جاؤں تو پانچویں دن ضرور خود سے ہی ٹکرا جاتا ہوں۔۔۔ کاش میرے اندر خود کو تبدیل کرنے کی صلاحیت ہوتی۔۔۔"

موسیٰ میری بات سن کر سر ہلاتا رہا جیسے اسے آدھی بات سمجھ میں آئی ہو اور آدھی نہیں۔ میں نے بات کا رخ موڑنے کے لیے اس سے پوچھا "اسماعیل بتا رہا تھا کہ یہاں باقاعدہ چاقو بازی کی مشق سیکھنے کے لیے شاگردی اختیار کرنا ضروری ہے۔۔۔ کیا تم مجھے اپنی شاگردی میں لو گے۔۔۔ مجھے یہ فن سکھا دو گے۔۔۔؟" موسیٰ کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی "ہاں۔۔۔ باقاعدہ شاگرد بننا ہے تو ضروری۔۔۔ پر تم کیوں سیکھنا چاہتے ہو یہ سب۔۔۔ ہماری دنیا سے باہر اس ہنر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہاں مرنے والے اور مارنے والے دونوں کو بڑی جلدی ہوتی ہے۔ بس ایک گولی چلتی ہے چالیس پچاس روپے والی۔۔۔ اور کھیل ختم۔۔۔"

"تم نے ابھی کہا تھا کہ تم بھی کسی دوسرے درد کی دھار منانے کے لیے چاقو کی دھار کی طرف آئے تھے، تو بس یوں سمجھ لو کہ میرا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ مجھے بھی ایک زہر کی کاٹ ختم کرنے کے لیے دوسرا زہر چاہیے۔۔۔ کیا تم اس میں میرا ساتھ دو گے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ میری تربیت مکمل ہونے تک یہ بات راز میں ہی رہے تو بہتر ہے۔"

موسیٰ نے میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا "اگر ایسی بات ہے تو پھر موسیٰ حاضر ہے۔۔۔ لیکن راز رکھنے کے لیے تمہیں بڑے احاطے سے دور رہنا ہو گا۔ میں روزانہ تمہیں اس صحن میں آ کر سبق دے جایا کروں گا۔۔۔ یہاں سب میرے اپنے اعتماد کے لوگ ہوتے ہیں۔ بات باہر نہیں جائے گی۔۔۔ تم فکر نہ کرو۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ تمہاری باقاعدہ شاگردی کا اعلان بھی اب اسی وقت ہو گا جب تم اپنی تربیت مکمل کر لو گے۔۔۔ میں خود رنگا بھائی سے کہہ کر تمہاری کلائی پر دھاگا بندھواؤں گا۔۔۔"

موسیٰ میرا سر سہلا کر وہاں سے اٹھ کر چل دیا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ میں اپنے جسم کو روزانہ اس قدر تھکا دوں گا کہ اس کے ریشے ریشے سے ٹوٹنے کی الگ آواز سنائی دے تاکہ میرے ذہن کو کچھ سوچنے کا موقع ہی نہ ملے۔ حافظہ اگر خود سے مٹایا نہیں جا سکتا تو کیا ہوا۔۔۔ اس پر شدید تھکن سے ٹوٹے جسم کا غلاف تو ڈالا جا سکتا ہے۔

موسیٰ نے میری تربیت کا وقت صبح فجر کے بعد کا چنا تھا۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت آس پاس بجائے تمام چہل پہل ہوتی تھی اور دس بجے سارنگا کا دفتر کھلنے تک بمشکل ہی کوئی اس صحن کی طرف آتا تھا۔ اسماعیل پہلے ہی دن سے ہمارا راز دار تھا اور صحن کی جانب کے کارندوں اور نوکروں کو موسیٰ نے اپنی خاص زبان میں سختی سے منع کر رکھا تھا کہ کسی کو اس طرف ہوتی کارروائی کی بھنک نہیں پڑنی چاہیے۔ میں نے احتیاطاً اسماعیل کے ہاتھ ایک رقعے میں ریحان کو لکھ بھیجا تھا کہ میں چند دن تک شاید ان سے رابطہ نہ کر پاؤں اس لیے وہ پریشان نہ ہوں۔ میں نے اسے یہی بات طریقے سے ریحان کو بھی منتقل کرنے کی ہدایت کر دی تھی کہ وہ چھوٹی اور امی کو میری طرف سے اطمینان دلا دے کہ میں ٹھیک ہوں اور ابا کی شرط کے مطابق کچھ "بننے" کی کوشش میں ہوں لہٰذا وہ لوگ میری جانب سے خود کو ہلکان نہ کریں۔ ناہید کی ٹیوشن کا سلسلہ البتہ جاری رہا، لیکن میں نے ٹیوشن کا وقت بدل دیا تھا۔ اب میں مغرب کے اندھیرے میں یعقوب مینشن سے نکلتا اور رات نو بجے تک واپس لوٹ آتا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی بھی مجھے دن کی روشنی میں یہاں دیکھے۔ یا شاید میں اپنے آپ سے چھپنے کے لیے اس اندھیرے کا سہارا لے رہا تھا۔

شروع شروع میں موسیٰ نے مجھے خود میری کلائی پر قابو پانے کے طریقے کی مشق کروائی۔ کلائی کا کون سا حصہ اور کون سی رگ کب اور کس طرح خود اپنی مرضی سے حرکت میں لائی جا سکتی ہے۔۔۔ اس کی خصوصی تربیت کے بعد ہی بات آگے بڑھ سکتی تھی۔ ابتدائی چار پانچ دنوں تک تو چند منٹ کے اندر ہی میرے بازوؤں کے پٹھے کھنچنے اور تڑخنے لگتے تھے کہ میں بمشکل اپنی چیخوں کا گلا گھونٹ پاتا تھا۔ واقعی موسیٰ ایک ماہر استاد تھا اور اس نے دل و جان سے سارا اثاثہ دن بدن میری جانب منتقل کرنے کی ٹھان لی تھی۔ مشق کے بعد میری حالت کچھ اتنی ابتر ہو جاتی تھی کہ مجھے اپنی دونوں کلائیوں کے ساتھ لکڑی کی پتلی کھپچیاں باندھ کر درد پر قابو رکھنا پڑتا تھا۔ شام کے اوقات میں موسیٰ وقت نکال کر مجھے چاقو بازی کی دوسری جزئیات کے بارے میں بتاتا رہتا۔ مثلاً نظر رکھنے کا فن، قدموں کو کس توازن سے اور کس طرف جھکانا ہے، ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں چاقو منتقل کرتے وقت حریف کی کس کس حرکت کو بھانپنا ہے۔ چاقو پر کب اور کتنی مضبوط گرفت رکھنا ضروری ہے۔۔۔ وغیرہ وغیرہ غرض اب میں اور موسیٰ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے جب بھی وقت ملتا صرف ایک ہی موضوع پر بات کرتے تھے اور وہ تھا صرف اور صرف موسیٰ کا یہ فن۔ دوسرے لفظوں

اختتام پر موسیٰ نے مجھے مختلف زخموں کی اقسام کے بارے میں سبق دینا شروع کر دیا کہ کس زخم کے لیے کتنی دھار اور گہرائی کی ضرورت ہوتی ہے اور پل بھر میں ہی صرف چاقو کی پانچ سنٹی میٹر کی نوک سے مخالف کے جسم پر کتنے نقش و نگار بنائے جا سکتے ہیں۔ موسیٰ ہر بار مجھ سے یہی کہتا کہ جس کے ہاتھ میں چاقو ہو اور اگر وہ ''اصیل'' ہو تو پھر اس کی بڑی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اس فن کی حرمت کا پاس رکھے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے کہ جس سے دوسرے چاقو بازوں کی عزت پر کوئی حرف آ جائے۔

شاید وہ میری تربیت کا سولہواں دن تھا۔ موسیٰ مجھے بتا رہا تھا کہ چاقو پر ہتھیلی کا دباؤ کب اور کتنا رکھا جائے کہ جس سے مخالف کو وار سمجھنے میں دشواری ہو۔ ہم اب صحن کے احاطے میں ایک کچی جگہ پر باقاعدہ کچی مٹی اور ریت میں دائرہ ڈال کر ایک دوسرے کے مقابل آ کر وار کرتے ہوئے یہ مشق کرتے تھے۔ اچانک صحن کے بڑے دروازے پر زور کی دستک ہوئی اور موسیٰ کا وار چوک گیا۔ مجھے یوں لگا کہ میرے بائیں شانے میں انگارے سے بھر گئے ہیں۔

......●......

باب 17

دراصل غلطی موسیٰ کی نہیں تھی۔ میں خود ہی دستک کی تیز آواز سن کر کچھ ایسا چونکا کہ موسیٰ کے اشارہ کرنے کے باوجود اپنا قدم پیچھے نہ لے سکا اور چاقو کی زد میں آ گیا۔ پل بھر میں میرا سفید کرتا شانے کی جانب سے سرخ ہونا شروع ہو گیا۔ موسیٰ نے گھبرا کر دروازے کی جانب دیکھا اور اسماعیل کو اشارہ کیا کہ آنے والے کو سنبھالے جب کہ مجھے برآمدے میں لے جا کر اس نے شانے کی جانب سے میرا کرتا پھاڑ کر جلدی سے زخم کا جائزہ لیا...... ''شکر ہے زخم زیادہ گہرا نہیں ہے شہزادے...... لیکن مرہم پٹی ضروری ہے......'' کچھ ہی دیر میں حویلی کا ہی ایک نوکر جو ڈسپنسر کا کورس بھی کر چکا تھا میری مرہم پٹی کر رہا تھا۔ دروازے پر رنگا کا ہی کوئی خاص کارندہ تھا جس نے موسیٰ کو بتایا کہ باہر دروازے پر پولیس آئی ہے۔ موسیٰ معاملہ دیکھنے چلا گیا اور میں اپنے کمرے میں آ کر تکیے سے سر ٹکا کر لیٹ گیا اور جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔ شاید یہ اس مسکن دوا کا اثر تھا جو مرہم پٹی کرنے والے نے مجھے درد دور کرنے کے لیے چند گولیوں کی صورت میں دی تھی۔

میری آنکھ پھر دوپہر کو ہی کھلی جب اسماعیل میرے لیے کھانا لے کر آیا ''اب کیسی طبیعت ہے......'' میں نے اٹھ کر تکیے سے ٹیک لگا لیا ''بہتر ہوں...... معمولی زخم ہے...... بھر جائے گا......'' اسماعیل نے ہمدردی سے میری جانب دیکھا ''کیوں خود کو اتنا ہلکان کرتے ہو...... کیا شیخ صاحب کے گھر والوں سے کوئی ان بن ہو گئی ہے......؟'' مجھے حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔ اسماعیل کو میرے اندر کی خبر کیسے ہو گئی ''کیوں......؟...... تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو......؟'' اسماعیل نے کھانا چنتے ہوئے جواب دیا ''تم بہت دنوں سے ان کی طرف گئے جو نہیں...... ان کی بڑی بیٹی نے ناہید بٹیا کی طرف تمہارے لیے پیغام بھی بھجوایا تھا مگر تم پھر بھی نہیں گئے......''

دو روز پہلے ہی میں کسی وجہ سے ناہید کے ہاں نہیں جا پایا تو میں نے اسماعیل کو پیغام دینے کے لیے کہلا بھیجا تھا۔ اسی روز ناہید نے اسماعیل کو یہ بتایا تھا کہ ستارہ نے شیخ صاحب کے ذریعے پیغام بھجوایا ہے کہ وہ سب میری اتنی لمبی غیر حاضری سے بہت پریشان ہیں لہٰذا میں پیغام ملتے ہی ضرور شیخ صاحب کے ہاں ہو آؤں، لیکن میں نے اسماعیل کی سنی ان سنی کرتے ہوئے ناہید کو بھی صرف ہوں ہاں کر کے ہی ٹال دیا تھا کہ ''کچھ مصروفیت ہے وقت ملتے ہی چلا جاؤں گا'' [illegible]

مجھے غور سے دیکھتا رہا۔ "صرف یہی بات نہیں ہے بابو ۔۔۔ بات کچھ اور بھی ہے جو تم اسماعیل کو بتانا نہیں چاہتے ۔۔۔"
میں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا "اور بھلا کیا بات ہو سکتی ہے ۔۔۔ تم جانتے تو ہو کہ صبح دو گھنٹے کی یہ سخت تربیت کیسے میرا جوڑ جوڑ ہلا دیتی ہے۔ پھر دن بھر کہیں جانے کے قابل ہی کب رہتا ہے انسان ۔۔۔؟"
اسماعیل نے میرے لیے پانی جگ سے گلاس میں ڈالا "نہیں بابو ۔۔۔ جب تم شیخ صاحب کے گھر سے ہو کر آتے تھے تو تمہارے چہرے پر ایک خاص روشنی ہوتی تھی۔ ایک میٹھی سی مسکراہٹ ۔۔۔ پورے بابو لگتے تھے تب تم ۔۔۔"
مجھے ہنسی آ گئی ۔۔۔ "تو اب کیا آدھا رہ گیا ہوں ۔۔۔" اسماعیل کی آواز میں درد تھا "کاش آدھے ہی رہ جاتے ...... پر تم تو خود کو پورا ختم کرنے کے درپے ہو ۔۔۔ خود کو اتنا آزار نہ دو ۔۔۔ مر جاؤ گے ۔۔۔"
میں چپ رہا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ عشق نامی بیماری اپنے ساتھ کچھ ایسی مہریں بھی ہماری پیشانیوں پر چھاپ جاتی ہے کہ پھر سارا زمانہ انہیں ہماری جبینوں پر جگمگاتے دیکھ کر ہمارے اندر کے حال سے واقف ہو جاتا ہے۔ شاید اسی لیے یہ محبت بیماری کم اور بدنامی زیادہ کہلاتی ہے۔
شام تک دو بارہ موسیٰ بھی میرا حال احوال پوچھنے کے لیے چھوٹے صحن کی طرف چکر لگا گیا تھا۔ میں نے اس سے پولیس کے معاملے کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ بازار میں ہینڈو کی کسی سے ہاتھا پائی ہو گئی تھی اور جلدی میں چاقو غلط چل جانے کی وجہ سے مخالف کچھ زیادہ گھائل ہو گیا تھا۔ لہٰذا ہینڈو کو وہاں سے نکلنا پڑا۔ پولیس اسی کی تفتیش کے لیے یعقوب مینشن کے دروازے تک آئی تھی پر ہینڈو کی ضمانت قبل از گرفتاری کے کاغذ دیکھ کر واپس چلی گئی۔ یہ وہی ہینڈو تھا جس نے اس روز مجھے پنجہ بازی کے مقابلے میں شکست دی تھی۔ کھلے دل کا لڑکا تھا اور بعد میں جتنی بار بھی میرا اور اس کا بڑے احاطے میں آمنا سامنا ہوا اس نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ میرا حال احوال پوچھا تھا۔ درمیان میں سارنگا نے بھی ایک آدھ بار آتے جاتے مجھے ٹوکا تھا کہ آج کل میں کہاں غائب رہتا ہوں کہ میری کچھ خبر ہی نہیں ملتی۔ لیکن ہر بار میں کوئی بہانہ بنانے میں کامیاب ہو ہی جاتا تھا۔ ویسے بھی ان دنوں سارنگا اس نواب دبیر کے مسئلے میں بری طرح الجھا ہوا تھا جو کچھ روز پہلے اپنے ان جان دشمن کی کھوج لگانے میں سارنگا کی مدد لینے آیا تھا۔ اسماعیل نے مجھے بتایا کہ اب تک سارنگا کو اس معاملے میں اس لیے بھی کامیابی نہیں مل سکی تھی کیونکہ نواب دبیر کی "زمرد حویلی" کالی کے علاقے میں پڑتی تھی۔ وہی کالی دادا جسے سارنگا نے ٹکر دے کر اس سے یہ علاقہ چھینا تھا جس پر آج کل سارنگا کا راج تھا۔ میں نے اسماعیل سے کالی کے بارے میں تفصیل پوچھی تو اس نے بتایا کہ اس کے اور سارنگا کے درمیان ہمیشہ سے ہی ٹھنے کی ٹکر رہی ہے۔ دونوں میں کسی نہ کسی بات پر ٹھنی ہی رہتی ہے اور آج کل وجہ تنازعہ نواب دبیر کی زمرد حویلی ہے، کیونکہ زیرِ زمین دنیا کے اصول کے مطابق کوئی بھی دوسرے کے علاقے اور سرکار میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ لیکن سارنگا اپنے محسن ابراہیم کے بھیجے ہوئے سائل کو یوں خالی ہاتھ بھی تو نہیں لوٹا سکتا۔ لہٰذا معاملہ گھمبیر ہوتا جا رہا ہے۔
ابراہیم وہ شخص تھا جس نے سارنگا کی تب مدد کی تھی جب وہ صرف یعقوب فورمین تھا اور اپنی خون پسینے کی کمائی لوٹنے والوں سے حساب کتاب کے لیے دبئی سے واپس اپنے ملک پہنچا تھا۔ تب ابراہیم نے یعقوب کو اس وقت پناہ دی تھی جب ساری دنیا اس کے خلاف ہو چکی تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ ابراہیم جو خود بھی اس وقت اس علاقے کا نامور استاد تھا اس نے یعقوب کو اپنے وفادار بھی فراہم کیے تھے جنہوں نے یعقوب کو اس کا حق دلانے میں بھرپور مدد کی تھی۔
[illegible]

کسی کی سفارش کی تھی، تو پھر ایسے میں سارنگا اپنے محسن کے سفارش کردہ شخص کی مدد سے کیسے دست بردار ہو جا
لیے وہ دن رات نواب دبیر کے معاملے میں ہی جتا رہتا تھا اور میرے لیے سارنگا کی یہ ہمہ وقت مصروفیت بہت
ثابت ہو رہی تھی کیونکہ میں اپنی پوری توجہ اپنی تربیت پر مرکوز کر سکتا تھا۔
شام تک میرے درد کو کافی آرام آ چکا تھا لیکن اسماعیل پھر بھی ضد کر کے مجھے پٹی بدلنے کے لیے قر
تک لے گیا۔ مقصد کچھ دیر کے لیے مجھے کمرے کے گھٹن زدہ ماحول سے نکالنا بھی تھا۔ کلینک سے نکلتے نکلتے ساڑ
بج چکے تھے۔ ناہید بہت دنوں سے مجھ سے شکوہ کر رہی تھی کہ اب میں صرف پڑھائی کے وقت ہی آتا ہوں اور
ہاتھ کی چائے پیئے بغیر ہی ٹیوشن دے کر واپس بھاگنے کی کرتا ہوں۔ اس لیے میں نے سوچا کہ آج یعقوب مینشن
آتے ہیں تو ناہید کا یہ شکوہ بھی دور کر دوں۔ ویسے بھی اس کا کورس تقریباً مکمل ہو چکا تھا اور اگلے ہفتے سے اس
امتحانات بھی شروع ہونے والے تھے۔ لہٰذا یہ ٹیوشن کا سلسلہ بھی اب دو چار دن کا ہی مہمان تھا۔ لیکن شاید میں
کے ہاتھ کی چائے پینے کے لیے اس روز جو وقت چنا تھا۔ وہ میری تقدیر کے پھیرے کی طرح مجھ پر الٹا پڑنے والا
میں جب ناہید کے گھر پہنچا تو برآمدے میں ہی مجھے اندر سے کسی کے ہنسنے بولنے کی آوازیں سنائی
تھیں۔ میں سمجھا حسب معمول ہو گی پرانی جان پہچان والیاں اس سے ملنے آئی ہوں گی مگر کاش میں کمرے
ہونے سے پہلے مہمانوں کے بارے میں تصدیق کر لیتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی میرے قدم
گئے۔ سامنے ناہید کے ساتھ ستارہ اور گہنا بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک لمحے کے لیے تو میرے سارے حواس ہی معطل
اور میں نے غیر ارادی طور پر واپسی کے لیے قدم اٹھائے، مگر مجھے یوں تیزی سے پلٹتے دیکھ کر ناہید بولی۔
ارے ۔۔۔ آیان بھیا۔ واپس کہاں چل دیے ۔۔۔ یہ کوئی غیر نہیں ۔۔۔ ستارہ اور گہنا ہیں۔" تب تک ان دونوں کا چ
کی جانب تھا۔ میرا نام سن کر ان دونوں نے چونک کر مجھے پلٹ کر دیکھا۔ اب میرے پاس واپسی کا کوئی راستہ
گہنا نے شوخی سے کہا "اچھا تو یہ جناب یہاں چھپے بیٹھے ہیں اور ہم پورے شہر میں ان کی گمشدگی کے اعلان
پھرتے ہیں ...... کہاں تھے آپ اتنے دنوں ۔۔۔؟"
"بس یونہی ۔۔۔ کچھ مصروفیت تھی ۔۔۔" گہنا نے فوراً ستارہ سے شکایت کی "دیکھا آپی ۔۔۔ یہ ہم ہی
ان کی فکر میں گھلے جا رہے ہیں انہیں تو ہماری کوئی فکر نہیں ۔۔۔" ستارہ نے بھی دبے لفظوں میں مجھ سے شکوہ کیا
آپ کے لیے بہت پریشان ہیں ۔۔۔ آپ نے پھر دوبارہ ہمارے گھر کا چکر ہی نہیں لگایا ۔۔۔"
ناہید کا خیال نہ ہوتا تو شاید میری زبان سے کوئی تلخ حقیقت بیان ہو ہی جاتی کہ "مجھ جیسے برے انسا
کی گلی سے دور رہنا ہی بہتر تھا، کہیں میری بدنامی کے چھینٹے ان کے دامن پر نہ پڑ جائیں" ...... لیکن میں چپ ر
میری خاموشی کو بھانپ گئی اور پھر آخر وقت تک وہ میرے چہرے پر نہ جانے کیا کھوجتی رہی۔ گہنا البتہ ویسے ہ
اور بہانے بہانے سے مجھے چھیڑتی رہی۔ وہ آج آسمانی کرتا شلوار اور سیاہ شال میں ملبوس تھی۔ گویا آسمان نے
اوڑھ رکھی تھی۔ خیرہ کن اور نظر لگ جانے کی حد تک دل کش ۔۔۔ مگر افسوس ۔۔۔ وہ آسمان میرا نہ تھا۔
آخر ستارہ نے مجھ سے پوچھ ہی لیا "آپ کچھ چپ چپ سے ہیں آج ۔۔۔ سب ٹھیک تو ہے؟
چونک سا گیا "جی ۔۔۔ جی بالکل ۔۔۔ بالکل ٹھیک ہوں ۔۔۔ آپ بتایئے ۔۔۔ نئی کیبل کے ساتھ دل لگ گیا
[illegible]

بھول گئے کیا؟"۔

"نہیں...... انہیں کون بھول سکتا ہے......" میں گہنا کی طرف مڑا" آپ سنائیں ۔ آپ کے تو بڑے بھیا نے سی ایس ایس کی تیاری کرلی...... کب حصہ لے رہے ہیں وہ مقابلے کے امتحان میں......؟"

گہنا اپنی رو میں بولتی رہی" دیکھیں...... شاید اگلے ماہ بیٹھیں وہ تحریری امتحان کے لیے ۔۔۔تیاری تو انہوں نے واقعی بڑی زبردست کی ہے...... بس اب دعا کریں کہ وہ بہت اچھے نمبروں سے کامیاب ہو کر جلدی سے افسر لگ جائیں۔۔۔" میں نے غور سے اس کی جانب دیکھا" میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں...... اور اس کے ساتھ بھی جس کے لیے آپ مجھے دعا کرنے کا کہہ رہی ہیں۔۔۔"

کچھ دیر بیٹھنے کے بعد میں نے ناہید سے واپسی کی اجازت طلب کی" کچھ دیر تو بیٹھیں آیان بھائی ،ستارہ اور گہنا جائیں تو چلے جائیے گا۔ ان کے ابا انہیں لینے کے لیے بس آتے ہی ہوں گے......"

"نہیں مجھے اسماعیل کے ساتھ کسی ضروری کام سے جانا ہے...... وہاں مینشن میں بھی میرا انتظار ہو رہا ہوگا...... پھر ملاقات ہوگی......" میں بات ختم کر کے سلام کرتے ہوئے کمرے سے نکل آیا۔ برآمدے میں آکر میرا جی چاہا کہ ایک بار اور اسے جی بھر کے دیکھ لیتا تو کیا تھا لیکن پھر میں نے خود ہی اپنے دل کی اس معصوم سی خواہش کو بری طرح کچل ڈالا۔ یہی چھوٹی چھوٹی اور بظاہر معصوم سی خواہشیں ہمیں آس اور آرزوؤں کے گھنے جنگل میں اس پگلی سی پگڈنڈی تک لے جاتی ہیں۔ جس کا اختتام بالآخر عشق کی اس اندھی اور گہری کھائی میں ہوتا ہے جہاں گرنے کے بعد آج تک کوئی عاشق سلامت واپس نہیں آیا۔ میں برآمدے میں چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ پیچھے سے ستارہ کی ملائم آواز نے میرے قدم روک لیے "سنیے۔۔۔" میں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ وہ خود ہی قدم بڑھاتی میرے قریب چلی آئی۔ اس کا سر جھکا ہوا اور ہونٹ لرز رہے تھے۔ میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اگر ان دو بہنوں کو ایک جیسے کپڑے پہنا دیے جاتے تو شاید ان میں تمیز کرنا بہت مشکل ہو جاتا لیکن دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ یا پھر شاید ستارہ کی یہ سنجیدگی اس کی بیوگی کی دین تھی؟

اس نے حسب معمول اپنی سانس درست کرنے میں کچھ لمحے صرف کیے" آیان...... کیا آپ ہم لوگوں سے کچھ ناراض ہیں......؟ ...... شاید ہم لوگوں سے انجانے میں کوئی خطا ہو گئی ہے......؟"

میں بڑبڑا سا گیا۔ ستارہ سے ایسے کسی سوال کی توقع ہرگز نہیں کر رہا تھا" نہیں نہیں...... ایسی تو کوئی بات نہیں۔ آپ کے دل میں ایسا خیال آیا کیسے......" اس نے نظریں اٹھائیں" بس یونہی۔۔۔ آپ اتنے دن سے گھر بھی نہیں آئے...... نہ ہی اپنی کوئی خیر خبر دی......"

"بس مصروفیات ہی کچھ ایسی ہو گئی ہیں کہ یعقوب مینشن سے نکلنا ہی نہیں ہوتا، اور پھر سچ تو یہ ہے کہ میرا تعلق اب ایسی جگہ سے جڑ گیا ہے کہ جس کے نام کی کالک آپ کے آنگن سے دور ہی رہے تو بہتر ہے۔"

ستارہ نے تڑپ کر میری جانب دیکھا" آپ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ کوئی جگہ اچھی یا بری نہیں ہوتی ۔ ہم اپنے رویوں سے اسے ایسا بناتے ہیں...... آپ کا کردار کیا ہے یہ ہمارا پورا گھرانہ اچھی طرح جانتا ہے۔"

میرے منہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی نکل گیا۔۔۔ "لیکن شاید گہنا ایسا نہیں سمجھتی۔" ستارہ میری بات سن کر کچھ دیر خاموش رہی۔" میں جانتی ہوں اس دن رافعہ نے آپ کے کہنے پر ہی گہنا سے آپ کے بارے میں اس کی رائے جاننے کی کوشش کی تھی، لیکن آپ میرا یقین کریں۔ وہ ابھی بہت نادان ہے۔۔۔ اسے زندگی کی بہت سی باتوں کی

بالکل کچھ نہیں ابھی ۔ اور اس نے جو کچھ بھی کہا اس میں آپ کی جانب اس کا اشارہ ہرگز نہیں تھا۔ وہ بس بات کر رہی تھی، ہاں البتہ شاید اس کے الفاظ کا چناؤ کچھ غیر مناسب تھا۔ آپ میرا تو یقین کریں گے ناں ساری گفتگو کے دوران وہیں موجود تھی...... ساری بات میرے سامنے ہوئی تھی۔۔۔" میں چپ کر کے ستارہ ک رہا۔ گویا اسے بھی میرے حال دل کی خبر تھی۔ بس اگر کوئی نہیں جان پایا تو وہ ایک وہی تھا کہ جس کے دم فسانہ باقی تھا۔ کتنا فرق تھا دونوں بہنوں میں۔ میں نے ستارہ کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کی۔" چلیں نہیں...... ویسے بھی دل کے فیصلوں پر کس کا زور چلتا ہے...... میرا دل بھی بہل جائے گا دھیرے دھیرے گہنا کی کوئی خطا نہیں...... میں ہی اس کے لیے کچھ جذبے پالنے کا مجرم تھا، اور اس جرم کی خوب سزا م مجھے۔۔۔ اب حساب برابر ہو چکا ہے......"

ستارہ نے دکھ سے میری جانب دیکھا" یقین کریں وہ دل کی بہت اچھی ہے۔ اسے تو آپ کے کی خبر تک نہیں ہوئی۔ شاید مجھے بھی نہ پتہ چلتا اگر اس روز آپ کی بہن اور گہنا کی باتیں نہ سن لیتی۔ آیان راستہ خود بناتی ہے۔۔۔ اسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔۔۔"

"ٹھیک کہتی ہیں آپ۔۔۔ میرے ہی جذبے میں کچھ کمی ہوگی جو وہ اپنا راستہ نہیں بنا پایا...... بہرحال خود کو اتنا نہ الجھائیں...... وقت سارے زخم بھر دیتا ہے...... اور ایک وعدہ کریں مجھ سے کہ مجھ پر جو بھی بیتی کو کبھی نہیں بتائیں گی......" ستارہ دھیرے سے بولی" میں کوشش کروں گی لیکن آپ بھی وعدہ کریں کہ آپ ا ہم لوگوں کے خلاف مزید کوئی ملال نہیں رکھیں گے اور کل ہمارے گھر بھی آئیں گے۔۔۔" میں نے اس نا دل ہلکا کرنے کے لیے اس سے وعدہ کر لیا اور وہاں سے چلا آیا۔

راستے میں کچھ دیر کے لیے کیفے فراق پر رکا تو رنجا اور مشی سے بھی ملاقات ہو گئی۔ مشی دو دن پہلے سے ڈسچارج ہو کر واپس آیا تھا اور اب اس کی صحت بھی کافی بہتر لگ رہی تھی۔ دونوں بہت دیر تک مجھ سے کرتے رہے۔ بالے کو اس کے باپ نے گیراج کا سامان لانے کے لیے دوسرے شہر بھیج رکھا تھا۔ مشی نے اگلے ہفتے شاید ہمارا بی اے کا رزلٹ بھی نکل آئے۔ شکر ہے کہ میں نے اپنے شانوں پر شال ڈال رکھی تھی ور نظر کرنے کے اندر میرے شانے پر بندھی پٹی پر پڑ جاتی تو ان کے سوالات کا جواب دینا مشکل ہو جاتا۔ می کے گھر میں بھی پورا وقت خود کو اسی شال سے ڈھکے رکھا تھا۔ مرزا کی فرمائش پر میں تیسری مرتبہ چائے پی کر ا گہری ہو چکی تھی۔ یعقوب مینشن میں داخل ہوئے تو ایک عجیب سی ہل چل محسوس ہوئی۔

میں گاڑی سے اتر کر اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ موسیٰ کی آواز نے میرے قدم روک لیے شہزادے...... رنگا بھائی تین مرتبہ تیرا پوچھ چکے ہیں ۔ بڑے مہمان خانے میں وہ تیرا انتظار کر رہے آجا...... میں تجھے لینے کے لیے ہی آیا تھا۔"

میں موسیٰ کے ساتھ بڑے مہمان خانے کی طرف جاتے ہوئے یہی سوچ رہا تھا کہ آخر ایسی کون بات ہے جس کے لیے مجھے رنگا نے اس وقت خاص طور پر طلب کیا ہے۔ میں مہمان خانے کے ہال میں د میرے قدم تھم سے گئے۔ اندر سارنگا کے ساتھ کوئی اور بھی موجود تھا۔

باب 18

مجھے دروازے پر رکتے دیکھ کر سارنگا نے آواز لگائی "اندر آجا ساجن ..... یہاں بھی اپنے ہیں ....." میں اندر داخل ہوا۔ سامنے ہی نواب دبیر الملک اور پاشا صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ پاشا نے مسکرا کر سارنگا کی طرف دیکھا "آپ نے اس نوجوان کا تعارف نہیں کروایا ..... اس سے آپ کا کچھ خاص لگاؤ معلوم ہوتا ہے۔" سارنگا نے مجھے اپنے پاس بٹھا لیا "ہاں صاحب ..... کچھ ایسا ہی اپنا ہے یہ ..... پر زمانے سے ذرا خفا خفا سا رہتا ہے ....." نواب دبیر نے مسکرا کر میری طرف دیکھا "پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو میاں ....."۔

"جی ..... بی اے کا رزلٹ آنے والا ہے میرا ....." میری بات سن کر نواب صاحب کے چہرے پر ایک عجیب سی چمک لہرائی ..... "رنگا بھائی ..... یہ تو مسئلہ گھر میں ہی حل ہوتا معلوم ہو رہا ہے ..... آپ اس نوجوان کو کیوں نہیں بھیج دیتے۔ یہ تو آپ کے یہاں کا معلوم بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس پر کسی کے شک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور بہانہ بھی میرے پاس بہت معقول موجود ہے ....." میں نے حیرت سے پہلے نواب اور پھر سارنگا بھائی کی طرف دیکھا۔ سارنگا ہنس پڑا۔

"نہیں نہیں بڑے صاحب ..... یہ واقعی یہاں کا نہیں ہے ..... بس مہمان ہے کچھ دن کے لیے اپنے پاس ..... پھر اڑ جائے گا یہ پنچھی ....." یہ سن کر نواب صاحب کے چہرے پر مایوسی سی چھا گئی۔ میں نے وضاحت طلب نظروں سے سارنگا کی طرف دیکھا تو سارنگا نے مختصر لفظوں میں مجھے بتایا کہ چونکہ نواب صاحب کی زمرد حویلی کالی کے علاقے میں آتی ہے اس لیے رنگا سرکار کے لیے وہاں براہ راست دخل اندازی کی صورت میں بڑوں کی سینٹ Senate کے سامنے جواب دہی بہت مشکل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا آج شام سے وہ تینوں بیٹھے یہ مشورہ کر رہے تھے کہ اگر کوئی ایسا طریقہ ہو سکے کہ رنگا بھائی کے گروہ کا کوئی مستند شخص بھیس بدل کر کسی دوسرے روپ میں زمرد حویلی میں جا کر رہائش اختیار کرے اور در پردہ نواب کے دشمن کی کھوج لگائے تو اس طرح مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور کسی جواب دہی کی نوبت بھی نہیں آئے گی لیکن انہیں بہت سوچ بچار کے بعد بھی ایسا کوئی اڈے سے وابستہ شخص سجھائی نہیں دے رہا تھا لیکن رنگا نے مجھے تین مرتبہ شام سے اب تک کیوں یاد کیا تھا۔ میں نے دھیرے سے اس سے پوچھا تو اسے کچھ یاد آیا۔

آیا تھا۔ تجھے چوٹ تو نہیں لگی ہے کیا ....." میں نے گھبرا کر موسیٰ کی طرف دیکھا "ہاں ..... کندھے پر ہلکی سی خراش آ گئی اب ٹھیک ہوں ....."

لیکن مجھے لگا کہ جیسے سارنگا میرے جواب سے کچھ خاص مطمئن نہیں ہوا۔

میں نے اس کا دھیان بٹانے کے لئے نواب سے سوال کیا۔

"آپ کو وہ شخص اپنے ہاں کس بھیس میں درکار ہے ....." نواب نے پاشا کی طرف دیکھا "کچھ بھی کچھ جس سے وہ دشمن اُسے کچھ خاص سمجھ کر چوکنا نہ ہو سکے۔ مثلاً ہماری بیٹی نفقہ کا اتالیق ..... نفقہ کی زیادہ تر اس کی ماں کے ہاں ایران میں ہوئی ہے ..... ہم بہت دنوں سے اس کے لئے یہاں کی تہذیب اور تاریخ کا کو رکھنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں ..... بلکہ پاشا صاحب تو دو مرتبہ اخبار میں اشتہار بھی دے چکے ہیں لیکن کل وقتی بنیادوں پر یہ کام کرنا نہیں چاہتا ..... اور جز وقتی بنیاد پر ہم کسی کو رکھنا نہیں چاہتے۔ نفقہ کو اس خطے کی تہذ تاریخ سے بے حد لگاؤ ہے ....." میں نے کسی گہری سوچ میں گم رنگا کی طرف دیکھا اور دوسرا سوال کیا "اخبار میں دینے کی صورت میں یہ عمل کتنے دن میں مکمل ہو سکتا ہے ....." پاشا نے کچھ سوچ کر کہا۔ "پندرہ بیس دن تو جائیں گے ..... اور پھر تمام جزئیات طے کرنے کے بعد استاد کی زمرد حویلی میں منتقلی تک سمجھو مہینہ پورا ہو جائے گا نے موسیٰ کی طرف سوال طلب نظروں سے دیکھا۔ اس نے دھیرے سے سر ہلا کر مجھے "ہاں" کا اشارہ دیا۔ م دن رات ایک کر کے ایک مہینے کے اندر میری تربیت کا اہم حصہ مکمل کروا سکتا تھا۔ میں نے سارنگا کی طرف طلب نظروں سے دیکھا اس نے سر ہلایا

"بول کیا بولنا چاہتا ہے ....." میں نے نواب سے کہا "آپ اخبار میں اتالیق کا اشتہار دے دیں صاحب کی ذمہ داری لگا دیں کہ وہ مجھے کامیاب امیدوار چن لیں جو میں ہوں گا۔ اور پھر میں دکھاوے کے لئے کسی دوسرے شہر سے زمرد حویلی میں اتالیق کے طور پر وارد ہو جاؤں گا ....."

نواب کی آواز میں جوش تھا "لیکن ابھی تو تمہارے استاد محترم نے فرمایا کہ تم یہاں کے نہیں

"ہاں ..... لیکن یہی بات آپ کے حق میں بھی تو جاتی ہے، کیونکہ اس طرح مجھے کوئی اڈے کے آدمی کی حیثیت شناخت بھی نہیں کر پائے گا ....."

رنگا نے مسکراتے ہوئے میری پیٹھ تھپتھپائی۔ "لیکن پیارے ..... اڈے کا کوئی پرانا چاول چل پائے بڑا کٹھا اگ ہے اور وہاں سب کچھ الٹا بھی پڑ سکتا ہے۔ تجھے کچھ ہو گیا تو میں تیرے بابا کو کیا جواب دوں گا نے رنگا کو اطمینان دلایا "آپ مطمئن رہیں ..... آپ کا امتحان پاس کیے بغیر میں ان کے ہاں نہیں جاؤں گا۔ کی سرکار پر کوئی آنچ نہیں آئے گی میرے نام سے ....." سارنگا نے کچھ حیرت سے پہلے مجھے اور پھر موسیٰ کو د ہے کوئی کھچڑی پک رہی ہے چچا بھتیجے کے درمیان ..... ٹھیک ہے بھئی ..... ساتھی کو آنچ کیا ..... پر یاد رکھ ..... آ کر دکھائے گا تب ہی اجازت ملے گی تجھے ....." میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ نواب صاحب نے خوش ہو کر کہا "آپ تمام انتظامات کر لیں ..... اشتہار ایک آدھ دن میں آ جانا چاہئے ....." کچھ دیر بعد وہ لوگ اجازت لے کر رخصت ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد رنگا نے ہم سے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ کچھ توقف

صاحب کا دشمن بھی ایک ماہ تک انتظار کرے...... وہ اس تیس دنوں کے وقفے میں بھی تو کوئی جان لیوا وار کر سکتا ہے؟" رنگا نے مسکرا کر موسیٰ کی طرف دیکھا "دیکھ لیا موسیٰ...... تیرا لاڈلا بھی اب اڈے والوں کی طرح سوچنے لگا ہے...... لگتا ہے یہاں کا پانی اثر کر رہا ہے۔" موسیٰ بھی ہنس دیا۔ "نواب صاحب ایک ماہ کے لیے ایران جا رہے ہیں۔ کچھ جدی پشتی زمین داری کے مسئلے نمٹانے ہیں...... اسی لیے یہ وقفہ وہ کسی استاد کے چناؤ میں لگانا چاہتے ہیں......"

کچھ دیر بعد محفل برخاست ہو گئی اور میں اپنے کمرے میں چلا آیا۔ پھر وہی تنہائی اور پھر وہی یادوں کے آسیب...... دن تو جیسے تیسے کٹ جاتا تھا مگر یہ کم بخت رات جیسے رک سی جاتی تھی۔ آج شام جب میں نے ناہید کے پاس اسے دیکھا تھا تب سے جو اک ذرا سا آرام نصیب ہوا تھا وہ بھی شدید بے چینی میں تبدیل ہونے لگا تھا۔ ہم محبت کرنے والے بھی کتنے معصوم ہوتے ہیں۔ چار دن اپنے محبوب کو اپنی نظروں سے اوجھل رکھ کر اور اس سے کوئی بات یا رابطہ نہ کر کے یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم اسے بھلانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ صدیوں اوجھل رہنے کے بعد بھی محبوب کی پہلی جھلک ہمیں ٹھیک اسی مقام پر دھکیل دیتی ہے جہاں سے ہم نے ترک ملاقات کی ابتدا کی ہوتی ہے۔ سچ ہے کہ محبت سے کوئی فرار ممکن ہی نہیں...... شاید محبت بھی موت کا دوسرا نام ہے۔ محبت جان لیوا ہے۔

میں بھی اسی جان کنی کے عالم میں ساری رات اپنے تکیے پر سر پٹختا رہا مگر محبت کا اژدھا تیرہمارے خون میں کچھ ایسا زہر چھوڑ جاتا ہے کہ پھر نیند اور خواب جیسی نعمتیں ہمیں کم ہی نصیب ہوتی ہیں۔ صبح موسیٰ کی پہلی دستک پر ہی میں بستر سے باہر نکل آیا۔ اس نے غور سے مجھے دیکھا "لگتا ہے آج رات پھر خود سے لڑتے رہے ہو...... کبھی کبھی تو میں تجھ سے ڈر جاتا ہوں شہزادے...... اتنی آگ اپنے اندر مت جلا کہ دوسرے بھی بھسم ہو جائیں۔" اس روز سے موسیٰ نے مجھے باقاعدہ ایک ہاتھ میں رسی باندھ کر اور دوسرے ہاتھ میں چاقو دے کر مشق کروائی۔ یہ رسی ہم دونوں کی بائیں کلائی کو جکڑے رہتی اور صرف ہمارا داہنا ہاتھ ہی آزاد وہ کر وار کر سکتا تھا۔ ہم دونوں کے پاس پینترے بدلنے کے لیے بھی نہایت کم جگہ تھی کیونکہ موسیٰ نے کچی زمین پر سفید چونے سے ڈالا ہوا دائرہ بھی بہت چھوٹا کر دیا تھا۔ اس روز موسیٰ نے مشق ختم ہونے پر فراخ دلی سے میری پیٹھ تھپتھپائی۔

"شاباش...... تو واقعی مہینوں کا کام دنوں میں سیکھ رہا ہے۔ بڑی صفائی آتی جا رہی ہے تیرے ہاتھ کے اندر...... شاید یہ تیرے اندر کی اسی نار کا اثر ہے شہزادے...... ناکام محبت اگر بہت کچھ لے جاتی ہے تو بدلے میں دل جلوں کو کچھ ایسا دے بھی جاتی ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو جھونک دیں تو دنیا فتح کر سکتے ہیں......"

شاید موسیٰ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ محبت میں ناکامی ہمیں بیک وقت دو مختلف انتہاؤں کی طرف کھینچتی ہے۔ ایک انجام خود کو اور دنیا کو ترک کر دینے کی صورت میں نکلتا ہے جو انسان کو ہمیشہ کے لیے غروب کر دیتا ہے اور وہ پھر سدا کے لیے ایک عضو معطل کی طرح زندگی گزارتا ہے۔ اسے دن رات کا ہوش نہیں رہتا اور وقت اسے گزار دیتا ہے۔ جبکہ دوسری انتہا اس کے اندر کے انسان کو طلوع کر دیتی ہے۔ اس کے اندر کا غصہ اور دکھ اور جلن کی کاٹ اسے کچھ ایسا کرنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ جس سے وہ دنیا کی نظروں میں آ جائے...... چاہے بدنامی کی صورت ہی سہی پر اس کا تذکرہ کسی طور تو اس کے محبوب تک جا پہنچے۔ ایسے میں اسے کسی انجام کا خوف یا راہ میں آئی کسی بھی رکاوٹ کی جھجک اپنے مقصد سے روک نہیں پاتی۔

[illegible]

کی اور کوئی وجہ مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ میری زندگی سے جیسے ایک پل میں ہی تمام خواہشیں، سب منزلیں اور تمام ... ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے تھے۔ محبت ہمیں اپنوں سے بیگانہ اور غیروں کے معاملے میں بے حس بنا دیتی ہے۔ مگر میں اپنے مجھے بھلا کیسے بھول سکتے تھے۔ صبح نو بجے کے قریب اسماعیل نے مجھے ریحان کے آنے کی اطلاع دی۔ وہ میرے لیے امی کا پیغام لے کر آیا تھا کہ ابا آج صبح کی گاڑی سے ہمارے شہر سے چالیس کلومیٹر دور قصبے میں رہائش پذیر تایا کی مزاج پرسی کے لیے نکل چکے ہیں اور اب ان کی واپسی شام چار بجے تک ہو گی لہٰذا میں کسی بھی طرح ان سے ... آ جاؤں۔ ریحان نے مجھے دھمکی آمیز نظروں سے دیکھا "دیکھو...... اس دن میں نے تمہاری بات مانی تھی...... لیکن اگر تم نے میری بات نہ مانی تو ان سب کے سامنے تمہیں باندھ کر لے جاؤں گا۔" ریحان کے تیور اور لہجے میں پڑا ... رہا تھا کہ آج وہ واقعی بچپن کا کھیل دہرانے کے موڈ میں ہے۔ میں نے مسکرا کر اسے دیکھا "اچھا میرے ... دار...... کپڑے بدلنے کی اجازت تو ہے نا......" ریحان بھی ہنس دیا۔ میرے دل سے صدا آئی کہ کاش میرا بھائی سدا ہنستا رہے۔ "کاش اسے بھی کسی سے محبت نہ ہو"...... ریحان جب مجھے لے کر گھر میں داخل ہوا تو برآمدے میں برتنوں کی ٹرے اٹھائے گزرتی چھوٹی کے ہاتھ سے سارے برتن گر گئے۔ چند لمحے تو اسے یقین ہی نہیں آیا کہ میں ... کے سامنے صحن میں کھڑا ہوں اور پھر وہ امی کو آوازیں دیتی ہوئی میری جانب دوڑی۔ امی بھی اس کی آوازیں سن ... بڑبڑائی ہوئی سی کمرے سے نکل آئیں اور پھر کچھ ہی دیر میں سب جل تھل ہو گیا۔ یہ مائیں اور بہنیں اپنے اندر ... آنسو کہاں چھپا رکھتی ہیں۔ بڑی مشکل سے میں نے اور ریحان نے ان دونوں کو چپ کرایا، لیکن پھر بھی بات بے ... امی کی آنکھ چھلک ہی جاتی تھی۔ انہوں نے مجھے پہلا اور آخری حکم یہی صادر کیا کہ میں فوراً ابا سے معافی مانگ ... واپس آ جاؤں ورنہ وہ مجھے اپنا حق نہیں بخشیں گی...... وغیرہ وغیرہ...... ان ماؤں کے پاس بھی اپنے بچوں کو دھمکانے ... کیسے کیسے گر ہوتے ہیں، لیکن ماں کا سب سے بڑا ہتھیار تو اس کی محبت ہوتی ہے۔ میں بھی اپنی ماں کی دھمکیاں سن ... مسکاتا رہا۔ پھر بڑی مشکل سے میں نے انہیں یقین دلایا کہ میں بہت محفوظ ہاتھوں میں ہوں اور کچھ ایسا کرنا چاہتا ... کہ میری بھی ابا کے سامنے کچھ شناخت بن سکے۔ باتوں باتوں میں میں نے نواب صاحب کے ہاں نوکری کی بات ... ان کے کان میں ڈال دی۔ کیا کریں، ان ماؤں کو بہلانا بھی تو بڑا مشکل ہوتا ہے، اور میری بھولی امی بھی آخر کار بہل ... گئیں۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ اگر تین ماہ تک میں خود کو ثابت نہ کر سکا تو جیسا ابا کہیں گے، چپ کر کے وہی کروں ... گا۔ حتیٰ کہ اسسٹنٹ پروفیسری کے امتحان میں بھی پوری تیاری کر کے بیٹھ جاؤں گا۔ امی نے وہ چیز کے کھانے ... چیز میری پسند کی بنائی اور شام چار بجے سے پہلے میں بمشکل اس وعدے پر گھر سے نکل پایا کہ وہ جب بھی ریحان کو لینے کے لیے بھیجیں گی...... میں ضرور ان سے ملنے آؤں گا۔

محلے کے کیاڑ خانے میں اپنے کسی ساتھی کو نہ پا کر میں نے سکون کا سانس لیا کیونکہ میں ابا کے آنے سے پہلے جلد از جلد کالونی سے نکل جانا چاہتا تھا، اور پھر سڑک پر آ کر میرے قدم سادات محلے کی طرف اٹھ گئے۔ کل میں ... ستارہ سے وعدہ کیا تھا کہ میں ان کے گھر ضرور آؤں گا۔ کچھ وعدوں کا پاس نہ چاہتے ہوئے بھی کرنا پڑتا ہے۔ میں ... تھا کہ اس نے میری آمد کا ذکر گھر میں بھی ضرور کیا ہوا۔ سادات محلے کی چوڑی گلی میں مڑتے ہی مجھے ایک اور حیر... سامنا کرنا پڑا۔ سامنے کی دکان سے ہو تھے میں طاہرہ ستارہ اور بڑی سی کالی شال میں لپٹی گڑیا نکل رہی تھی۔ میں ...

[illegible]

پر کھڑے چند اوباش لڑکوں نے خواہ مخواہ بات بے بات زور زور سے ہنسنا اور سیٹی کی دھن پر کچھ گنگنانا شروع کر دیا۔ صاف ظاہر تھا کہ ان کا نشانہ اور مخاطب وہی دونوں تھیں۔ میں نے اتنی دور سے بھی ان دونوں کی چال میں واضح پریشانی کی لڑکھڑاہٹ اور تیزی محسوس کر لی۔ مجبوراً مجھے اوٹ سے نکل کر ان کے سامنے آنا ہی پڑا۔ "آپ لوگ یہاں...... تنہا...... شیخ صاحب کہاں ہیں......" گہنا اور ستارہ کی جیسے جان میں جان آ گئی۔ "اوہ شکر ہے...... یہ آپ ہیں...... ہم تو ڈر ہی گئے تھے......" میں نے پلٹ کر ان نوعمر لڑکوں کی طرف دیکھا۔ شوکی سے جھگڑے کے بعد یہاں کا ہر فرد میری شکل خوب اچھی طرح پہچانتا تھا۔ وہ مجھے اپنی جانب گھورتے دیکھ کر بوکھلا سے گئے اور جلد بازی میں ایک دوسرے سے ہاتھ ملا کر وہاں سے رفو چکر ہو گئے۔

میں نے ستارہ اور گہنا کو چلنے کا اشارہ کیا "لیکن آپ دونوں یہاں کیا کر رہی ہیں" ستارہ نے نقاب کے پیچھے سے گہنا کو گھورا "یہ سب اسی کی کارستانی ہے۔ میں نے گہنا کو کہا بھی تھا کہ ابا قریبی بازار تک گئے ہیں سودا سلف لانے کے لیے۔ وہ آ جائیں تو ان کے ساتھ ہی چلیں گے...... لیکن اس نے تو کسی کی بات نہ ماننے کی قسم کھا رکھی ہے" گہنا بڑی بہن کی ڈانٹ سن کر روہانسی سی ہو گئی "اچھا آپی...... اب ڈانٹیں تو نہیں...... پہلے ہی ان بدتمیزوں کی وجہ سے میرا آدھا خون خشک ہو چکا ہے......" میں انہیں ساتھ لیے ان کی گلی میں داخل ہو گیا۔ دروازے پر دستک کے چند لمحوں بعد اندر سے قدموں کی چاپ ابھری۔ گہنا نے دھیرے سے ستارہ سے کہا "لگتا ہے ابا جی واپس آ گئے ہیں......"

چند لمحوں بعد دروازہ کھلا اور اس کے بیچوں بیچ کسی کا کرخت چہرہ ابھرا۔ اس کو دیکھ کر ستارہ اور گہنا کی جان نکل سی گئی۔ وہ ریحان سے بڑی عمر کا کوئی نوجوان تھا۔ اس نے چھوٹتے ہی شدید غصے میں گہنا اور ستارہ سے پوچھا "تم دونوں اس وقت باہر کیا کر رہی ہو...... اور ابا کہاں ہیں......؟" وہ شیخ صاحب کا بیٹا حمید تھا جو اپنے آبائی مکان کی رکھوالی کے لیے سیلاب زدہ علاقے سے شاید آج ہی واپس آیا تھا۔ ستارہ اور گہنا خوف کے مارے کچھ بول ہی نہیں پائیں۔ اس نے انہیں جھاڑا "اور یہ کون ہے تم لوگوں کے ساتھ......؟" "تم لوگ تو چلو اندر...... ہم سے بعد میں بات ہو گی......" وہ دونوں تیزی سے جھجکتی گھر کے اندر چلی گئیں۔ حمید نے اب مجھے کڑی نظروں سے گھورا۔ "جی فرمائیے...... کس سے ملنا ہے آپ کو......"

"شیخ صاحب سے...... انہوں نے مجھے یاد کیا تھا...... میرا نام آیان ہے......"۔

"اچھا......؟ لیکن ابا تو اس وقت گھر پر نہیں ہیں اور آپ ستارہ اور گہنا کے ساتھ ہی آئے ہیں یا یہ صرف محض ایک اتفاق ہے......"

"نہیں...... وہ دونوں مجھے گلی کی نکڑ پر گھر کی طرف آتی ہوئی ملی تھیں...... آپ چاہیں تو اسے اتفاق بھی سمجھ سکتے ہیں......"

حمید کی آنکھوں میں اب بھی بے یقینی کی ایک لہر تیر رہی تھی۔ ایک سخت گیر بھائی کو شاید ایسا برتاؤ ہی کرنا چاہیے تھا۔ میں واپسی کے لیے پلٹا۔

"ٹھیک ہے...... شیخ صاحب آ جائیں تو انہیں میرا سلام دیجئے گا...... خدا حافظ" میرے مڑتے ہی شیخ صاحب خود مجھے لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے گلی میں داخل ہوتے نظر آئے۔ وہ مجھے اور حمید کو دروازے پر کھڑا دیکھ کر ہماری جانب لپکے۔ حمید کی آمد کی خبر انہیں بھی نہیں تھی، باپ بیٹا مل چکے تو وہ میری جانب متوجہ ہوئے۔

"ارے آیان میاں...... تم باہر کیوں کھڑے ہو...... اندر بیٹھ کر باتیں ہوں گی" میرا جی چاہا کہ ان
کہ آپ کے فرزند شاید میرے دروازے پر موجودگی سے بھی نالاں ہیں اور آپ مجھے گھر کے اندر لیے جاتے ہیں
صاحب میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اندر لے گئے اور تمام ملاقات کے دوران حمید کو میرے اب تک کے کارنامے سنا
لیکن میں چائے ختم کرتے ہی معذرت کر کے وہاں سے اٹھ گیا۔ حمید کا برتاؤ شیخ صاحب کے خاندان سے مختلف
اس کے اندر کی تلخی کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ شیخ صاحب جیسے نرم دل باپ کا بیٹا ہے۔

میں سادات محلے سے نکل رہا تھا تب مجھے پہلے دوکاندار نے سلام کیا "آیان بھیا سلام" میں نے س
جواب دیا تو سامنے ٹھیلے والے نے ہاتھ جوڑ دیے...... "اتو بھائی سلام عرض کرتا ہوں......" میں نے کچھ حیرت
دوبارہ جواب دیا تو نکڑ والے پان کے کھوکھے سے بنوازی باقاعدہ ہاتھ جوڑتا ہوا باہر نکل آیا۔ "سلام اتو بھائی
سے ایک عرض تھی......" میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب لوگ میرا نام کس طرح جانتے ہیں اور مجھے اس قدر ع
تکریم سے کیوں پکار رہے ہیں۔ پھر اچانک میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ یہ لوگ مجھے اب سارنگ کے
سے جانتے ہیں۔ میں اب صرف آیان نہیں رہا...... اس علاقے کا "بھائی" بن چکا تھا۔

باب 19

میں اپنی جگہ گم صم سا کھڑا تھا اور کچھ ہی دیر میں میرے آس پاس بازار کے دوکانداروں کا جمگھٹا اکٹھا ہو چکا تھا۔ ان میں سے ہر کوئی بس اتنا ہی چاہتا تھا کہ میں دو گھڑی اس کی دوکان پر ٹھہر جاؤں۔ ان سب کے پاس سارنگا کی سرکار میں پیش کرنے کے قابل کوئی نہ کوئی عرضی یا درخواست تھی۔ جب تک آیان احمد صرف ایک شریف النفس ہیڈ ماسٹر کا بیٹا تھا وہ ان کی نظروں سے اوجھل اور نہایت غیر اہم تھا اور آج جب اسی غریب گھرانے کے آیان کا نام سارنگا کے اڈے کے ساتھ جڑ گیا تھا تو ان سب کے لیے وہ دنیا میں سب سے اہم ہستی بن چکا تھا۔ اسی بازار میں جب میں نے شوکی کو مارا پیٹا تھا تو کوئی میری مدد کو آگے نہیں آیا تھا اور پھر جب اسی بازار میں مجھے ہاتھ جوڑ کر شوکی سے معافی مانگنی پڑی تھی تب بھی یہ سب خاموش تھے، لیکن آج مجھ سے بات کرنا ان کے لیے قابل فخر ہو چکا تھا۔ شاید ہمارے اندر کی اسی منافقت نے اس معاشرے کو اس قدر مکروہ اور قابل نفرت جگہ بنا دیا ہے۔

اس علاقے کے دوکانداروں کے لیے میرا یہ احسان ہی کافی تھا کہ اب ان سے کوئی زبردستی ہفتہ وصول نہیں کرتا تھا۔ وہ سارنگا کے ان بدنام کارندوں کے خوف سے آزاد ہو چکے تھے لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ انہیں اس خوف سے آزاد کرواتے کرواتے خود میں اپنا سب کچھ گروی رکھ چکا تھا۔ میرے ذہن میں موسیٰ کی ایک نصیحت گونجی "یاد رکھ شہزادے..... اس دنیا میں بس زور کو سلام ہے..... تو زور آور ہوگا تو لوگ تیرے آگے پلکیں بچھانے کو بھی تیار ہو جائیں گے..... اور اگر کم زور پڑ گیا تو یہ تجھے روندتے ہوئے آگے بڑھ جائیں گے....."

اور آج میں اپنے سامنے اسی "زور کو سلام" کا ایک مظاہرہ دیکھ رہا تھا۔ ابا کے خدشات اتنی جلدی حقیقت کا روپ دھار لیں گے۔ یہ میں نے نہیں سوچا تھا۔ انہیں یہی ڈر تھا کہ لوگ مجھے اڈے کی وجہ سے جانیں گے اور سلام کریں گے اور آج مجھے پورا بازار سلام کر رہا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے ان سب سے پیچھا چھڑایا کہ جس کو بھی کسی مدد کی ضرورت ہو وہ بعقوب مینشن آ جائے۔ اگر وہ حق پر ہوا تو اس کی دادرسی ضرور کی جائے گی، لیکن اس کے لیے انہیں سارنگا سے خود بات کرنی ہوگی۔"

مینشن واپس پہنچ کر بھی میں بہت دیر تک ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار رہا۔ ہم لوگ اپنے گھروں کی بند [illegible]

[illegible] ہیں، باہر کی کھلی فضا میں ان کے سامنے ہی سر کیوں جھکا دیتے ہیں۔ کیا دنیا کی سب سے بڑی طاقت واقعی "زور" کی طاقت ہوتی ہے.....؟

موسیٰ نے اسی روز سے میری تربیت کو دن کے تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا اب صبح فجر کے بعد وہ [illegible] تربیت کے علاوہ مجھے دن گیارہ سے ایک اور پھر شام چار سے سات بجے تک تربیت دی جاتی تھی۔ ناہید کے [illegible] شروع ہو چکے تھے لہٰذا اب اسے ٹیوشن کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اب میری تربیت باقی استادوں سے کچھ ڈھکی چھپی نہیں رہ گئی تھی مگر پھر بھی وہ اس رہائشی صحن کی طرف آنے سے گریز ہی کرتے تھے جہاں موسیٰ مجھے یہ سب سکھا رہا تھا۔

آخر وہ دن بھی آ گیا جب مجھے سارنگا کے سامنے امتحان کے لیے پیش کر دیا گیا۔ وہ شام کی معمول کی [illegible] کا وقت تھا جس کی نگرانی سارنگا خود کیا کرتا تھا۔ موسیٰ نے جب مجھے احاطے میں چلنے کا کہا تو میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ تربیت اور مشق اگر سب کے درمیان ہو تو انسان کو اپنے قد کاٹھ کا اندازہ بھی ہوتا رہتا ہے، کیونکہ دوسروں کا پیمانہ بھی دیکھ چکا ہوتا ہے مگر میرا مسئلہ یہ تھا کہ میرا اندازہ صرف موسیٰ کی حد تک محدود تھا۔ میں خود کو اس کی نظر میں ہی تول سکتا تھا کیونکہ اس کے علاوہ میرا آج تک کسی سے سامنا ہی نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا دوسروں کے بارے میں میرے اندازے کا پیمانہ بالکل خالی تھا۔ اب یہ خدا ہی بہتر جانتا تھا کہ میں اڈے کے معیار پر پورا بھی اترتا تھا یا پھر وہی سدا کا بے معیار تھا۔

سارنگا نے مسکرا کر مجھے دیکھا "اچھا تو موسیٰ کا پٹھا آ گیا ہے میدان میں..... بھئی واہ..... دیکھیں تجھے کندن بنایا ہے تیرے استاد نے....."

سارنگا نے میری پہلی آزمائش پنجہ بازی ہی رکھی۔ شاید وہ سب سے پہلے میری کلائی کا دم خم دیکھنا چاہتا تھا اس پرکھ کے لیے اس نے پھر اسی بینڈو کو میدان میں آنے کا حکم دیا جو مجھے پہلے بھی اس مقابلے میں شکست دے چکا تھا۔ بینڈو مسکراتے ہوئے میرے مقابل آ کر بیٹھ گیا اور اس نے اپنی کہنی تختے پر رکھ دی۔ میں نے اپنی کلائی کا تناؤ کھینچ کیا اور اپنا پنجہ بینڈو کے پنجے سے جکڑ دیا۔ کچھ لمحے تک ہم دونوں کے جڑے ہاتھ اسی مقام پر ساکت جمے رہے پھر میں نے بینڈو کی نظر میں پریشانی کی جھلک دیکھی وہ اپنی کلائی کا زور میرے پنجے پر منتقل کرنے کی کوشش میں پسینہ ہو رہا تھا۔ آج بھی ہمارے گرد اسی دن جتنی ہی بھیڑ تھی لیکن آج وہ سب دم سادھے یوں خاموش کھڑے یہ مقابلہ دیکھ رہے تھے جیسے ان میں سے کسی کی بھی سرگوشی یہ سارا طلسم توڑ دے گی۔ میں نے چند لمحے بینڈو کی جانب سے حرکت کا انتظار کیا۔ یہ اس کی اڈے پر بنی ہوئی ساکھ کو برقرار رکھنے کے لیے بھی ضروری تھا۔ پھر میں نے موسیٰ کی جانب اجازت طلب نظروں سے دیکھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا تو میں نے دوسرے ہی لمحے بینڈو کی کلائی ایک جھٹکے میں گرا دی۔ کچھ دیر تو ہجوم کے اندر مکھیوں جیسی بھنبھناہٹ ہوتی رہی اور پھر ایک چیخ و پکار مچ گئی۔ سب لپک کر مجھ کو مبارکباد دے رہے تھے اور میرے کاندھے اور بازو سہلا رہے تھے۔ سارنگا نے بینڈو کو ڈانٹا "لعنت تیرے کی حرام خور..... سانڈ کا سانڈ ہے پر اپنی تو آج کرکری کروا دی نا....." میں نے مسکرا کر بینڈو کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اسے کھینچ کر کھڑا کر دیا۔ بینڈو میرے گلے لگ گیا۔ "چل او بھائی آج بہت عرصے کے بعد ہارنے میں مزہ آیا ہے....."

سارنگا نے مجھے مسکراتے ہوئے خبردار کیا "ارا ٹھہر جا سورما..... ابھی اصل امتحان باقی ہے۔" اڈے [illegible]

کو اٹھانے کی اجازت دے دی۔ ان میں سے ایک چاقو ... یہ موسیٰ کا وہی چاقو تھا جو اس نے تمام
تربیت کے دوران استعمال کیا تھا۔ ماہروں کی بھیڑ میں سے ایک پکی عمر کا شخص سارنگا کے اشارے پر آگے بڑھا۔ میں
نے اسے اکھاڑے میں شاگردوں کو تربیت دیتے ہوئے کئی بار دیکھا تھا۔ اس کا نام اشرف تھا۔ رنگا نے اشرف کو آگے
بڑھنے کی دعوت دی مگر اس نے ریت کے مطابق اپنے سب سے مضبوط اور مستند شاگرد کو آگے بڑھا دیا۔ میں نے موسیٰ
کا چاقو اٹھا لیا اور میرے حریف نے دوسرا چاقو اپنی ہتھیلی میں تولا۔ پھر ہم دونوں نے رواج کے مطابق اپنے اپنے چاقو
سارنگا کے قدموں میں ڈال دیے۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ ہم سارنگا کو ہی اپنا سب سے بڑا استاد اور گرو مانتے ہیں۔
سارنگا نے پاس بلا کر ہم دونوں کو اپنے انداز میں شاباشی اور دعا دی۔ ہم دونوں نے چاقو اٹھا لیے اور کھلے اکھاڑے میں
آ گئے۔ کچھ دیر تک میرا حریف چاروں جانب گھوم کر مجھے نظروں ہی نظروں میں تولتا رہا۔ جبکہ میرے ذہن میں موسیٰ کا
ایک ہی جملہ گردش کر رہا تھا کہ اگر سامنے والے کی طاقت اور چال کا اندازہ نہ ہو تو اپنے دونوں پیروں پر اپنا بوجھ برقرار
رکھو اور صرف اس کی نظر پڑھتے رہو۔ میں نے بھی یہی کیا اور کھڑے کھڑے اپنے حریف کی حرکت کے ساتھ گھومتا رہا۔
میرے مقابل نے میرا دھیان بٹانے کے لیے اپنے چاقو کو تیزی سے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرنا شروع
کر دیا۔ اس کے اندر واقعی بجلی بھری ہوئی تھی لیکن میری نگاہیں اس کے ہوا میں ادھر سے ادھر منتقل ہوتے چاقو کے پھل
سے زیادہ اس کی آنکھوں کی پتلیوں پر لگی ہوئی تھیں۔ فضا میں چاقو کی دھار کی چمک سورج کی ایک کرن سے ٹکرا کر
منعکس ہو رہی تھی اور میرے لیے حریف کی چال پر نظر رکھنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ تبھی میں نے دکھاوے کی خاطر ایک پل
کے لیے اپنی آنکھیں موند لیں اور میرا حریف اسے میری بھول سمجھ کر میری جانب لپکا۔ لیکن یہ خود اس کی اپنی چوک
ثابت ہوئی مجھے ایسے ہی کسی لمحے کے ہزارویں حصے کا انتظار تھا۔ میں نے ذرا سا پہلو بدلا اور دوسرے ہی لمحے حریف کی
داہنی کلائی میرے بائیں ہاتھ کے پنجے میں جکڑی جا چکی تھی۔ اس نے بوکھلا کر ہاتھ چھڑانے کے لیے زور سے کھینچا اور
میں نے ایک دم اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ ذرا سا لڑکھڑایا اور اگلے ہی پل میرا چاقو اس کی شہ رگ کو چھو رہا تھا۔ میں نے
اس کے لڑکھڑانے کے دوران بائیں ہاتھ سے اس کے شانے کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اسے جکڑ لیا تھا اور میرے داہنے
ہاتھ میں پکڑا چاقو اب اس کی گردن پر تھا۔ میں نے حریف کو آزاد کر دیا اور مقابلہ ختم ہو گیا۔ رنگا دونوں ہاتھوں سے
تالیاں پیٹتے ہوئے جوش میں چلایا۔ "واہ سائیں ۔۔۔ موسیٰ کی جوانی یاد دلا دی۔" موسیٰ نے آگے بڑھ کر میرا ماتھا
چوم لیا۔ میں نے اڈے کے سب سے مشاق چاقو باز کو بہت کم وقت میں مات دے دی تھی۔

رنگا نے اشرف استاد کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ اشرف استاد چاقو تھامے زمین پر لگے چونے کے دائرے
میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ ہم دونوں کے بائیں ہاتھ کی کلائی کو رسی سے باندھ دیا گیا اور صرف داہنے ہاتھ کو آزاد رہنے دیا گیا۔
اب ہم میں سے جس کا قدم بھی دائرے سے باہر نکل جاتا وہ مقابلہ ہار جاتا۔ اشرف استاد اڈے کے پرانے استادوں
میں سے ایک تھا، اور اس کی یہاں بڑی دھاک تھی۔ ہم دونوں کچھ دیر تک نظروں نظروں میں ایک دوسرے کو تولتے
رہے اور پھر اشرف نے جھانسہ دینے کے لیے اپنا چاقو ہوا میں اچھالا۔ ٹھیک اسی لمحے اس نے رسی کو ایک زوردار جھٹکا دیا
اور اگر میری نظر ہوا میں اچھلے چاقو کی طرف ہوتی تو میں ضرور اوندھے منہ دائرے سے باہر جا گرتا مگر میں نے چاقو کی
طرف دیکھنے کی غلطی نہیں کی۔ اشرف نے دوسرے ہی لمحے بازی گروں جیسی پھرتی کے ساتھ اپنا ہوا میں اچھالا چاقو پھر
سے پکڑ لیا اور میرے سے مجھے داد دی "شاباش جوان ۔۔۔ یونہی ڈٹے رہنا۔" میں نے دائیں ہاتھ سے ہی چاقو

... اچھال کر ... اپنی ...
فاصلہ کم کرتے ہوئے چاقو کی نوک سے اشرف کے بازو پر وار کیا لیکن یہ دھیان رکھا کہ میرے چاقو کی نوک ا...
بازو کے گوشت کو چھونے پائے اور صرف اس کے کرتے کو ہی گزند پہنچے۔ میرا اندازہ ٹھیک رہا اور اشرف کے با...
کٹ کر ایک جانب کو جھول گیا۔ مجمعے میں ایک تیز سی تحیر آمیز سرگوشی ابھری ۔ میرا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ میں ...
ڈھیلی کرتے ہوئے خود ہی دائرے سے باہر قدم رکھ دیا۔ میں نے اشرف استاد کے آگے اپنی ہار خود تسلیم کر لی تھی
... ہی کو سانپ سونگھ گیا اور پھر سب سے پہلے اشرف استاد نے ہی اپنا چاقو پھینک کر مجھے گلے لگا لیا۔ فضا سیٹیوں، تا...
نعروں کے شور سے گونج اٹھی۔ میں نے خود کو ایک استاد کے سامنے مقابلے کے لیے پیش تو کر دیا تھا کہ یہ موسیٰ ک...
کا سوال تھا مگر موسیٰ کے دیے ہوئے فن کی ایک جھلک دکھا کر میں نے خود کو مقابلے سے دست بردار کر کے اس ا...
سالوں کی محنت کا مان بھی رکھ لیا تھا۔

موسیٰ نے مجھے دونوں بازوؤں میں اوپر اٹھا لیا۔ "تو نے آج موسیٰ کو خرید لیا ہے شہزادے ۔۔۔ بیچارہ ...
سارنگا نے قریب آ کر اپنے دونوں ہاتھ میرے شانوں پر رکھ دیے۔ "مار ڈالا بجان ۔۔۔ رنگا کو مار ڈالا ...
نے ۔ ہر ریت رواج بجلی کی طرح سیکھ کر اترا ہے آج تو میدان میں ۔۔۔" رنگا نے آگے بڑھ کر موسیٰ کو بیٹے سے ...
اس کے ہاتھ کی پشت پر ایک بوسہ دیا "تیرے ہاتھ میں آج بھی جادو ہے موسیٰ" موسیٰ نے عقیدت سے رنگا کے ...
کو اپنی آنکھوں پر لگایا۔ "سب آپ سے ہی سیکھا ہے مالک ۔۔۔"

سارنگا نے اپنی سونے کی چین گلے سے اتاری اور میرے گلے میں ڈال دی۔ ہجوم نے خوشی سے ...
لگائے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سارنگا نے مجھے اپنے اڈے کا مستند اور ماہر تسلیم کر لیا اور اسی خوشی میں اس رات سا...
طرف علاقے کے تمام استادوں، اپنے اکھاڑے کے تمام شاگردوں اور اردگرد کے سارے اڈے کے لوگوں کو را...
بڑے کھانے کی دعوت دی گئی، اور اسی رات مجھے پتہ چلا کہ آس پاس کے تمام بڑے لیڈر اور سیاستدان بھی ...
طرف سے دی گئی اس دعوت میں شریک تھے۔ طاقت کی اس شطرنج پر بچھے تمام مہرے آج اس محفل میں موجو...
آج مجھے سارنگا کی اصل طاقت کا راز بھی پتہ چل گیا تھا "سیاست" سیاست دان رنگا کی طاقت کا سہارا لے کر ...
تھے اور لوگوں پر راج کرتے تھے، لیکن ان کا یہ راج رنگا کی طاقت کا مرہون منت تھا۔

اس رات رنگا نے میرا تعارف ایسے لوگوں سے بھی کروایا جن سے ہیڈ ماسٹر توقیر احمد کے بیٹے ...
حیثیت سے ملنے کے لیے شاید ایک جنم بھر کا انتظار بھی کافی نہ ہوتا۔ لیکن آج وہ لوگ خود آگے بڑھ بڑھ کر مجھ سے مل ...
تھے۔ فلم، ٹی وی، سیاست، تجارت، ثقافت ۔۔۔ غرض کون سا شعبہ تھا جس کے لوگ اس دعوت میں شریک نہیں تھے ...
کی روشنی میں یہ لوگ اڈے اور اس سے وابستہ لوگوں کو برا بھلا کہتے تھے اور حکومت سے مطالبے کرتے تھے کہ ش...
امن و امان کو قائم رکھنے کے لیے ایسے زیر زمین اڈوں کا خاتمہ کیا جائے، لیکن رات کے اندھیرے میں یہ لوگ ا...
زمین سرکار سے اپنی وابستگی ظاہر کرنے کے لیے چہروں پر مسکراہٹ سجائے۔ اس محفل میں چلے آ رہے تھے۔ میں ...
دعوت میں بعض پولیس افسران کو بھی دیکھا جو سادہ لباس میں خوش گپیاں کر رہے تھے۔ اس رات نہ جانے کیوں مج...
اور اس کے ساتھیوں کا قد ان سب بونوں کے مقابلے میں بہت اونچا لگا۔ کم سے کم وہ ان سب کی طرح منافق ن...
تھے۔ وہ جو تھے سب کے سامنے تھے۔ برے تھے یا بھلے تھے مگر سچے تھے۔ چھپ کر وار نہیں کرتے تھے۔ کھلے ...

میں بھی باقی بھیڑ کو چھوڑ کر صرف موسیٰ کے آس پاس ہی موجود رہا۔ اچانک مجھے ایک گوشے میں شوکی اپنے دوستوں کے ساتھ دبکا سا کھڑا نظر آیا۔ میں ایک دم ہی اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تو کچھ پل کے لیے مجھے دیکھ کر وہ بالکل ہی ہکا بکا سا رہ گیا۔ یقیناً اسے بھی دیگر اڈے والوں کی طرح دعوت پر بلوایا گیا ہوگا مگر شاید وہ میری وجہ سے سب کے سامنے آنے سے کترا رہا تھا۔ میری زندگی کا رخ بدلنے میں اس لڑکے کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ میں گھر سے بے گھر ہوا اور آج آیان احمد سے الو بھائی بن چکا تھا۔ سارنگا کے خاص آدمی کی حیثیت سے شوکی جیسے سینکڑوں کارکن آج کے بعد میرے ایک اشارے کے منتظر ہوں گے لیکن شاید یہی میری تقدیر تھی۔ شوکی تو اس بے رحم تقدیر کا ایک کمزور سا مہرہ تھا۔ مجھے شوکی کے سامنے کھڑے اور سینہ تانے دیکھ کر آس پاس اڈے کے لوگوں میں بے چینی سی پھیل گئی۔ شاید وہ اتنی بڑی محفل میں میری جانب سے کسی بدمزگی کے خیال سے سراسیمہ ہو گئے تھے۔

موسیٰ جو مجھ سے کچھ فاصلے پر تھا اس نے بھی پہلو بدلا۔ کچھ دیر تک میں شوکی کی آنکھوں میں دیکھتا رہا اور وہ سر جھکائے آنکھیں چراتا رہا۔ پھر میں نے اپنا دایاں ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ شوکی کو کچھ دیر تک تو میرا دوستی کے لیے بڑھایا ہوا ہاتھ دیکھ کر یقین نہیں آیا۔ پھر اس کی آنکھیں بھر آئیں اور اس نے مضبوطی سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ سب کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے شوکی سے پوچھا "اب تو رنگا بھائی کے نام پر بھتا اکٹھا نہیں کرتے؟" اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا "نہیں الو بھائی...... میرے بزرگوں کی بھی توبہ......" میں، شوکی اور اس کے دوست بھی ہنس پڑے۔

رات گزری تو صبح میں نے رنگا سے زمرد حویلی جانے کی اجازت مانگ لی۔ "میں نے آپ کی شرط پوری کر دی۔ اب مجھے بھی آپ کے لیے کچھ کرنے کی اجازت دے دیں...... میرے لیے تو آپ لوگوں نے بہت کچھ کر لیا...... میں نواب کے دشمن کو پکڑ کر آپ کے محسن ابراہیم کا کچھ قرض اتارنا چاہتا ہوں......"

سارنگا نے غور سے میری جانب دیکھا۔ موسیٰ بھی اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ "کبھی کبھی تو تو اپنا ہی کوئی جنم جایا لگتا ہے...... ٹھیک ہے۔ جا چلا جا زمرد حویلی...... تیرا رب راکھا......"

باب 20

میں اس وقت اپنے شہر سے پینتیس 35 کلومیٹر دور مضافات میں واقع اس چھوٹے سے ویران
اسٹیشن پر کھڑا تھا جہاں سے مجھے کمال پاشا لینے آیا تھا۔ زمرد حویلی ہمارے شہر کی حدود سے باہر لیکن ایک ہی ضلع
میں آتی تھی۔ میرا حلیہ اس وقت کسی یونیورسٹی سے تازہ تازہ ماسٹر کر کے نکلے اتالیق جیسا ہی تھا۔ سادہ سا کر
کرتے کے اوپر کالی واسکٹ اور واسکٹ کے جیب میں لگے چند پین...... ہاتھ میں فلسفے کی ایک مشہور کتاب او
کیس میں تاریخ اور سوشیالوجی کی بہت سی کتابیں...... میں پاشا صاحب کے دیے گئے اشتہار کی تمام شرائط پوری
کے بعد اور زمرد حویلی کے بوڑھے منیجر کے ذریعے لیے گئے انٹرویو میں پاس ہونے کے بعد باقاعدہ نوکری
یہاں پہنچا تھا۔

اوائل دسمبر کی خنک ہوا دھیرے دھیرے میرے وجود کے ریشوں کو کاٹنے لگی تھی۔ گاڑی کو مجھے ا
اتارے اور پلیٹ فارم پر چھوڑے آدھے گھنٹے سے زیادہ ہو چکا تھا، لیکن نواب صاحب کے ہاں سے ابھی تک کو
لینے کے لیے اسٹیشن نہیں پہنچا تھا۔ اسٹیشن کے آس پاس دور دور تک کھیت پھیلے ہوئے تھے اور مغرب کی جانب وا
پہاڑی کی چوٹی پر سورج کی سنہری کرنوں کا تاج سا بنا ہوا تھا۔ سورج ڈوبتے وقت کتنا مہربان ہو جاتا ہے۔
غروب ہوتی ہوئی شے اپنے کیے کی تلافی کرنا چاہتی ہے۔ اس رویے کی تلافی جو اس نے طلوع ہونے کے بع
عروج کے دور میں روا رکھا ہے۔ کافی دیر کھڑے رہنے کے بعد جب میری گرم سانس باقاعدہ بھاپ بن کر دھ
کے دھوئیں میں مدغم ہونے لگی تو میں نے پلیٹ فارم پر نصب ویسٹرن ریلوے (WR) کی مہر والے اور عام سائز
گئے مٹیالے پیلے رنگ کے بنچ پر اپنا سوٹ کیس رکھ کر اسی سے ٹیک لگا لیا۔

اور پھر کچھ دیر بعد میں نے دور اسٹیشن کی طرف پگڈنڈی پر سنہری دھول اڑتے ہوئے دیکھی۔ پرا
کی ایک رولز رائس کار جو اب ہمارے ملک میں چند گنے چنے نوابوں کے پاس ہی رہ گئی تھی۔ اپنے باوردی ڈرائ
ساتھ دوڑتی چلی آ رہی تھی۔ پیچھے کمال پاشا صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ گاڑی تیزی سے موڑ کاٹ کر اسٹیشن کے
دروازے کے قریب رک گئی۔ میں نے اپنا سامان اٹھا لیا۔ پاشا صاحب نے آتے ہی معذرت کی۔ معا
میاں...... یہاں ریلوے کراسنگ پر پھاٹک نہیں ہے اور ٹرین بھی عین اسی وقت وہیں کھیتوں میں سے گزرتی کر

پہ ... ہوتی۔ ... اونچے اسٹیشن سے نظارہ بہت خوب دیکھنے کو ملتا ہے۔ میں اور نواب صاحب تو جب
بھی کچھ فارغ ہوں۔۔۔ چائے بنوا کر یہیں چلے آتے ہیں۔ بڑا سکون ملتا ہے یہاں۔"

میں نے اپنا سامان اٹھایا اور ان کے ساتھ چل پڑا۔ انہوں نے ڈرائیور کو مدد کرنے کا اشارہ کیا مگر میں نے اسے روک دیا۔ یہ اسٹیشن شہر کے باہر مضافات میں ہونے کے باوجود شہر سے اس قدر قریب تھا کہ یہاں شاذ و نادر ہی کوئی ٹرین سے آتا ہوگا۔ کیونکہ سڑک کا راستہ آدھا تھا اور وقت کی بچت کے ساتھ سہولت بھی موجود تھی مگر میں منصوبے کے مطابق جان بوجھ کر ٹرین سے یہاں اترا تھا کیونکہ ہمیں حویلی والوں پر ظاہر کرنا مقصود تھا کہ میں کسی دور پار کے شہر سے یہاں آیا ہوں اور ہمارا پہلا گواہ بھی ڈرائیور تھا جو پاشا کے ساتھ مجھے لینے کے لیے اسٹیشن آیا تھا۔ پاشا صاحب نے راستے میں اسے سنانے کے لیے میرے اس فرضی شہر اور وہاں کے موسم کے بارے میں چند سوالات بھی کیے۔ کچھ ہی دیر میں ہم اسٹیشن کی پگڈنڈی سے ہوتے ہوئے پکی سڑک پر آگئے اور یہ سڑک ہمیں سیدھی زمرد حویلی کے دروازے تک لے گئی۔ واقعی سارنگا نے ٹھیک کہا تھا۔ حویلی کیا تھی پورا محل تھا۔ جس کے سبز سنگِ مرمر کے دالانوں اور ستونوں میں کچھ ایسی پچی کاری کی گئی تھی کہ دور سے وہ پورا محل ہی زمرد کا بنا ہوا لگتا تھا۔ مرکزی دروازے سے ایک سفید سنگِ مرمر کی سڑک سیدھی کار پورچ تک جاتی تھی اور سفید سڑک کے دونوں طرف سرو کے درختوں کی قطار موجود تھی۔ جس سے پرے دونوں اطراف گھاس کے بڑے بڑے میدان تھے جن میں جابجا پھولوں کی کیاریاں، پانی کے فوارے اور چھوٹی چھوٹی ندیاں اور بیٹھنے کے لیے مناسب فاصلوں پر بنی راہداریوں میں سنگِ مرمر کے بڑے بڑے خوبصورت تخت نما سلیب رکھے ہوئے تھے۔ طرزِ تعمیر کی پہلی جھلک ہی مغلوں کے ہاتھ کی گواہی دے رہی تھی۔ مغل ہمارے خطے میں کیسے کیسے شاہکار بنا گئے۔ کاش تاج محل بھی ہماری طرف ہوتا۔ میں ایسی ہی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ کار حویلی کے پورچ میں جا کر رک گئی۔ ستونوں کی لمبائی اتنی اونچی تھی کہ پورچ میں ہی تین منزلیں ڈالی جا سکتی تھیں۔ کہتے ہیں ستون اور چھت کی اونچائی قوم کے ظرف کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ گویا یہ حویلی بھی کسی اعلیٰ ظرف کے تخیل کا کارنامہ تھی۔

ہم پورچ سے مرکزی ہال میں داخل ہوئے تو ایک بار پھر سے کسی مغل شہزادے کے محل کا تصور تازہ ہو گیا۔ آج تک میں نے ایسے وسیع دربار نما ہال اور اونچی بالکنیاں صرف تاریخی فلموں میں ہی دیکھی تھیں۔ جھروکے، ریشمی لہلہاتے پردے، مردان خانے، زنان خانے، دیوان خاص و عام، راہداریاں، روشیں اور غلام گردشیں۔۔۔ سبھی کچھ تو موجود تھا اس محل میں۔ کچھ ہی دیر میں نواب صاحب بھی پہنچ گئے اور بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ملے۔ یہ مردان خانے کا حصہ تھا جس میں ہم ابھی موجود تھے۔ بیگمات کے لیے زنان خانہ مخصوص تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ شہر کی تیز اور بھاگ دوڑ والی زندگی کو ایک دم ہی جیسے بریک سی لگ گئی ہو۔ جیسے کسی ماڈرن سائنس فکشن فلم کے دوران اچانک ہی چالیس یا پچاس کی دہائی کی کوئی ریل جڑ گئی ہو۔ یہاں وقت بھی کتنی آہستگی سے گزر رہا تھا۔ میں نے اوپر لگے گھڑیال پر نظر ڈالی۔ ابھی مجھے یہاں پہنچے صرف ایک گھنٹہ ہی ہوا تھا لیکن مجھے یوں لگ رہا تھا کہ پورا مہینہ بیت گیا ہے۔

کچھ ہی دیر میں نوکروں نے کھانا لگنے کی اطلاع دی اور ہم سب مرکزی ہال میں متصل کھانے کے کمرے میں آگئے جو بذاتِ خود ایک درمیانے ناپ کا ہال ہی تھا۔ کھانے کی میز کافی طویل اور خوان بے شمار تھے۔ کھانے پر نواب کی پہلی بیوی سے ان کے دونوں بیٹے بھی موجود تھے۔ بڑے کا نام وقار اور چھوٹے کا نام سجاد تھا۔ دونوں کے نام کے ساتھ الملک کا لاحقہ بھی جڑا ہوا تھا۔ وقار الملک اور سجاد الملک۔ لیکن شاید دونوں ہی اس قدیم خاندانی مہرے سے بے زار تھے لہذا تعارف کرواتے وقت انہوں نے صرف وقار اور سجاد ہی کہا۔ لاحقہ لگانے کا فریضہ خود نواب، وقار الملک ادا کر... دونوں بھائی ایک دوسرے سے کچھ اکھڑے اکھڑے اور بے زار نظر آئے۔ بڑے والے نے تو درپردہ باپ کو... بھی جتا دیا کہ وہ نہیں سمجھتے کہ ان کی سوتیلی بہن کے لیے ایسے کسی استاد یا اتالیق کی ضرورت بھی تھی۔ اس... بیٹھ یہاں رہنا ہے۔۔۔ جہاں بیاہ کر جائے گی وہاں خود ہی سب باتوں سے آشنا ہو جائے گی۔ لیکن نواب صاح... سنی ان سنی کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ اب میری رہائش یعنی مردان خانے کے مہمان کے طور پر ہوگی اور انہ... حویلی کے پرانے خادم اور منیجر رحیم کو مہمان خانہ کھولنے اور میری تمام ضرورتوں کا خیال رکھنے کی ہدایت کر دی۔ خانساماں اعظم (Chef) شیف عرف حسن بھی ایک ایسا کردار تھا جس کا آگے چل کر مجھ سے کچھ زیادہ واسطہ پڑ... تھا، کیونکہ میرے کھانے پینے کی ذمہ داری اس کے سر پر ڈالی گئی۔ زمرد حویلی کے اصول کے مطابق رات کے کھا... سب کو مردان خانے کی کھانے کی میز پر اکٹھا ہونا پڑتا تھا۔ صبح کا ناشتہ اور دوپہر کا کھانا البتہ نواب صاحب زنان... میں اپنی ایرانی بیگم اور بیٹی لعبہ کے ساتھ کرتے تھے۔ یہ ساری تفصیلات مجھے وقفے وقفے سے پاشا صاحب کی ز... رہی تھیں۔ وہ خود بھی نواب صاحب کے خاص مہمان کی حیثیت سے مردان خانے میں ہی مقیم تھے، مگر ان کا کمر... منزل پر تھا۔ کھانے کے دوران ہی مجھے نواب صاحب کے محافظ خاص نواز علی سے ملنے کا اتفاق بھی ہوا۔۔۔۔۔ وہ ... مجھے نواب صاحب کے آس پاس ہی بھٹکتا دکھائی دیا۔ حتیٰ کہ کھانے کے دوران بھی میں نے اسے باہر کی راہدا... ٹہلتے اور آس پاس کھانا لاتے لے جاتے نوکروں پر کڑی نظر رکھتے ہوئے دیکھا۔ میرے دل میں ایک اور کھٹکا... کہ کہیں نواب کے دونوں بیٹوں میں سے کوئی مجھ سے تاریخ یا تہذیب و ثقافت کے مضمون کی کسی ڈگری کے بار... نہ پوچھ لے یا اس بارے میں میری قابلیت جانچنے کے لیے کوئی سوال نہ کر بیٹھے۔

ان دونوں کو اپنے آپ سے اپنے اپنے روزانہ کے خرچ اور ضرورتوں پر بحث کرنے سے ہی فرصت ... تھا، میرے مضمون کی طرف ان کا دھیان کم ہی گیا۔ میں گزشتہ ایک مہینے سے یعقوب مینشن میں چار گھنٹے روزا... مضامین کی دو مستند استادوں سے ٹیوشن لیتا رہا تھا کیونکہ مجھے انہی مضامین کے بھیس میں زمرد حویلی میں اترنا تھا... بھی میری معلومات ابھی ابتدائی درجے سے ذرا ہی اوپر کی تھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ گزشتہ ایک ماہ میں میں نے ا... پڑھا اور رٹا لگا کر یاد کیا تھا، اتنا اب تک میں نے اپنے پورے تعلیمی کیریئر میں نہیں پڑھا تھا۔ عجیب خشک مضامین... تاریخ وغیرہ بھی، لیکن مجھے ہر صورت یہاں آنے سے پہلے ان چند موٹی موٹی کتابوں کو گھول کر پی جانا تھا کیونکہ... میرا واسطہ انہی مضامین کی شائق ایک شاگرد سے پڑنے والا تھا۔ اس تمام تجربے کے دوران مجھے ایک اور سبق بھی... صرف کتابیں پڑھ لینے سے اور کم از کم وقت میں انہیں ازبر کر لینے سے انسان کسی علم کو پا نہیں سکتا۔ وہ اس علم... صرف اپنی یادداشت بڑھا سکتا ہے اور مختلف حوالے سے اپنے ذہن میں ترتیب وار بچھا سکتا ہے۔ اصل علم کتاب... بھی پرے کی کوئی چیز ہے۔

کھانے کے بعد سبز قہوے کا ایک دور چلا اور محفل برخاست ہوگئی۔ حسن مجھے میرے کمرے تک پہنچانے... لے آیا۔ اس کا بے حد باتونی ہونا میرے لیے فائدہ مند بھی تھا۔ بہت سی باتیں اس نے مجھے بنا پوچھے ہی بتا دی... نواب صاحب کی پہلی مرحومہ بیوی اپنی آخری سانس تک نواب صاحب کی ایران میں دوسری شادی کو قبول نہیں کر... تھیں۔ جاتے جاتے یہ زہر وہ اپنے دونوں بیٹوں کو بھی منتقل کر گئیں مگر خوش قسمتی کہ دونوں بھائیوں میں خود بیٹھ...

ہی رہی۔ بڑا بیٹا وقار رقص و سرور کی محفلوں کا دلدادہ تھا اور اس کی شامیں رنگین ہی رہتی تھیں۔ چھوٹے والے سجاد کے شوق البتہ کچھ مردانہ تھے اور وہ ہفتوں آس پاس کے جنگلوں میں اپنے خاص نوکروں سمیت شکار کی تلاش میں بھٹکتا رہتا تھا۔ اور اس کی شکاری بندوق ہمیشہ بھری ہوئی اور جیپ ہمیشہ تیار رہتی تھی۔ شمن نے رازدارانہ انداز میں مجھے یہ بھی بتایا کہ بڑے بیٹے وقار کو اس راہ پر ڈالنے والے اس کے اوباش دوست تھے جن کا سرپرست رئیس نام کا ایک بگڑا ہوا مگر قلاش نواب زادہ تھا جو اپنے باپ کی تمام جائیداد تو طوائفوں اور کوٹھوں پر لٹا ہی چکا تھا مگر اب اس کی نظر وقار کی جاگیر اور حصے پر تھی۔ بڑے نواب صاحب یہ سب کچھ جانتے اور دیکھتے رہتے تھے مگر خون کے گھونٹ پینے کے سوا اور کچھ کر نہیں سکتے تھے کیونکہ ان کی مرحومہ بیوی جاتے جاتے دونوں بیٹوں کو ان کے خلاف اور گستاخ کر گئی تھیں۔ شمن کچھ دیر مزید بھی میرے کمرے میں موجود رہنا چاہتا تھا مگر حویلی کے منیجر رحیم نے ڈپٹ کر اسے میرے آرام کی خاطر کمرے سے باہر بھیج دیا اور مجھ سے معذرت کی کہ شمن کی قینچی کی طرح چلتی زبان کو روکنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں تھا۔

میں نے ان دونوں کے جانے کے بعد کمرے کا جائزہ لیا۔ قالین، صوفوں اور پردوں کے رنگوں کی یکسانیت اور کمرے کے بھاری فرنیچر کی نفاست کا بیان طویل تھا۔ ایک طرف پڑھنے والا گوشہ بھی مخصوص تھا اور دیوار میں لگے شیلف میں میرے مطلب کی بہت سی کتابیں ترتیب سی رکھی ہوئی تھی۔ شاید نواب صاحب کو بھی اس بات کا اندازہ تھا کہ میں ان مضامین سے نابلد تھا اور میرے لیے ان کتابوں کو دہراتے رہنا بہت ضروری تھا۔ تاوقتیکہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر یہاں سے واپس چلا جاؤں۔ میں نے رات ڈھلنے کا انتظار کیا اور پھر نصف شب کے قریب اٹھ کر مردان خانے کا سرسری جائزہ لیا۔ اس طرح کہ مجھے اگر کوئی یوں آدھی رات کو ٹہلتا ہوا دیکھ بھی لے تو اسے چہل قدمی سے زیادہ اہمیت نہ دے۔

مجھے کوئی غیر معمولی بات دکھائی نہیں دی۔ سوائے اس کے کہ نواز اور اس کا عملہ باہر فصیل پر اور مرکزی دروازے پر نہایت چاک و چوبند حاضر تھا اور ان کی موجودگی میں کوئی پرندہ بھی اندر پر نہیں مار سکتا تھا۔ نواز نے مجھے بھی اپنے کمرے سے باہر نکلتے دیکھا تو وہ تیزی سے میری طرف آیا۔ "خیر تو ہے آیان صاحب..... کسی چیز کی ضرورت تو نہیں.....؟"

"نہیں بس..... نیند نہیں آ رہی..... شاید نئی جگہ کا اثر ہے....." نواز نے سر ہلایا "ہو سکتا ہے..... مجھے بھی نئی جگہ پر ذرا مشکل سے ہی نیند آتی ہے" نواز کا چہرہ حسب معمول سپاٹ تھا جب سے میں یہاں آیا تھا میں نے اسے ایک بار بھی مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

میں نے باہر گھاس کے میدان میں کچھ دیر چہل قدمی کی، اور کن انکھیوں سے آس پاس کا جائزہ لیتا رہا۔ زنان خانہ مردان خانے کے پیچھے ایک علیحدہ محل نما عمارت میں تھا اور مردان خانے سے کچھ راہداریوں کے ذریعے منسلک تھا۔ البتہ مردانہ اور زنانہ دونوں حصوں میں داخلے کے لیے الگ الگ راستے مخصوص تھے۔ میں نے چہل قدمی کے دوران حویلی کا محل وقوع خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیا۔ میرے ذہن میں ساریکا کی کہی ہوئی باتوں کی بازگشت ابھی تک موجود تھی جو اس نے یہاں بھیجنے سے پہلے وقتاً فوقتاً مجھے بطور نصیحت اور سبق سکھائی تھیں۔ انہی میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ "انجانی منڈیروں پر چڑھنے سے پہلے ان کا نقشہ اچھی طرح ذہن میں اتار لینا ضروری ہوتا ہے۔"

تھا اور نواب کی صاحبزادی سے اس کے اتالیق کے روپ میں ملنا تھا۔ اس کے لیے میرے ذہن کو باقی کسی [illegible]
سوچ یا فکر سے آزاد ہونا چاہیے تھا۔ ذہن کی گتھیاں کتنی اور الجھی ہوں تو کبھی کبھی ان جانے میں ہم اپنا آپ [illegible]
جاتے ہیں اور میرے لیے اپنا بہروپ قائم رکھنا بہت ضروری تھا۔

لیکن وہ ایک چہرہ مجھے کچھ سوچنے ہی کب دیتا تھا۔ جیسے ہی میں نے پلکیں موندیں وہ میرے ذ[ہن کے]
پردے پر کھلتا چلا گیا۔ وہی آسمانی جوڑا اور وہی کالی شال..... آسمان پر گھٹائیں تو سب نے دیکھی ہیں لیکن گھ[ٹائیں]
آسمان شاید آج تک کسی نے نہ دیکھا ہو۔ میں زمرد حویلی آنے سے پہلے آخری مرتبہ شیخ صاحب کو ملنے کے لیے
پہلے ہی سادات محلے کی دہلیز تک گیا۔ دل کے اندر کے چور کا تو پتہ نہیں البتہ ذہن کا بہانہ یہی تھا کہ جانے [سے پہلے]
انہیں خدا حافظ کہہ آؤں کہ جانے پھر کب ملاقات ہو لیکن دروازے پر حمیدہ کا چہرہ دیکھ کر میں مایوس ہو گیا۔ خلاف
آج اس کے چہرے کی کرختگی کچھ کم تھی۔ شیخ صاحب گھر پر نہیں تھے۔ میں واپس پلٹنے لگا تو حمیدہ نے آواز دی "
کے پاس کچھ وقت ہو تو ہم اندر بیٹھ کر کچھ بات کر لیں" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا، لیکن اس کے چ[ہرے پر]
سنجیدگی طاری تھی۔ کچھ دیر بعد ہم اسی بیٹھک میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں میں کئی بار پہلے بھی آ چکا تھا۔ حمیدہ چا[ئے کے]
برتن خود اندر سے اٹھا لایا اور جانے کیوں میرے کان ابھی تک ان مانوس آہٹوں اور قدموں کی چاپ کو محسوس کر[رہے]
تھے جو اب میرے لیے نامحرم ہو چکی تھی۔ حمیدہ نے کچھ دیر کی باتوں کے بعد اصل بات شروع کی۔ "معاف کیجی[ے]
اس روز آپ کے ساتھ کافی تلخ بول گیا۔ دراصل دو جوان بہنوں کی ذمہ داری انسان کو تلخ بنا ہی دیتی ہے۔ او[ر اس]
روز حالات ہی کچھ ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ میں غصے کی رو میں بہہ گیا۔ دراصل میں جب گھر پہنچا تھا تو میں نے
چند اوباش لڑکوں کو ہماری گلی میں ادھر ادھر بے مقصد پھرتے اور ہمارے دروازے کی طرف جھانکتے دیکھا تھا
جھڑپ ان کے ساتھ ہوئی اور گھر پہنچا تو ستارہ گھر بھی موجود نہیں تھیں اور پھر جب دروازے پر ان کو آپ کے [ساتھ]
دیکھا تو جانے کیا کچھ کہہ گیا۔ بعد میں ستارہ نے جب مجھے ساری بات بتائی اور اپنا نے پہلے دن سے لے کر تب [تک]
کی طرف سے کی گئی مدد کے بارے میں بتایا تو مجھے اپنے رویے پر بڑی شرمندگی ہوئی۔"

میں نے اسے اس تکلف سے باز رکھنے کی کوشش کی اور ٹھیک اسی لمحے مجھے پردے کے پیچھے وہ مانوس [آہٹ]
بھی محسوس ہوئی" آپ خود کو نہ الجھائیں..... جو ہوا سو ہوا..... میرے دل میں کوئی ملال نہیں ہے....."

"یہ آپ کا بڑا پن ہے۔ میری آپ سے ایک اور درخواست ہے..... اگر آپ برا نہ مانیں تو....."

"جی..... فرمائیے....." حمیدہ نے زبان سے ادا ہونے سے پہلے اپنی بات کو تولا" میں نے اس علا[قے میں]
آتے جاتے آپ کا نام سنا ہے۔ لوگ آپ کی بہت قدر کرتے ہیں لیکن افسوس یہ شہرت ایک اڈے کے سا[تھ]
ہے۔ میرے گھر میں دو جوان بہنیں ہیں۔ مجھے آپ کے کردار کی سچائی کے لیے کسی بھی گواہی کی ضرورت نہیں
انسان کی خوب پرکھ ہے۔ لیکن آپ کی اس اڈے سے وابستگی ہماری دہلیز پر آنے والوں کے ذہن میں ہزار سو[ال پیدا]
کرتی ہے۔ لوگ اگر ہمارے سامنے نہیں تو ہماری پیٹھ پیچھے ایک دوسرے سے سوال ضرور کرتے ہوں گے کہ آ[خر]
اڈے سے وابستہ بندہ یہاں کیوں آتا ہے۔ امید ہے آپ میری بات سمجھ گئے ہوں گے....." میرے ذہن میں
وقت کی تیز آندھیاں اور طوفانی جھکڑ چل رہے تھے۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا ایک بدمعاش کا بھلا کسی شریف کے در پ[ر]
اور کیسا واسطہ....."

میں کھڑا ہو گیا" آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں...... کسی بھی ادارے سے وابستہ بدنامی آپ کی دہلیز تک نہیں آنی چاہئے۔ کاش یہ بات خود مجھے آپ سے پہلے سمجھ میں آجاتی تو اچھا تھا۔ بہر حال آپ اس بارے میں ذرا بھی فکر مند نہ ہوں...... میں اب کبھی اس دروازے کی چوکھٹ پار نہیں کروں گا......" حمید نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن شاید اب کچھ کہنے کے لیے باقی نہیں رہا تھا۔ میں شیخ صاحب کے گھر سے نکل آیا۔ میرا دماغ اس وقت بالکل سن تھا، لیکن حمید نے ایسا نیا کیا کہا تھا۔ اس کی بہن بھی تو مجھے کسی لوفر یا آوارہ سے کم نہیں سمجھتی تھی۔ حمید نے تو بس کچھ دوسرے لفظوں میں وہ بات صرف دہرائی تھی۔

میرے دل میں اس بات کو یاد کر کے دہشت کی ایک ایسی شدید لہر اٹھی کہ میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ کمرے کا گھڑیال صبح کے ساڑھے آٹھ بجا رہا تھا مجھے یاد آیا کہ نواب صاحب نے ٹھیک نو بجے مجھے زنان خانے میں طلب کرنے کا وقت بتایا تھا۔ میں جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ میرے پاس وقت بہت کم تھا۔

باب 21

ٹھیک نو بجے زنان خانے کی جانب سے شمن پیغام لے کر بڑ بڑایا ہوا سا میرے کمرے میں داخل ... کا لہجہ ہمیشہ کی طرح نستعلیق اور قافیہ درست تھا" آپ کو نواب صاحب زنانے میں یاد کرتے ہیں۔" میں ... چھیڑنے کی نیت سے دوبارہ پوچھا" نواب صاحب کیا کرتے ہیں......؟" وہ مسکرا دیا" اجی یاد کرتے ... صاحب......" میں بھی ہنس دیا" میرا نام آیان ہے...... مجھے صاحب نہ کہا کرو......" شمن کا چہرہ کھل گیا" وا... کا کشادہ ماتھا ہی آپ کے وسیع ظرف کی نشان دہی کرتا ہے...... تو آیان میاں کہہ لیا کروں......؟" ہم دو... راہداریوں سے گزرتے ہوئے زنان خانے کی طرف بڑھ رہے تھے۔" جو تمہارا جی چاہے کہہ سکتے ہو......" می... تیزی سے آس پاس کا جائزہ لے رہی تھیں لیکن مجھے کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی۔ شمن کی زبان پٹر پٹر چل... "بس کیا بتائیں آیان میاں...... حویلی کی ساری ذمہ داری مجھی پر تو ڈال رکھی ہے نواب صاحب نے...... س... سنتے ہیں بس ذرا بڑی بہو ہیں ناں...... نواب خاتون...... ان کا مزاج ذرا کڑوا ہے...... ان سے ذرا بچ کر ... وہ شاید نواب کے مرحوم بڑے بھائی کی بیوہ کی بات کر رہا تھا۔ پاشا صاحب کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق ... نظام اور پردہ نواب خاتون ہی دیکھتی تھیں اور انتہائی سخت مزاج خاتون مشہور تھیں۔ ان کے کیے گئے فیصلوں ... وہ بھی دخل نہیں دیتے تھے۔ آخری راہداری سے نکلتے ہی ہم ایک کشادہ پائیں باغ نما لان میں نکل آئے۔ ... زنان خانے کی سفید اور سبز سنگ مرمر سے بنی پر شکوہ عمارت غرور سے سر تانے کھڑی تھی۔ نواب صاحب اور ... سی خاتون باہر دالان میں اونچی چھتریوں کے سائے تلے بیٹھے ہوئے تھے۔ نواب صاحب نے میرا استقبال کی... ہاتھ کے اشارے سے جانے کا کہا" آؤ آیان میاں آؤ...... ان سے ملو...... یہ ہماری بیگم خانم جان ہیں" میں ... سے چہرے والی عورت کو سلام کیا۔ انہوں نے مسکرا کر سر ہلایا۔ خانم جان نے اپنے سر پر مخصوص ایرانی سکارف ... طرح باندھ رکھا تھا اور صبح کی خنک ہوا سے بچنے کے لیے انہوں نے نیلے رنگ کا ایک لمبا سا کوٹ پہن رکھا ... آواز بڑی شستہ تھی۔" تو تم ہو ہماری فضہ کے اتالیق، بھئی ہم تو کسی کمر جھکائے اور نظر پر موٹا چشمہ لگا... انتظار کر رہے تھے۔ تم تو ابھی خود طالب علم لگتے ہو......"۔

"جی...... بس طالب علم ہی سمجھیں...... علم کا سلسلہ تو کہیں رکتا نہیں"۔ وہ مسکرائیں" درست ...

ماشاءاللہ۔'' نواب نے خانم سے پوچھا ''بھئی آپ کی صاحب زادی نہیں آئیں ابھی تک۔'' ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اندر سے فلیپر، کوٹ اور سر پر وہی مخصوص ایرانی حجاب نما سکارف باندھے ایک نوجوان لڑکی نمودار ہوئی۔ میں احتراماً کھڑا ہو گیا۔ ''یہ لو بھئی ۔۔۔ آ گئیں فضہ۔۔۔'' فضہ خانم کی ہی کوئی نوجوانی کی تصویر معلوم ہو رہی تھی۔ خانم نے اسے لہجے سے سمجھا پوچھا ''این کزوریر ۔۔۔؟'' (اتنی دیر)۔۔۔ فضہ نے جلدی سے تلافی کی ''معذرت موخواہم (معافی چاہتی ہوں)۔'' نواب نے اس سے میرا تعارف کروایا ''بیٹی یہ آیان احمد صاحب ہیں۔۔۔ آپ کے اتالیق۔۔۔'' فضہ نے جلدی سے مجھے سلام کیا ''خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔۔۔ کب سے میں آغا جان سے درخواست کر رہی تھی کہ میرے لیے کسی ٹیوٹر کا انتظام کر دیں۔۔۔ لیکن اس ویرانے میں آنے کے لیے کوئی تیار ہی نہیں ہوتا تھا۔۔۔ آپ کا بہت بہت شکریہ جناب۔۔۔ تشکر۔۔۔''

دونوں ماں بیٹی کی زبان سے ک اور ق کا فرق بہت بھلا محسوس ہوتا تھا۔ میں نے مسکرا کر اس حقت آب کے تشکر کا جواب دیا۔ فضہ کی پلکیں اپنی ماں کی طرح گھنی اور سیاہ تھیں۔ ایران کا حسن پہلی نظر میں خیرہ نہیں کرتا، مگر اس کے جوہر دھیرے دھیرے کھلتے ہیں اور پھر وہ سنہری عارض اور وہ سحر انگیز آنکھیں اپنا سکہ ایسا جماتی ہیں کہ بڑے بڑے شہنشاہ اس کوئے یار میں جھک کر حاضری دیتے ہیں۔۔۔

میری فضہ سے صبح کی یہ ملاقات مختصر رہی اور طے پایا کہ روزانہ شام 4 بجے ایک گھنٹے کے لیے ہم زنان خانے میں ڈرائنگ روم یا دالان وغیرہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ میں نے واپسی کے لیے رخصت طلب کی تو نواب صاحب کو کچھ یاد آیا ''ارے آیان میاں۔۔۔ مردان خانے کی بالائی منزل پر حویلی کی لائبریری بھی موجود ہے۔ وہاں دنیا بھر کی کتابیں اکٹھی کر رکھی ہیں مرحوم بڑے نواب صاحب نے۔۔۔ تم چاہو تو وہاں سے بھی اپنے مطلب کے حوالے جمع کر سکتے ہو۔'' اتنے میں ایک بوڑھی نوکرانی نے آ کر اطلاع دی کہ اگر نواب صاحب ملاقات سے فارغ ہو چکے ہوں تو نواب خاتون ان سے کچھ ضروری بات کرنا چاہتی ہیں۔ نواب نے فوراً اثبات میں سر ہلایا ''ہاں ہاں کیوں نہیں۔۔۔ بلکہ وہ یہیں کیوں نہیں آ جاتیں۔۔۔ خانم اور فضہ بھی یہیں ہیں'' میں نے مزید وہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا اور اجازت کے لیے نواب صاحب کی طرف دیکھا۔ نواب صاحب نے اسی خادمہ کو مجھے مردان خانے تک چھوڑ کر آنے کا حکم دے دیا۔ واپس پلٹتے وقت میں نے روایتی غرارے کے لباس میں ایک پکی عمر کی عورت کو آتے دیکھا جس کے چہرے سے نخوت اور بے زاری ٹپک رہی تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے قریب سے گزرے تو اس نے سر سے پیر تک مجھے غور سے دیکھا اور تحکمانہ لہجے میں بولیں ''رکو۔۔۔'' میں ٹھہر گیا ''تو تم ہی ہو فضہ کے نئے استاد؟۔۔۔ لیکن چہرے سے تو استاد نہیں لگتے۔۔۔'' میرا جی چاہا کہ انہیں جواب دوں کہ آپ بجا فرماتی ہیں۔۔۔ میں استاد ہوں۔۔۔ لیکن رنگا بھائی کے اڈے کا'' کچھ دیر تک وہ میرا ناقدانہ جائزہ لیتی رہیں اور پھر انہوں نے مجھے جانے کی اجازت دے دی ''اچھا ٹھیک ہے جاؤ۔۔۔ لیکن زنان خانے کے آداب کا خیال رہے۔'' اب میں انہیں کیا بتاتا کہ مجھے تو ابھی تک مردان خانے کے آداب کا بھی نہیں پتہ لیکن میں بنا کچھ کہے سلام کر کے آگے بڑھ گیا۔

شام تک میرے پاس کافی وقت تھا اور میں نے یہ وقت کمرے میں بند رہ کر صرف کرنے کے بجائے زمرد حویلی کے آس پاس مضافات کا جائزہ لینے میں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ حویلی کے آس پاس گندم کے کھیت اور دور تک پھیلی خاموشی تھی۔ جانے کیوں مجھے اس لمحے بہت دن پہلے کا کہیں پڑھا جون ایلیا کا شعر یاد آ گیا۔

قائل رحم ہیں وہ دیوانے
جن کو حاصل نہیں ہیں ویرانے

میں نے ایک بات خاص طور پر محسوس کی کہ نواز اس تمام عرصے میں مجھ پر خصوصی نظر رکھے رہا لیکن
کی مستعدی سے زیادہ اس کمزور کڑی کی تلاش تھی جہاں سے نواب صاحب پر اگلا حملہ ممکن ہو سکتا تھا۔ کمرے
آ کر میں نے حویلی میں اب تک میری جن لوگوں سے ملاقات ہوئی تھی ان سب کی ایک فہرست بنائی اور سوچ
کے مطابق ان سب کو شک کے دائرے میں ایک ایک کر کے رکھا اور پھر ایک نئی فہرست بنائی جس میں نمبر
زیادہ شک کی بنیاد سے ہو کر پیچھے تک جاتے تھے۔ اس فہرست میں سب سے اوپر نواز تھا۔ پھر نواب صاحب
بیٹے، ان کے ذاتی محافظ اور اسی طرح میں اپنی پہلی کیفیت کے حساب سے سب ہی کو شک کی نظر سے دیکھتا
پھر رد کرتا گیا لیکن کسی بھی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔

چار بجے کے قریب ایک بار پھر محسن مجھے لینے کے لیے آ گیا۔ وہ منہ ہی منہ میں نہ جانے کیا بڑبڑ
میں نے اس کے بگڑے موڈ کی وجہ پوچھی تو وہ پھٹ پڑا ''بس کیا بتائیں آیان میاں۔۔۔ ان دونوں بھائیوں
چپقلش نے ہم نوکروں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ ایک کی بات مانو تو دوسرا بگڑ جاتا ہے، ایک کوئی حکم دیتا ہے تو
کی ضد میں اس سے بھی بڑی فرمائش کر بیٹھتا ہے اور تعمیل نہ ہونے پر ڈانٹ ہم غریبوں کو پڑتی ہے۔''

''لیکن یہ دونوں تو سگے بھائی ہیں ناں۔۔۔ پھر ان میں آپس میں اتنی دشمنی کی وجہ کیا ہے؟'' محسن کی آ
ہو گئی ''اب ہم کچھ بولیں گے تو راز افشائی کا طعنہ سنیں گے۔ سنا ہے دونوں نواب خاتون کی کسی بھانجی پر فدا ہیں
نام ہے نجمی کا ۔۔۔ لیکن نواب خاتون دونوں کو ہی ہاں کہتی ہیں ناں۔۔۔ سچ کہوں تو مجھے اس دشمنی کا خاتمہ صر
خاتون کے ہاتھوں لکھا نظر آتا ہے۔ کیونکہ دونوں ہی بھائی ان کی بہت سنتے ہیں۔۔۔''

محسن جاتے جاتے مجھے ایک نیا زاویہ بھی دکھا گیا تھا۔ میں زنان خانے کے دالان تک پہنچا تو فضہ
حویلی میں بہتی ایک چھوٹی سی پانی کی مصنوعی نہر کے کنارے ڈالی ہوئی کرسی پر بیٹھی نظر آ گئی۔

''میں آپ ہی کا انتظار کر رہی تھی۔'' وہ حسب معمول سر پر اپنے پیرہن سے میل کھاتا سکارف
ہوئے تھی اور نہر کے پانی میں چڑھتی ہوئی کرنوں کا عکس اس کے چہرے کو جھلملا رہا تھا۔ میں بھی اس کے قر
دوسری جانب کی کرسی پر بیٹھ گیا اور میں نے اندازہ لگانے کے لیے اس سے کہا کہ وہ اس علاقے کی تاریخ اور تہذ
بارے میں جو کچھ خود جانتی ہے، پہلے مجھے وہ بتائے۔ اس سوال کا مقصد خود اپنے آپ کو جانچنا بھی تھا کہ میں
تک فضہ کو اپنے محدود علم کی بنیاد پر پڑھا سکتا تھا، لیکن فضہ کی ان دونوں مضامین میں پختگی دیکھ کر مجھے اسی دن اند
کہ یہ بیل زیادہ عرصے تک منڈھے نہیں چڑھ پائے گی۔

''آپ کو تو یہاں کی تاریخ کی اچھی خاصی سوجھ بوجھ ہے اور علاقے کی قدیم اور جدید تہذیب کے
پر بھی آپ کی گرفت مضبوط ہے۔۔۔ تو پھر یہ خصوصی طور پر کسی استاد کو رکھنے کی وجہ کچھ نہیں آئی۔''

فضہ ہنس پڑی ''سچ بتاؤں تو میں بھی کوئی بزرگ نما اتالیق ہی تصور کیے بیٹھی تھی۔ سوچا تھا کہ ان سے
لمبی بحث کر کے اپنی قابلیت کا رعب بھی جھاڑوں گی اور ان کے تجربے سے اپنے اندر کے سوالات کی پیاس بھی بج
۔ مجھے اردو بھی اپنے ہی ایک بزرگ استاد کی وساطت سے سیکھنے کا شرف حاصل ہوا تھا مگر آپ کو دیکھ کر

دونوں ہی بہت حیران ہیں۔ برا نہ مانیے گا لیکن آپ بھی میری طرح ابھی تازہ گریجویٹ ہی لگتے ہیں۔ لیکن اگر آغا جان نے آپ کا انتخاب کیا ہے تو ضرور کچھ سوچ کر ہی کیا ہوگا۔ مجھ سے کوئی گستاخی ہوئی ہو تو معاف کر دیجیے گا......"

میرا جی چاہا کہ میں اس معصوم سی لڑکی کو سچ بتا دوں لیکن بڑی مشکل سے میں نے خود کو باز رکھا۔ اتنے میں خانم بھی اندر سے نکل کر ہمیں دالان میں بیٹھا دیکھ کر ہماری جانب چلی آئیں "تم دونوں یہاں بیٹھے ہو...... میں چائے کا پوچھنے آئی تھی کہ اندر لگواؤں یا یہیں بھیج دوں......" فضہ نے ماں کو روک لیا "آپ بیٹھیں موسو جان...... چائے یہیں آجائے گی۔ میں نے کہہ رکھا ہے......"

خانم نے مسکراتے ہوئے میری جانب دیکھا...... "ہاں تو کیا بات ہو رہی تھی شاگرد اور اتالیق کے درمیان......" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا "یہ کہ انہیں پہلے ہی مضامین کے بارے میں اتنا زیادہ علم ہے کہ کچھ دنوں میں یہ میری اتالیق بن جائیں گی......" دونوں ماں بیٹی زور سے ہنس پڑیں۔ خانم نے مجھ سے کہا "تمہاری ایک بات مجھے بہت پسند آئی...... تم نے آتے ہی اپنی قابلیت کا رعب ڈالنے کی کوشش نہیں کی کسی پر...... علم انسان کو سمندر کی طرح گہرا بنا دیتا ہے...... اسے بار بار چھلکنے سے روکتا ہے......"

میں نے صاف دلی سے کہا "میں سمجھتا ہوں آپ کی صاحب زادی کو مجھ سے کہیں زیادہ تجربہ کار استاد کی ضرورت ہے جو صرف اب ان کے اندر بہتے علم کے دریا کو کوزے میں بند کر سکے...... میری یہاں موجودگی صرف ان کے وقت کا ضیاع ہی نہ ثابت ہو......" فضہ جلدی سے بول پڑی "ارے نہیں نہیں...... ایسا کیوں کہا آپ نے...... میرا یا موسو کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا۔ ہر انسان دوسرے انسان کو کچھ نہ کچھ دے کر ہی جاتا ہے...... اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اس سے کیا فیض حاصل کرتے ہیں۔ آپ سے میری یہ گزارش ہے کہ آپ مجھ سے ایک اچھے دوست کی مانند وہ سب علم بانٹیں جو آپ کے پاس ہے...... چاہے وہ کتابی نہ بھی ہو...... کتاب ہی مقصد ہوتا تو وہ میں خود بھی پڑھ سکتی تھی۔ آپ مجھ سے اپنی وہ سوچ بانٹیں جو ان کتابوں میں لکھی تعلیم نے آپ کے اندر پیدا کی ہے۔ بدلے میں میں بھی یہی کچھ تقسیم کرنے کی کوشش کروں گی۔"

فضہ کی بات سن کر میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا...... سچ تو یہی تھا کہ کتابی علم کی صورت میں اسے دینے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا ہاں...... میں کیا سوچتا تھا اگر اس سے ہم دونوں کی اس علم کی تحریک کو کوئی فائدہ ملتا تھا تو یہ ہم دونوں کے لیے ہی منافع بخش سودا تھا کیونکہ بدلے میں مجھے بھی تو اس کی سوچ جاننے کا موقع مل رہا تھا۔ جانے ہمارے تعلیمی اداروں میں کتابیں ذہن میں ٹھونسنے پر ہی کیوں زور دیا جاتا تھا۔ کتاب کے ذریعے سوچ کو پروان چڑھانے کے عمل کو فروغ کیوں نہیں دیا گیا آج تک؟؟؟

پہلے دن کا اختتام بہتر طریقے سے ہونے پر میں نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا، لیکن مردان میں داخل ہوتے ہی تیز تیز بولنے اور جھگڑنے کی آوازوں نے میرے قدم روک لیے۔ وقار اور سجاد میں تیز بحث جاری تھی اور نواب صاحب سر جھکائے دونوں کے درمیان پریشان بیٹھے ہوئے تھے۔ وقار نے چلا کر کہا "بس بہت ہو گیا...... آپ کے پاس اس کی شکاری فضول خرچیوں کے لیے تو رقم کی کوئی کمی نہیں...... اور میں اگر کبھی اپنے دوستوں کی دعوت کے لیے کچھ روپے اضافی مانگ لوں تو آپ کو اپنے اصول یاد آجاتے ہیں۔" سجاد نے ترکی بہ ترکی بلند آواز سے کہا "میں شکار پر خرچ کرتا ہوں کوٹھوں پر نہیں...... میری برابری کرنے کی کوشش نہ ہی کریں تو بہتر ہے......" "بڑے بھائی سے یہ

بھلا برداشت نہیں ہوا اور وہ تیزی سے چھوٹے کی جانب بڑھا "بہت زبان چلنے لگی ہے تمہاری...... آج
بندوبست کیے دیتا ہوں......" نواب صاحب کی برداشت جواب دے گئی اور وہ زور سے چلا کر اٹھ کھڑے ہو
آتی چاہیے تم دونوں کو...... اب تو باپ کی موجودگی کا لحاظ نہیں رہا کسی کو۔ میں نے بہت برداشت کر لیا۔ اب ا
نے اس بات کو بڑھایا تو دونوں کو ہی عاق کر دوں گا۔" وقار نے باپ کی جانب دیکھا "میں جانتا ہوں کہ آ
کسی موقعے کی تاک میں ہیں تا کہ میرے حصے کی وراثت بھی اپنی اس لاڈلی بیٹی کو منتقل کر سکیں۔" وقار پیر پٹخ
سے چلا گیا۔ میں ایک اوٹ میں کھڑا تھا لہٰذا اس کی نظر مجھ پر نہیں پڑی۔ چھوٹا سجاد بھی بکتا جھکتا وہاں سے چلا
جاتے اس نے باپ سے اپنے حصے کی جائیداد کی علیحدگی کا مطالبہ بھی کیا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد میں م
میں ہوتے اس تماشے کے آخری کردار نواب دبیر کے سامنے آگیا۔ وہ ابھی تک اپنا سر تھامے بیٹھے ہوئے تھے۔

"آؤ آیان میاں...... تم نے اس ناخلف اولاد کی زبان درازی تو دیکھ ہی لی ہوگی۔ جانے میری تر
ہی کچھ کمی تھی یا پھر کہیں اور چوک ہوگئی ہے مجھ سے...... یہ دونوں پہلے تو ایسے کبھی نہ تھے......" "میں نے ایک
کیا "کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان دونوں میں سے بھی کوئی آپ کی جان کے درپے ہو سکتا ہے، تا کہ آپ کی وراث
جلدی منتقل ہو سکے......" نواب صاحب بری طرح چونک گئے۔ خون کے رشتے بعض اوقات انسان کی آ
گہرے کالے پردے ڈالے رکھتے ہیں۔ "نہیں نہیں...... یہ دونوں کتنے بھی نافرمان کیوں نہ سہی...... مگر اپنے
جان نہیں لے سکتے...... مجھے یقین نہیں آتا......"

میں نے نواب صاحب کو زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔ نہ ہی میں نے فضہ سے ہی بات ان کے
اڈلی کہ اس اچانک تبدیلی کی وجہ کہیں ان کی اپنی بھابھی نواب خاتون تو نہیں کیونکہ کسی بھی حتمی فیصلے پر پہنچنے
مجھے ابھی بہت سے کام انجام کو پہنچانے تھے۔ بہت سے چہروں کو ٹٹولنا تھا۔

باب 22

وہ رات میں نے اپنے کمرے میں ہی گزاری۔ دونوں بھائی ناراض ہو کر شام ہی سے گھر سے باہر جا چکے تھے اور صبح تک ان کی واپسی کی کوئی امید نہیں تھی۔ پاشا صاحب اپنے کسی قریبی رشتے دار کے ہاں کسی تقریب میں گئے ہوئے تھے اور ان کی واپسی اب اگلے ہفتے ہی متوقع تھی۔ گویا مردان خانے میں اس رات میرے اور حویلی کے ملازموں کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں تھا۔ میرا بار بار باہر جھانکنا نواز کو مشکوک کر سکتا تھا لہٰذا میں نے خود کو کمرے تک ہی محدود رکھا۔ جانے کیوں آج مجھے رابعہ بالا اور منشی تینوں ہی بہت یاد آ رہے تھے۔ جانے وہ کیسے ہوں گے..... مجھے یاد تو ضرور کرتے ہوں گے۔ کیفے فراق میں ان کی محفلیں اب بھی اسی طرح جمتی ہوں گی یا نہیں..... چچا فراق کیسے ہوں گے..... مرزا اب بھی ان تینوں کے لیے فراق چچا سے چھپا کر فرنیش رول اور گرم پیٹیز رکھتا ہوگا یا نہیں؟..... سب کچھ ویسا ہی ہوگا..... بس میری کمی ہوگی......

میں جانے کن خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ اچانک مجھے باہر کسی کھٹکے کی آواز سنائی دی۔ میں چونک کر اٹھ بیٹھا اور پھر دوسرے کھٹکے سے پہلے ہی میں آہستگی سے اپنے کمرے سے نکل چکا تھا۔ آواز اوپر والی منزل سے آئی تھی۔ میں دبے پاؤں مگر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر راہداری میں آ گیا۔ راہداری سنسان پڑی ہوئی تھی۔ اسی منزل پر حویلی کی لائبریری بھی تھی۔ میں نے چاروں طرف گھوم کر اچھی طرح جائزہ لیا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں کچھ دیر انتظار کے بعد واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ اگلی صبح میں نے نواب صاحب سے برسبیل تذکرہ پوچھا کہ مردان خانے کی دوسری منزل پر عام حالات میں کون رہائش پذیر رہتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ کوئی مستقل رہائش نہیں ہے دوسری منزل کا بس کبھی کبھار چوکیدار یا محافظ رات کو وہاں کا چکر لگا لیتے ہیں، لیکن جانے کیوں مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی محافظ کی آہٹ نہیں تھی۔ میں نے بات ٹال دی۔

شام کو فضہ اپنی کل والی جگہ پر ہی میرا انتظار کر رہی تھی لیکن آج وہ کتابیں لے کر نہیں آئی تھی۔ البتہ اس کے ہاتھ میں ایک نوٹ بک ضرور موجود تھی۔ جس میں اس نے اس علاقے کی طرز تعمیر کے بارے میں اپنے کچھ مشاہدات درج کیے ہوئے تھے "آپ کیا کہتے ہیں ــــ مغل اس خطے کے آرکیٹیکچر Architecture پر اتنا اثر انداز ــــ"

"شاید اس لیے کہ وہ اپنے ساتھ ایک نئی تازگی اور تعمیرات میں کسی خوبصورت تصویر جیسی بار[...] آئے تھے۔ اب آپ اپنے اس محل کو ہی لے لیں۔ یہ بذات خود اس وادی میں اور ان کھیتوں کے درمیا[ن] خوبصورت پینٹنگ کی طرح ہی تو لگتی ہے..... مغل واقعی مصور تھے....." فضہ مسکرائی "آپ مغلوں سے [...] لگتے ہیں....."

"نہیں..... خود اپنے آپ سے کیا متاثر ہونا..... ہم بھی مغل ہیں....." فضہ خوشی سے بے چینی [...]
"اچھا..... واقعی..... اوہ یہ کتنی حیرت کی بات ہے اور میں آپ کو بتاؤں کہ میں واقعی مغلوں سے بہت متاثر [...] آپ سے مل کر خوشی ہوئی سر آیان مغل....." ہم دونوں ہنس پڑے۔ اس دن ہم دونوں نے بہت دیر تک مغل [...] طرز تعمیر پر اپنے اپنے خیالات بانٹے اور اپنا اپنا نظریہ پیش کیا۔ فضہ ایک ذہین لڑکی تھی اور اس کی سوچ کے زا[ویے] منفرد تھے۔ وہ شاید زمرد حویلی میں تنہائی کا بھی شکار تھی کیونکہ ماں کے علاوہ کسی اور کے پاس یہاں اس کے [...] نہیں تھا۔ میں جان بوجھ کر کم بولتا اور اسے زیادہ سنتا رہا..... اور وہ تھی بھی کچھ ایسی ہی قابل سماعت..... خود [...] بہت سے مبہم زاویے اس کی معلومات سے واضح ہوتے گئے اور پھر ہمارا یہ روز کا معمول بنتا چلا گیا۔ ہم روزانہ [...] کی اس نہر کے کنارے بیٹھ کر خود اپنے اندر کو کھوجتے اور فضہ اہم باتیں نوٹ بک میں درج کرتی رہتی۔ اب [...] استاد نہیں تھا بلکہ ہم دونوں ہی اپنی اپنی سوچ اور خیال سے ایک دوسرے کو تعلیم دے رہے تھے۔ دھیرے دھی[رے] مجھے بھی ان مضامین سے دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی اور میں نے خود اپنی معلومات کے لیے اپنی لائی ہوئی اور [...] میں موجود کتابیں کھنگالنا شروع کر دی تھیں۔ اب جب میں فضہ سے یہاں کی تاریخ اور تہذیب پر بات کر[تا] ماضی کی طرح میرے رٹے رٹائے جملے نہیں ہوتے تھے بلکہ میری اپنی کھوج اور تحقیق ہوتی تھی۔ فضہ کی محبت آ[...] بھی کتابوں سے محبت کرنا سکھا رہی تھی یا شاید میں اندر سے تبدیل ہو رہا تھا لیکن جس اصل مقصد سے میں زمرد حو[یلی] داخل ہوا تھا وہ ابھی تک میری نظروں سے اوجھل تھا۔ پاشا صاحب بھی واپس آ چکے تھے اور دن گزرتے جا ر[ہے] مجھے فضہ جیسی بھی اور صاف گو لڑکی سے اپنی حقیقت چھپانا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا لیکن عجیب الجھن تھی کہ میری [...] کا چھپا رہنا خود اسی کے گھرانے کے لیے ضروری تھا۔

آخرکار مجھے زمرد حویلی میں داخل ہوئے دو ہفتے سے زیادہ ہو گئے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب ہمیں [...] کا چھپ کر انتظار کرنے کے بجائے اسے خود آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی ترغیب اور لالچ دینا ہوگی۔ میں [...] صاحب کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا تو پاشا صاحب فکر مند ہو گئے۔ "لیکن میاں یہ بھی تو سوچو کہ اگر ہم سے ذرا [...] چوک ہو گئی تو نواب صاحب کی جان کو واقعی خطرہ ہو سکتا ہے۔" میں نے ان پر واضح کیا کہ ہم اعلان کی حد تک [...] کریں گے کہ نواب صاحب اپنی بیگم خانم سے کسی کھٹ پٹ کی وجہ سے مردانے کی خواب گاہ میں منتقل ہو رہے ہ[یں] اصل میں وہ اپنی مردانے والی خواب گاہ میں نہیں میرے کمرے میں سوئیں گے اور ان کی خواب گاہ میں ان کے [...] میں موجود ہوں گا۔ نواب صاحب نے بھی میری حفاظت کے پیش نظر کچھ تامل کیا لیکن میں نے آخرکار انہیں قائل [کر] لیا کہ شکار کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے کے لیے یہ چارہ ڈالنا بہت ضروری ہے۔ طے یہ پایا کہ نواب صاحب ایک [...] دن میں میرے منصوبے کے مطابق مردانے میں منتقل ہو جائیں گے اور خانم کو اس معاملے میں اعتماد میں [...] ضرورت پڑی تو اس سے بھی [illegible] نہیں کیا جائے گا۔

اس رات میں اپنے منصوبے کی جزئیات پر غور کرنے کے لیے بہت دیر تک جاگتا رہا۔ ویسے بھی نیند کا اور میرا ساتھ تو جانے کب کا چھوٹ چکا تھا بھی یہ نیند میری کتنی گہری کتنی پکی ہوتی تھی۔ مجھے اپنے گھر کی نیند یاد آتی۔ امی، ریحان اور چھوٹی دن چڑھے تک مجھے جگا جگا کر تھک جاتی تھیں اور پھر آخر کار ابا کے حکم پر ریحان باقاعدہ بالٹی بھر پانی لا کر مجھ پر انڈیل دیا کرتا تھا۔ کاش ہمارے تن میں نیند اور بیداری کا بھی کوئی مخصوص خودکار نظام ہوتا تو کم از کم اپنی آدھی زندگی تو اپنی مرضی سے بتا سکتے..... میری نیندیں تو اس حسن بے پرواہ نے برباد کر دی تھیں جسے آخری لمحے یہ احساس بھی نہیں ہو سکا کہ کوئی اس کے لیے دھیرے دھیرے اندر سے مر رہا ہے۔ گھر کا خیال آتے ہی میرے آس پاس پھر سے اسی اداسی کی گہری دھند اور کہرا چھا گیا جو میرے آس پاس باقی تمام مناظر دھندلا دیتا تھا۔

اچانک مجھے اوپر کی منزل سے پھر وہی ہلکے قدموں کی چاپ اور کسی تالے کے کھلنے جیسا کھٹکا سنائی دیا۔ اس بار مجھے اپنی سماعتوں پر بالکل شک نہیں ہوا۔ میں بجلی کی تیزی سے اپنے کمرے سے نکلا اور اوپر کی منزل کی جانب لپکا۔ اوپر راہداری مکمل اندھیری اور سنسان تھی۔ اچانک ایک ستون کے پیچھے بیچ دالان سے آتی روشنی کے ایک ٹکڑے میں مجھے کسی ہیولے کا سایہ سا دکھائی دیا۔ کوئی شخص اپنے آپ کو بڑی سی کالی چادر میں لپیٹے میری موجودگی سے بے خبر دوسری منزل پر بنے کسی کمرے میں داخل ہو گیا۔ میرے پاس فیصلہ کرنے کے لیے بہت کم وقت تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس دروازے کے باہر دیوار سے ٹیک لگا کر اپنا سانس روکے کھڑا تھا۔ اس کمرے کا ایک ہی دروازہ کھلا تھا اور دوسرے بڑے دروازے کے باہر لگا بڑا سا تالہ مجھے یہاں سے بھی بند نظر آ رہا تھا۔ لمحے برسوں کی طرح گزرنے لگے۔ جانے وہ اتنی دیر تک اندر کیا کر رہا تھا۔ قریباً بیس منٹ بیس صدیوں کی طرح بتانے کے بعد میں نے آخر کار خود اندر جانے کا فیصلہ کر لیا لیکن ٹھیک اسی وقت اندر سے کسی کے دھیمے قدموں کی چاپ نے مجھے پھر سے دم سادھے پر مجبور کر دیا۔

کوئی دھیرے دھیرے چلتا ہوا دروازے تک آیا اور پھر اس نے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ میرے ہاتھ کے پنجے کی مضبوط گرفت نے اس اجنبی کی کلائی کو جکڑ لیا مجھے موسیٰ کا دیا ہوا ابتدائی سبق یاد آیا۔ دشمن کے ہاتھ کو سب سے پہلے قابو کر لو تو وہ آدھا رہ جاتا ہے کیونکہ سب سے پہلی جدوجہد اور کوشش ہاتھ کی ہی ہوتی ہے۔ مخالف کا ہاتھ ناکارہ کر دو تو آدھی جیت پہلے ہی اپنے نام ہو جاتی ہے۔

لیکن اس سے پہلے کہ میں اس کی کلائی کو جھٹکا دے کر ناکارہ کرتا، فرش پر بہت سی کانچ کی چوڑیاں اور کنگن ٹوٹ کر گرنے کی آواز گونجی۔ میں نے گھبرا کر ہاتھ چھوڑ دیا۔ سیاہ شال کے نیچے سے ایک سسکی سی ابھری۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے اجنبی کی چادر الٹا دی۔ فضا میں ایک کوندا سا لپکا اور کسی کی سنہری زلفیں تیز ہوا سے اڑیں اور کسی چاند چہرے سے لپٹ کر خود نقاب بن گئیں۔ وہ فضہ تھی جو اس قدر خوف زدہ ہو چکی تھی کہ اس کے کانپتے لبوں سے آواز تک نہیں نکل پا رہی تھی۔ اس کی کلائی سے چوڑیاں ٹوٹنے کی وجہ سے خون کی ایک پتلی سی لکیر ابھر کر بہنے کو تیار تھی۔ میں نے اس سے پہلے آج تک کبھی بھی فضہ کو بنا اسکارف یا کھلے بالوں کے ساتھ نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے سر کو ڈھانپے رکھتی تھی۔ میرے سامنے لرزتی کانپتی سی ایک نئی فضہ کھڑی تھی۔ اس سے پہلے وہ خوف کے مارے بے ہوش ہو کر گر پڑتی میں نے جلدی سے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"ہوش میں آئیے... یہ میں ہوں..... آیان....."

فضہ نے ایک جھرجھری سی لی۔ میں نے جلدی سے اپنی جیب سے رومال نکال کر اس کی کلائی پر باندھا

"آپ اس وقت آدھی رات کو یہاں کیا کر رہی ہیں؟" وہ ہکلائی "میں..... میں تو لائبریری سے چند کتابیں پرانی واپس رکھنے آئی تھی..... دراصل میرے بھائیوں کو میرا دن کے وقت یہاں مردانے کی لائبریری میں آنا
ہے—— اس لیے میں چھپ کر رات کو یہاں آتی ہوں..... ہفتے میں دو مرتبہ....." میری نظر فضہ کے دوسرے
پکڑی ایک کتاب پر پڑی "لیکن آپ اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں.....؟؟....." مجھ سے کوئی جواب
پایا "میں—— میں تو آہٹ سن کر اوپر آ گیا تھا۔ میں سمجھا کوئی اجنبی کسی غلط ارادے سے حویلی میں آ گھسا ہے"
فضہ کو اپنے ننگے اور کھلے سر کا خیال آیا اور اس نے جلدی سے خود کو اسی بڑی شال سے ڈھانپ لیا۔ ہم دونوں
عجیب سی صورت حال میں پھنسے ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔ پھر فضہ نے ہی مشکل کا حل نکالا "
چلتی ہوں..... سو جاگ گئیں تو پریشان ہوں گی۔ میں انہیں بتا کے نہیں آئی ہوں——"

"چلیں میں آپ کو زنان خانے کی راہداری تک چھوڑ دیتا ہوں..... راستے میں بہت اندھیرا ہوگا"
دھیرے سے مسکرائی "مجھے اندھیرے سے ڈر نہیں لگتا..... لیکن آج اندھیرے کے محافظ نے بری طرح ڈرا دیا۔
جا کر سو جائیے بہت دیر ہو گئی ہے....." فضہ وہاں سے پلٹ کر چل دی۔ میں اپنی جگہ یوں ہی ساکت کھڑا رہا
نے راہداری کے اختتام پر مڑنے سے پہلے مجھے پلٹ کر دیکھا اور دھیرے سے آداب کا اشارہ کرتی ہوئی اندھیر[ے میں]
غائب ہو گئی۔ مجھے میری ہتھیلی میں ہلکی سی چبھن کا احساس ہوا میں نے ہاتھ کھول کر دیکھا تو میری ہتھیلی میں فضہ [کی]
ہوئی چوڑی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا کھب کر پھنسا رہ گیا تھا۔ میں نے بے خیالی میں وہ خوبصورت "پھانس" اپنی ہتھ[یلی سے]
نکالی اور خود میری ہتھیلی پر بھی خون کی چند ننھی منی بوندیں ابھر آئیں۔

میں تھکے تھکے قدموں سے اپنے کمرے میں لوٹ آیا مگر پھر صبح تک نیند میری آنکھوں سے میرے نص[یب کی]
طرح روٹھی رہی۔ صبح ناشتے پر پاشا صاحب نے مجھے اطلاع دی کہ نواب صاحب آج سے مردانے میں منتقل ہو
خبر مشہور کروا دیں گے اور پھر سب سے پہلے حویلی کے ڈھنڈورچی شمعون نے ہی مجھ تک رازدارانہ انداز میں
پہنچائی "کیا بتائیں آیان میاں..... لگتا ہے حویلی کو کسی کی سیاہ نظر کھا گئی ہے۔ اب پتہ چلا ہے کہ نواب صاحب
بیگم کے درمیان کچھ ناچاقی ہو گئی ہے شاید۔ تبھی تو انہوں نے اپنی مردان خانے والی خواب گاہ کی صفائی کا حکم
ہے۔ آج شام سے وہ خود بھی مردانے میں منتقل ہو رہے ہیں۔ اللہ ہی خیر کرے——" شمعون نہ جانے اور کیا کچھ
لیکن میری نظر بار بار اپنی ہتھیلی کے اس ننھے منے سے گھاؤ پر جا کر رک جاتی تھی جو گزشتہ رات سے میری تقدیر کی
لکیروں میں کسی جگنو کی طرح جگمگا رہا تھا۔

چار بجے میں ٹیوشن کے لیے زنان خانے پہنچا تو فضہ کو پہلی مرتبہ کچھ بے اعتماد اور الجھا سا پایا۔ میں
اس سے نظر ملانے سے نہ جانے کیوں کترا رہا تھا۔ اس روز ہمارا موضوع بھی کچھ تشنہ ہی رہا۔ فضہ مجھ سے تاریخ
ملکہ کی ایجادات کے بارے میں کچھ بات کرنا چاہتی تھی لیکن اس کے لفظ کچھ بے ربط سے تھے "آپ نہیں سمجھتے
جہاں نے عطر ایجاد کر کے اپنے عہد کو کتنا عظیم تحفہ دیا تھا" میں مسکرایا "کون جانے وہ ایجاد نور جہاں کی ہی تھی یا
نے اپنی کسی کنیز یا غلام کی تحقیق کو اپنے نام کر لیا تھا" وہ بحث کے موڈ میں تھی "نہیں...... آپ صرف ا
کے ایک شک کی وجہ سے اتنا بڑا سہرا اس ملکہ سے نہیں چھین سکتے، اور پھر ایک عطر کی ایجاد پر ہی کیا منحصر
میں اس کی ایجادات کے ہاتھوں نے ہمارے لیے زندگی بے حد سہل اور آسان نہیں کر دی؟ ہم سے پہلے

کچھ تو کر گئے ہیں ہمارے لیے......" میں نے ایک گہری سانس لی۔" لیکن کتنا بڑا المیہ ہے کہ انسان نے انسان کے لیے ایجادات کی صورت میں جو بھی آسانیاں پیدا کیں ہم انسانوں نے ہی ان کا حصول چند سکوں سے منسلک کر کے خود اپنی ہی زندگی کو پھر سے اپنے لیے کس قدر مشکل بنا دیا ہے۔ کاش اس دنیا میں یہ روپے پیسے اور سکے وجود میں ہی نہ آتے..... اگر ہم زندگی کو اس بے جان اور مادی پیمانے پر نہ پرکھ سکتے تو کتنا اچھا ہوتا..... تب یہاں کوئی امیر ہوتا نہ کوئی غریب..... صرف انسان ہوتے..... سب برابر اور یکساں انسان....."

فضہ غور سے میری جانب دیکھتی رہی۔" کبھی کبھی آپ بالکل فرہاد کی طرح باتیں کرتے ہیں۔ اسے بھی یہ دنیاوی تقسیم اور روپے پیسے کی بنیاد پر اونچ نیچ سخت زہر لگتی تھی..... وہ بھی بالکل آپ جیسا تھا۔" فضہ اپنی رو میں کچھ کہتے کہتے رک سی گئی۔ میں نے اس کے چہرے کے اترتے چڑھتے رنگ کو بغور دیکھا۔" یہ فرہاد کون ہے.....؟" فضہ نے مجھ سے نظریں چرا لیں۔" ہے نہیں..... تھا..... تہران یونیورسٹی میں میرا ہم جماعت تھا۔ میرا بہترین دوست..... میرا ہم نفس.....۔"

"تھا کیوں..... ہے کیوں نہیں.....؟" فضہ دور خلا میں دیکھ رہی تھی" آغا جان کو میرا اس سے ملنا جلنا پسند نہیں تھا۔ وہ غریب تھا مگر اس کے خیالات انقلابی تھے..... اور رئیس و امراء کو انقلاب ذرا کم ہی بھاتا ہے....." میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تو آپ نے ہتھیار کیوں ڈال دیے..... آپ بھی اس انقلاب میں فرہاد کی مددگار کیوں نہیں بن گئیں.....؟" فضہ اداس ہو گئی۔

"انقلابیوں کی کوئی منزل نہیں ہوتی..... کبھی کبھی انقلاب تین چار نسلوں تک صرف ایک سراب ہی رہتا ہے۔ میں اس کے ساتھ چلنے کے لیے تیار تھی..... مگر وہ مجھے ان کانٹوں میں گھسیٹنے کے حق میں نہیں تھا۔ لہٰذا چپ چاپ سب چھوڑ چھاڑ کر اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لیے وظیفے پر جرمنی چلا گیا، اور میں دو سال بعد آغا جان کے اصرار پر یہاں آ گئی..... تب سے ہمارا کوئی رابطہ نہیں رہا....." فضہ نے آج پہلی بار اپنا دل میرے سامنے کھولا تھا۔ تو اس نازنین کو بھی دنیا میں منفرد اور جدا رکھنے والا یہ "محبت" نامی پارس ہی تھا۔ ہاں..... سچ ہے..... محبت کی تاثیر بھی تو پارس پتھر جیسی ہی تھی۔ جس نے آج تک جس کسی کو بھی چھوا اسے سونا کر دیا، لیکن اس کے اندر سے روح کھینچ لی۔ دنیا کے بھی محبت کرنے والے اس پارس سے چھو جانے کے بعد بنا روح اور جان کے سونے کی مورتیوں جیسی زندگی ہی تو گزارتے ہیں۔ میں نہ جانے کن خیالات میں کھویا رہا اور مجھے پتہ بھی نہیں چلا کہ فضہ مجھے غور سے دیکھ رہی ہے۔

"کیا آپ کی زندگی میں بھی کوئی ہے یا تھا جس کے لیے آپ کی یہ آنکھیں بار بار چھلملا سی جاتی ہیں....."

میں نے چونک کر جلدی سے آنکھیں مسل ڈالیں..... کبھی کبھی ہماری نظریں ہمیں چلتا پھرتا اشتہار بنا دیتی ہیں۔" پتا نہیں..... وہ تھی بھی کہ نہیں..... محبت یک طرفہ ہو تو اس کا نام محبت نہیں الزام رکھ دینا چاہیے..... مجھ پر بھی اسی ادھوری محبت کا الزام ہے..... اور شاید سدا رہے گا۔" میں نے فضہ کو گہنا کے بارے میں مختصراً بتا دیا۔ وہ چپ چاپ سنتی رہی۔ میں نے رنگا کے اڈے سے تعلق کے علاوہ اسے یہ بھی بتایا کہ ستارہ کا یہ کہنا ہے کہ کبھی کبھی محبت ہم پر ظاہر ہونے اور اپنا آپ منوانے میں بہت وقت لیتی ہے، اور کبھی کبھی خود ہمارے اندر کی یہ دہری بازیاں پلٹ دیتی ہے۔ لیکن میں تو پیار کی پہلی بازی ہی اس بری طرح ہارا تھا کہ اب کسی اور محبت کی گنجائش ہی کب بچی تھی میرے اندر۔ مجھے تو اب اس

لفظ محبت سے ہی نفرت محسوس ہوتا تھا۔ اس دن میں فضہ کے پاس سے اٹھ تو آیا لیکن ہم دونوں کے اندر ک
سوال تشنہ رہ گئے تھے۔

شام کو نواب صاحب بھی مردان خانے والی اپنی خواب گاہ میں منتقل ہو چکے تھے اور مردان خانے
کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ شمعون ڈانٹ ڈپٹ کر سب کو حکم دے رہا تھا۔ نواز کی تیز نظریں سب پر جمی ہوئی تھ
کے دونوں بیٹے بھی رات کے کھانے پر موجود تھے لیکن دونوں کے انداز میں سرد مہری نمایاں تھی۔ کھانے
صاحب نیند کا بہانہ کر کے جلدی اٹھ گئے اور اپنی خواب گاہ کی جانب بڑھ گئے میں نے قہوے کے دور چلنے تک
کیا اور پھر میں بھی اجازت لے کر اٹھ آیا۔ کسی کو پتہ نہیں چل پایا کہ پاشا صاحب نے نواب صاحب کو کس
کمرے میں منتقل کیا اور کب میں اپنے کمرے کی جانب جاتے جاتے نواب صاحب کی خواب گاہ میں دا
دونوں ہی کمرے پہلی منزل پر تھے اور تقریباً ایک دوسرے کے بالمقابل بھی تھے۔ میں نے کمرے میں داخل
صفر کے ایک بلب کے علاوہ باقی تمام روشنیاں گل کر دیں۔ پتہ نہیں کیوں آج میرا دل کسی انہونی کی گواہی د
میں نے خود کو بستر پر ڈال دیا اور آنکھیں موند کر اپنے اندر کے اندھیروں سے لڑتا رہا۔ رات کے دو بج چکے
گھڑیال کی ٹک ٹک باقاعدہ میرے ذہن پر کسی ہتھوڑے کی طرح بج رہی تھی۔ اچانک کمرے کی باغیچے کی
والی بالکنی میں ہلکا سا کھٹکا ہوا۔ آواز بہت مدہم اور خفیف سی تھی اگر میں ہلکی سی غنودگی میں بھی ہوتا تو مجھے ہرگز
میں نے اپنی سانس روک لی۔ اندھیرے میں ایک ہاتھ کھڑکی کی ہلکی سی کھلی درز سے اندر داخل ہوا مطلب وہ
تھا اس نے اپنے اندر آنے کا راستہ پہلے سے ہی ہموار کر رکھا تھا۔ میرا دل تیزی سے دھڑکا۔

باب 23

آنے والے نے خود کو نقاب اور ایک کالی چادر سے ڈھانپ رکھا تھا۔ سیاہ رنگ شاید اپنے اندر مدغم ہو جانے والا سب سے زیادہ گہرا رنگ ہوتا ہے۔ تبھی تو اس کی رات کے اندھیرے سے اس قدر دوستی ہوتی ہے۔ نقاب پوش نے نہایت احتیاط سے ہر مقام پر رک کر اطمینان کیا کہ کہیں اس کی کوئی آہٹ سونے والے کو ہوشیار نہ کر دے۔ میں نے جسم پر پڑی چادر کو اس طرح چہرے تک اوڑھ لیا تھا کہ صرف ایک پتلی سی جھری باقی تھی جس کے ذریعے مجھے اس کی حرکات و سکنات کی ایک نامکمل سی جھلک نظر آ رہی تھی۔ دفعتاً مجھے نقاب پوش کے ہاتھ میں کسی خنجر کی دھار صفر کے بلب کی ادھوری روشنی میں چمکتی نظر آئی۔ میرا سارا جسم اکڑنے لگا۔ مجھے اپنی موت کو اپنے اس قدر نزدیک آنے دینا تھا کہ وہ قاتل میرے ہاتھوں سے نکل کر مجھ سے تھانہ ہو جائے اور اس کے لیے مجھے اس کے قدموں کو گنتے رہنا تھا کیونکہ چادر کے نیچے سے اب وہ مجھے کسی پرچھائیں کی طرح بھی دکھائی نہیں دے پا رہا تھا۔ میں نے موسیٰ کا سبق یاد کیا...... اندھیرے میں دشمن کی چاپ اور اس کی سانس کے ہانپنے کی آواز سے اس کا اندازہ لگاتے رہو اور ٹھیک وقت پر اس پر جھپٹ پڑو...... لیکن یاد رہے کہ اندھیرے میں کیے گئے وار سے دونوں کو بیک وقت ایک جیسا خطرہ رہتا ہے۔ لہٰذا ہاتھ چوک گیا تو سمجھو کہ کھیل ختم...... "میں نے دل ہی دل میں الٹی گنتی شروع کر دی۔ "پانچ، چار، تین، دو...... ایک...... اور اچانک ہی میں نے چادر الٹ کر پھینک دی۔ ٹھیک میرے اندازے کے مطابق نقاب پوش کا ہاتھ مجھ پر حتمی وار کے لیے فضا میں بلند ہو چکا تھا۔ میرے کروٹ لینے اور اس کے گھبرا کر تیزی سے نیچے آتے ہاتھ میں شاید سیکنڈ کے کسی ہزارویں حصے کا فرق تھا۔ میں نے کروٹ لی اور خنجر میرے کرتے کو چیرتا ہوا بستر کے نرم فوم میں دھنس گیا۔ نقاب پوش نے گھبرا کر خنجر دوبارہ نکالنے کی کوشش کی لیکن تب تک میرا ہاتھ اس کی کلائی کو جکڑ چکا تھا کہتے ہیں وحشت میں انسان کی طاقت دوگنی ہو جاتی ہے۔ اس کا مظاہرہ میرے سامنے تھا۔ دوسرے ہی لمحے نقاب پوش باقاعدہ اپنی پوری قوت سے مجھ پر اپنا سارا بوجھ ڈال چکا تھا۔ اس کا فولادی گھٹنا ٹھیک میری شہ رگ کے اوپر اپنا قاتل دباؤ بڑھا رہا تھا جب کہ وہ دوسرے ہاتھ سے اپنے خنجر کو پھر سے تولنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ موسیٰ ہمیشہ کی طرح میرے ذہن میں اپنے تمام داؤ اور گروں کے ساتھ موجود تھا۔

"ڈھال پڑنے لگو تو بازی پلٹنے سے پہلے اپنی تمام طاقت مجتمع کر کے مخالف پر پل پڑو...... یاد رہے...... کبھی کبھی زیادہ دیر تک خود کو روکے رکھنا بھی مات کا باعث بن سکتا ہے۔" میں نے اب تک اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ نقاب پوش کو کوئی ایسی چوٹ نہ لگ جائے جو جان لیوا ثابت ہو سکتی ہو کیونکہ اس کی موت سے ہمارا مقصد حل نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ زندہ رہتا تو ہمیں بہت سے راز کھول جاتا۔ لیکن اب میں نے یہ احتیاط ترک کر کے اس سے نپٹنے کا فیصلہ کر لیا
کر پوری قوت سے اسے پیچھے کی جانب اچھال دی۔ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کہیں دور جا گرا اور پھر
اٹھنے کا موقع نہیں دیا۔ میری ٹھوکروں نے تھوڑی ہی دیر میں اسے بآواز بلند چیخنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے کھڑکی کی
باہر بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس کی کلائی پر میری گرفت بہت مضبوط تھی۔ فضا میں ہڈی ٹوٹنے کی آواز گونجی اور
سے ایک بلند چیخ ابھری اور وہ اپنا ہاتھ پکڑ کر وہیں نڈھال ہو کر گر پڑا۔ اس عرصے میں اس تمام شور و غل سے حو
خانے کے بھی افراد جاگ کر میرے دروازے پر جمع ہو کر بری طرح سے پیٹ رہے تھے میں نے آگے بڑھ
کے چہرے سے نقاب کھینچ لیا اور میرے منہ سے بے اختیار نکلا "رحیم...... تم...... مگر...... مگر کیوں......" میں نے
دروازہ کھول دیا۔ سب سے آگے نواب صاحب اور ان کے عقب میں دونوں بیٹے۔ پاشا اور نواز سمیت بھی تیز
میں گھس آئے۔ ان کے سامنے حویلی کا سب سے پرانا اور بظاہر سب سے زیادہ خدمت گار اور وفادار ملازم رحیم
نیجر کی حیثیت سے برسوں سے یہاں موجود تھا اس وقت زمین پر آ دھا ز چھاپڑا اور درد سے کراہ رہا تھا۔ نواب صاح
ہو کر وہیں ڈھے سے گئے "رحیم...... تم نے یہ سب کیوں کیا...... میری شفقت میں کیا کمی رہ گئی تھی...... بو
دو......" لیکن نواب صاحب کے سوال کے جواب میں رحیم کے پاس ایک خاموشی تھی۔ نواب کے بیٹے چلا
کیا ہو رہا ہے......؟...... اس لڑکے نے رحیم کی یہ حالت کیوں بنائی ہے۔ یہ سب حویلی میں کیا چل رہا ہے......

نواب صاحب نے سب کو واپس اپنے اپنے کمروں میں جانے کا حکم دے دیا "اس وقت کچھ بھی
نہیں ہوگا۔ کل صبح دس بجے مرکزی دالان میں سب کے سامنے یہ راز بھی کھول دیا جائے گا۔ فی الحال آپ
اپنے کمروں میں جا کر آرام کریں۔ میں تنہائی میں رحیم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں......"

وقار اور سجاد نہ چاہتے ہوئے بھی بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے نکل گئے اور پھر سب تو کر ایک ایک
سے چل دیے۔ نواب صاحب نے آخر میں مجھے اور پاشا صاحب کو وہیں روک لیا۔

رحیم اب سکڑ سمٹ کر وہیں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ چکا تھا۔ میں نے سب کے جانے کے
بند کر دیا اور نواب صاحب کی طرف پلٹا "نواب صاحب...... آپ کا دشمن آپ کے سامنے ہے لیکن اس پر
افشا ہو چکا ہے...... لہٰذا اب اس کا زندہ رہنا ہم میں سے کسی کے مفاد میں نہیں...... بہتر یہی ہے کہ اس کی قی
کے پچھواڑے بنا دی جائے باقی سب سارنگا استاد سنبھال لے گا......" سارنگا کا نام سن کر رحیم کے ساکت ج
جھرجھری سی پیدا ہوئی۔ پاشا صاحب میرا اشارہ سمجھ چکے تھے۔ انہوں نے بھی میری تائید کی۔ "ہاں...... آ
رہا ہے نواب صاحب...... اب یہ کھیل یہیں ختم ہو جائے تو بہتر ہے۔ آپ کا مسئلہ تو حل ہو ہی چکا......" "نوا
اب ہماری منشا سمجھ میں آئی اور انہوں نے ایک لمبا سا سانس لیا "ٹھیک ہے...... اگر آپ دونوں کی یہ مرضی
ہی...... لیکن دھیان رہے...... یہ میرا بہت پرانا آدمی ہے...... زیادہ تکلیف نہ ہو......" نواب صاحب واپس
لیے پلٹے اور رحیم لپک کر ان کے قدموں سے لپٹ گیا "خدا کے لیے...... مجھے ان کے حوالے کر کے نہ جا
سے بہت بڑی بھول ہوگئی صاحب...... میں سب بتانے کے لیے تیار ہوں...... مجھے اس کام کے لیے نواب بیگ
تھا۔" ہم سب کے سروں پر ایک بم پھٹا اور ہم سب ساکت کھڑے رہ گئے، لیکن سب
[illegible]

حالت دیکھ کر بوکھلا گئے اور بڑی مشکل سے ہم نے انہیں چند گھونٹ پانی پلا کر کچھ دیر کے لیے لٹا دیا۔ رحیم جو اپنے مالک کی جان لینے کے درپے تھا اور چند لمحے پہلے ان کے سینے میں خنجر گھونپنے کے لیے بے تاب تھا اب خود روتے ہوئے تیزی سے بھاگ بھاگ کر نواب صاحب کی خدمت کر رہا تھا۔ ان کے ہاتھ پاؤں مسل کر انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا اور نہ جانے دل ہی دل میں کون کون سی دعائیں پڑھ کر ان پر پھونک رہا تھا۔ انسان کے کتنے رنگ ہیں یہ شاید کبھی کوئی نہ جان پائے۔ شیطان اور رحمان کتنے ٹکڑوں میں بٹ کر اس کے اندر پلتے ہیں اس کا اندازہ آج تک کوئی نہیں لگا پایا۔

خدا خدا کر کے دو گھنٹے بعد نواب صاحب کی طبیعت کچھ سنبھلی، لیکن اب وہ ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح خاموش بیٹھے رہے۔ رحیم نے دھیرے دھیرے ساری بات کھول دی کہ نواب خاتون کے دل میں یہ خناس آج کا نہیں بلکہ برسوں پرانا ہے جب ان کے شوہر یعنی نواب صاحب کے بڑے بھائی نواب امیر الملک کا ایک حادثے میں انتقال ہوا تھا۔ دونوں بھائی شکار کے لیے گھر سے نکلے اور پھر بھوپال کے جنگلات میں سے ان دو میں سے ایک بھائی ہی واپس گھر پہنچا تھا۔ کہتے ہیں کہ اونچی مچان کا عین شیر کے حملے کے وقت ٹوٹ جانا اور بڑے بھائی کا زمین پر گر جانا اس حادثے کا باعث بن گیا تھا۔ اس وقت رحیم کا باپ جو ان دو بھائیوں کی مخبری کرتا تھا وہ بھی اپنے بڑے مالک کو بچانے کے لیے نیچے کود گیا مگر افسوس دونوں میں سے کوئی نہیں بچ پایا۔ جنگل سے دو لاشیں گھر پہنچیں تو ایک کہرام مچ گیا۔ تین دن تک تو نواب خاتون کو کوئی ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر نہ جانے کس بدخواہ نے ان کے کان میں یہ بات ڈال دی کہ بھائی کی مدد کو مخبر کے بجائے چھوٹا بھائی کیوں نہیں کودا۔ رفتہ رفتہ یہ سوال ان کے اندر پک پک کر ناسور بنتا چلا گیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ دولت، جائیداد اور جاگیر کی خاطر چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کو مار ڈالا، اور پھر نواب خاتون نے اپنے اس خود ساختہ یقین کے سہارے نواب دبیر اور ان کے پورے خاندان سے انتقام لینے کی ٹھان لی۔ گھر کے اندر دونوں بھائیوں میں سدا کے لیے پھوٹ ڈال کر انہوں نے ہر طرح سے گھر کا سکون ہمیشہ کے لیے برباد کیے رکھا لیکن ایک عورت ہونے کی وجہ سے ان کی بھی کچھ مجبوریاں تھیں لہٰذا انہوں نے رحیم کو اپنے ساتھ ملانے کا منصوبہ بنایا۔ رحیم کا باپ بھی اس حادثے میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا اور رحیم کو اسی کے باپ کی وفاداری کے صلے میں مخبری کی نوکری دی گئی تھی، لیکن نواب خاتون نے رحیم کے دل میں شک کا بیج بو دیا کہ وہ دونوں کسی حادثے میں نہیں بلکہ باقاعدہ ایک منصوبے کے تحت موت کے گھاٹ اتارے گئے تھے اور پھر آخر کار شک کا وہ کڑوا زہر رحیم کی رگوں میں بھی پھیلتا چلا گیا کہ اس کے باپ کا قاتل بھی نواب دبیر ہی ہے۔ لہٰذا اس نے نواب خاتون کا ساتھ دینے کی ہامی بھر لی۔ تب سے اب تک وہ نواب پر تقریباً سات وار کر چکا تھا مگر نواب کی تقدیر ہمیشہ نواب خاتون کی تدبیر کے آڑے آتی رہی اور آج آخر کار اس کہانی کا انجام بھی ہمارے سامنے تھا۔

رحیم بات ختم کر کے سر گھٹنوں میں دیے بیٹھا روتا رہا۔ نواب صاحب نے ہم سے درخواست کی کہ وہ کچھ دیر کے لیے تنہا رہنا چاہتے ہیں لہٰذا ہم اب اپنے کمروں میں جا کر آرام کریں اور انہیں تنہا چھوڑ دیں۔ رحیم سے انہوں نے بس اتنا کہا کہ وہ آزاد ہے۔ جہاں جانا چاہے جا سکتا ہے۔ ہمارے کمرے سے نکلنے کے بعد انہوں نے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ پاشا صاحب ان کی ذہنی حالت کے مدنظر بہت سے شکوک و شبہات کا شکار تھے۔ خود میرے دل میں بھی صبح تک عجیب عجیب وسوسے آتے رہے اور پھر دن چڑھے محسن تیزی سے بھاگتا ہوا میرے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

"وہ نواب صاحب..... نواب صاحب....." میں گھبرا کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا.....

"کیا ہوا نواب صاحب کو....."

باب 24، 25

چند لمحے کے لیے تو مجھے یوں لگا کہ میرے سارے حواس ہی معطل ہو چکے ہیں۔ میں نے
"بولتے کیوں نہیں.....؟..... نواب صاحب ٹھیک تو ہیں نا.....!" محسن نے اپنی سانس درست کی "کیا
ہیں بھی یا نہیں..... لگتا ہے ساری رات کسی شدید کرب میں روتے رہے ہیں۔ انہوں نے حویلی کے زنا
کے سبھی لوگوں کو بڑے دالان میں جمع کرنے کا کہا ہے مجھے..... سچ..... آج تو مجھے ان سے شدید خوف
ہے۔" محسن مجھے اطلاع دے کر باقی لوگوں کو بلانے کے لیے الٹے پاؤں دوڑ گیا۔ نواب صاحب نے
افراد کو ایک ساتھ کیوں طلب کیا ہے؟..... میں یہی سوچتے ہوئے کچھ دیر بعد زمرد حویلی کے مرکزی دالا
نعت خانم، نواب کے بیٹوں سمیت حویلی کا ہر فرد چھوٹے بڑے سبھی ملازم، نواز اور اس کا عملہ حتیٰ کہ د
موجود تھے۔ ایک جانب رحیم بھی گم سم سا کھڑا تھا۔ اس نے نواب کی پیشکش کے باوجود فرار کی راہ اختیا
کہتے ہیں انسان کا سب سے بڑا فرار خود اس کے اندر لگے آئینے سے اوجھل ہونا ہوتا ہے۔ اگر کوئی اس آ
چھپ سکے تو پھر دنیا کے بھی فرار بس برائے نام ہیں۔ کوئی چھپنے کی کوشش کرے تو خود سے چھپے ورنہ خود کو
ہے، اور پھر کچھ دیر بعد نواب خاتون بھی ستے ہوئے چہرے اور سوجی ہوئی سرخ آنکھوں کے ساتھ وہاں آ
آمد پر حسب معمول نواب دبیر سمیت حویلی کے ہر فرد نے انہیں اٹھ کر تعظیم دی۔ نواب خاتون کی وہ دو مخصو
جو ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتی تھیں آج بھی ان کے پیچھے دائیں بائیں موجود تھیں مطلب ان سے ابھی تک
واپس نہیں لی گئی تھیں، لیکن نواب خاتون کا چہرہ بتا رہا تھا کہ انہیں رحیم کے ذریعے ساری بات کھل جانے
چکی ہے لیکن میں نے آج بھی نواب صاحب کو ان کی تعظیم کے لیے اٹھتے دیکھا تو مجھے ریت رواجوں میں
شخص کے لیے خود اپنے دل میں بڑی قدر محسوس ہوئی۔ نواب دبیر واقعی ایک اعلیٰ ظرف انسان تھے۔

نواب صاحب نے کچھ دیر تک سب کے بیٹھ جانے کا انتظار کیا۔ پھر انہوں نے پاشا صاحب کو
کا اشارہ کیا۔ پاشا صاحب اٹھ کر نواب صاحب کے ساتھ سب کے سامنے جا کھڑے ہوئے "آج چند ایک
لوگوں کے علم میں آ چکی ہوگی جس سے آپ میں سے کوئی بھی پہلے واقف نہیں تھا۔ دراصل کچھ عرصے سے نو

ان کی طرف اٹھائے۔ نواب خاتون کے ہونٹ نیلے پڑ چکے تھے۔ بلکہ سا بچا کچا اس بات کی نشان دہی کر رہا تھا کہ شاید انہوں نے نواب صاحب کی جان لینے کے لیے جو زہر بچا رکھا تھا اسے وہ یہاں آنے سے پہلے خود نگل کر پی چکی تھیں۔ انتہائی عجلت میں انہیں شہر کے ہسپتال میں منتقل کیا گیا اور وہاں چند گھنٹوں بعد انہوں نے آنکھیں بھی کھولیں، لیکن شاید یہ ان کے لیے قدرت کی جانب سے کفارے کے لیے دیا جانے والا آخری موقع تھا۔ انہوں نے اپنے سرہانے بیٹھے نواب دبیر سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی اور پھر ہمیشہ کے لیے آنکھیں موند لیں۔ زمرد حویلی ایک بار پھر اجڑ گئی۔ نواب خاتون نے اس روز بڑے دالان میں آنے سے پہلے ہی زہر چکھ لیا تھا۔ انہیں شبہ تھا کہ نواب دبیر کبھی معاف نہیں کریں گے اور سارے زمانے میں ان کی رسوائی الگ ہوگی لہٰذا انہوں نے یہ آخری بازی مات ہونے سے پہلے ہی اپنی زندگی کی بازی ہار جانے کا فیصلہ کر لیا۔ کاش وہ نواب صاحب کے ظرف کا تھوڑا سا بھی اندازہ کر لیتیں تو یہ سب کچھ نہ ہوتا، لیکن بات اگر ظرف کی شناخت کی ہی ہوتی تو وہ بھلا نواب دبیر کے خلاف اتنے سال تک اپنے دل میں یہ عداوت اور دشمنی ہی کیوں پالے رکھتیں.....؟؟

نواب خاتون کا تیسرا بھی ہو گیا اور حویلی کی وحشت اور ویرانی میں کوئی کمی نہیں ہو پائی۔ میں اب نواب صاحب سے اجازت لینا چاہتا تھا کیونکہ میرا کام یہاں ختم ہو چکا تھا، لیکن اس سے پہلے مجھے اس مہ جبیں سے بھی معافی مانگنی تھی جس سے اپنی شناخت چھپانے کے جرم کا بوجھ اب مجھے کچلے جا رہا تھا، لیکن کوئی ایسا موقع یا بہانہ مجھے مل نہیں پایا کہ میں فضہ تک اپنا پیغام پہنچا سکوں۔ رحیم نہ جانے کہاں چلا گیا تھا اور حویلی کے زیادہ تر فرائض اب نواز اور محسن کے کاندھوں پر آن پڑے تھے۔ اس رات کے واقعے کے بعد نواز اور حویلی کے باقی سبھی ملازمین کی نظروں میں حیرت کے ساتھ ساتھ میرے لیے ایک خاص احترام کی جھلک بھی واضح دکھائی دیتی تھی۔ جب سے انہیں یہ پتہ چلا تھا کہ میرا تعلق سارنگا کے اڈے سے ہے اور میں نواب صاحب کی حفاظت کی خاطر یہاں آیا تھا تب سے وہ میرا خصوصی خیال رکھنے لگے تھے۔ نواز دن میں تین چار بار سلام کرنے ضرور آتا تھا اور محسن نے تو جیسے میرے کمرے کی راہ ہی پکڑ لی تھی۔ "آیان میاں..... محسن کی نظر نے تو پہلے روز ہی بھانپ لیا تھا کہ آپ ضرور کسی خاص مقصد سے یہاں آئے ہیں..... آپ کی نگاہ کا تو میں پہلے دن سے معترف ہو گیا تھا جب آپ نے طائرانہ جائزہ لیا تھا زمرد حویلی کا..... آپ جانتے ہیں کہ جب سے رحیم پکڑا گیا ہے چاروں طرف آپ کے نام کی دھوم ہے حویلی میں..... اور وہ کھڑدس نواز تو جیسے آپ کا مرید ہی ہو گیا ہے۔ کہتا ہے میں آیان بھائی سے کچھ سیکھے بغیر انہیں جانے نہیں دوں گا..... آخر آپ سارنگا کے اڈے کی شان جو ہو....." گویا اڈے کے ساتھ جڑی شہرت یا بدنامی نے حویلی میں بھی ڈیرہ جما لیا تھا۔ میں نے محسن ہی کے ذریعے فضہ کو پیغام بھجوانے کی ٹھان لی، لیکن براہ راست ملنے کے بجائے احتیاطاً خانم کو وسیلہ بنانے کا سوچ کر میں نے کاغذ پر فضہ کے لیے دو سطریں لکھیں کہ میں کل اس حویلی سے رخصت ہو رہا ہوں اور جانے سے پہلے اس سے ایک بار ملنا چاہتا ہوں۔ کاغذ کو لفافے میں ڈال کر میں نے محسن کے حوالے کیا کہ وہ اسے خانم کے ہاتھ میں دے آئے۔ میں جانتا تھا کہ خانم میرا پیغام فضہ تک ضرور پہنچا دیں گی۔ اب میرا فضہ کے ساتھ ایسا کوئی تعلق نہیں رہ گیا تھا کہ میں زنان خانے میں اپنی مرضی سے جا سکتا۔ میری توقع کے مطابق خانم نے محسن کے ہاتھ ہی جوابی پیغام بھجوا دیا کہ آج شام کی چائے میں ان لوگوں کے ساتھ زنان خانے میں ہی پیوں۔

چار بجے مجھے لینے کے لیے خانم کی خاص نوکرانی آ گئی۔ زنان خانے کے در و دیوار پر ایک عجیب سا سکوت

طاری تھا۔ فضہ نہر کے قریب سنگ مرمر کی ستونوں والی اپنی پسندیدہ جگہ پر موجود نہیں تھی۔ جانے اسے خانم
آنے کی اطلاع دی ہوگی یا نہیں.....؟..... خانم مرکزی ہال کے دروازے پر میرا انتظار کر رہی تھیں۔ مجھے دیکھ
سے مسکرائیں "تم اپنے اندر حیرتوں کی اتنی زیادہ سوغات لیے اتنے پرسکون کیسے رہ سکتے ہو..... جاؤ..... جا کر
سے..... وہ اپنے کمرے میں ہی ہے..... میں چائے لگوا کر تم دونوں کو اطلاع کر دوں گی۔ نواب صاحب کو بھی
زندگی مدعو کر رکھا ہے آج کی چائے کے لیے..... ورنہ انہوں نے تو اپنے کمرے سے نکلنا ہی چھوڑ دیا ہے۔
خانم کا شکریہ ادا کر کے خادمہ کی سربراہی میں آگے بڑھنے لگا تو انہوں نے پیچھے سے مجھے آواز دی۔
"آیان....." میں نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔ "میں تشکر کے دو بول بول کر تمہارے احسان کا
کروں گی..... بس اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ زندگی کے کسی موڑ پر بھی یہ نہ بھولنا کہ اب ہم بھی تمہارے اپنوں
ہیں۔ بس ہمیں اپنا سمجھنا....."

میں نے دھیرے سے مسکرا کر کہا "یہ اعزاز مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔ آپ بے فکر رہیں" خادمہ نے
کے کونے میں آخری کھلے دروازے کے جانب اشارہ کیا اور خود واپس پلٹ گئی۔ کمرے کے اندر چاروں جا
کھڑکیوں سے باہر ڈھلتے سورج کی روشنی نے عجیب زردی مائل سا اجالا پھیلا رکھا تھا لیکن یہ پھیکا پن فضہ کے
پر پھیلی زردی سے بہت کم تھی۔ کمرے کے شیلف کتابوں سے بھرے ہوئے اور گل دانوں میں بھرے پھول مر
ہوئے لگ رہے تھے۔ شاید بہت دنوں سے ان پھولوں کو تبدیل نہیں کیا گیا تھا۔ کمرے کی دیواروں پر ایران
مشہور مصوروں کی بنائی ہوئی تصاویر لگی تھیں۔ ایک جانب پڑے ہوئے موسیقی کے جدید سسٹم dio
system) کے قریب اردو اور فارسی کی غزلوں کی چند ڈسکس بھی نظر آ رہی تھیں۔ مجھے یاد آیا کہ فضہ نے مجھے
کہ وہاں کی مشہور گلوکارہ گوگوش کو آج بھی ایران میں ایک دیوی کی حیثیت حاصل ہے، لیکن فضہ اس وقت خود
ملال کی ایک ایسی دیوی کی طرح کھڑکی کے قریب کھڑی باہر دیکھ رہی تھی۔ جسے اس کا دیوتا ہمیشہ کے لیے
سوغات دے کر بچھڑ گیا ہو۔

میری آہٹ پر اس نے چونک کر پلٹ کر دیکھا اور جلدی سے خود کو سنبھالا۔ آج اس نے سر پر اسکارف
باندھا ہوا تھا۔ بس ایک سیاہ شال تھی جو بار بار اس کے سر سے سرک سرک جاتی تھی "اوہ..... آپ آگئے، معاف کیجیے
میں اپنے دھیان میں تھی..... آئیے..... بیٹھیے..... وہاں کیوں کھڑے ہیں.....؟" میں ایک جانب کھڑکی کے
بچھے صوفے پر بیٹھ گیا۔ یہاں آنے سے پہلے میں نے نہ جانے لفظوں کے کتنے انبار اپنے ذہن و دل میں جمع کر
تھے، لیکن فضہ کے سامنے آتے ہی جیسے میں اپنی یادداشت ہی کھو بیٹھا تھا۔ میں نے خود کو مجتمع کیا "میں آپ سے
چاہتا ہوں....." فضہ سر جھکائے بیٹھی رہی "جانتی ہوں لیکن اگر آپ اپنی شناخت چھپانے کے لیے کوئی معذرت
چاہتے ہیں..... تو ایسا نہ کیجیے گا..... آپ نے اپنا فرض ہی تو پورا کیا ہے..... ہاں البتہ اگر آپ میرے اندر بچے والے
پن کے لیے خود کو ذمہ دار سمجھتے ہیں تو میں بس اتنا ہی کہوں گی کہ یہ میری تقدیر میں تھا..... آپ اپنے دل کو بوجھل
کریں....." فضہ کی آواز لرز رہی تھی۔ وہ خود پر قابو پانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی لیکن اس کی آنکھیں اور آواز
ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ "میں جانتا ہوں میرا جرم بہت بڑا ہے..... لیکن مجھے اپنے منصب سے ظرف کی وسعت کا
خوب اندازہ ہے..... لہٰذا میں معذرت جیسے کم وزن لفظ استعمال کرنے نہیں آیا..... سچ یہی ہے کہ میرا تعلق زیرِ زمین

پھر اچانک ہی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی" کیوں آیان..... کیوں.....؟..... کیوں کیا آپ نے میرے ساتھ ایسا.....؟..... اگر آپ مجھے بتا بھی دیتے تو کیا میرے طرف پر آپ کو اتنا بھی بھروسہ نہیں تھا کہ میں یہ راز سنبھال پاتی....." میں اس کے یوں ایک دم رو پڑنے سے بالکل حواس باختہ سا ہو گیا" ارے ارے..... ایسے کیسے..... آپ اپنے قیمتی آنسو یوں تو نہ بہائیں..... چپ ہو جائیں..... مجھے بہت دکھ ہوگا اگر آپ ان موتیوں کو یوں ضائع کریں گی....."
میرا دل چاہا کہ میں خود اپنی ہتھیلیوں میں اس خزانے کو جذب کر لوں۔ اس نے تڑپ کر میری جانب دیکھا" اور مجھے جو دکھ ہوا ہے..... اس نقصان کی بھرپائی کیسے کریں گے آپ.....؟" مجھے اس کے اس معصوم سوال نے لاجواب کر دیا
"واقعی اس نقصان کا ازالہ تو ناممکن ہے۔ میں تو آپ کے ایک آنسو کی قیمت بھی عمر بھر ادا نہیں کر پاؤں گا..... آپ چاند نگر کی شہزادی ہیں اور میں ایک بے گھر بنجارہ..... آوارہ..... مجھے اتنا قرض دار نہ کریں کہ میں خود کو بیچ کر بھی اسے ادا نہ کر سکوں۔" فضہ نے اپنی زخمی نگاہ اٹھائی" ایسا کیوں کہتے ہیں آپ..... آپ سے ان چند دنوں میں بہت کچھ سیکھا ہے میں نے..... مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کا تعلق کس گروہ یا قبیلے سے ہے۔ آپ وہ واحد انسان ہیں جن کی باتیں سن کر فرہاد کی یاد کی کسک میرے دل سے مٹ جاتی ہے۔ مجھے آج تک لگتا تھا کہ زندگی کا بس ایک ہی زاویہ ہے جو فرہاد کے فلسفے نے میرے من کے اندر اجاگر کیا ہے، لیکن آپ سے مل کر اور آپ کے زندگی کے بارے میں نظریات جان کر میں نے اپنے اندر اک نئی فضہ کو جنم لیتے پایا تھا۔ مجھے بس یہی بات اندر سے کاٹے جا رہی ہے کہ آپ جیسا فرد یہ دوہری شناخت کیسے رکھ سکتا ہے؟..... میں آپ کی کس پہچان کو سچی سمجھوں..... کسی انڈر ورلڈ مافیا سے جڑے ایک شخص کی یا پھر اس انسان کی جو مجھے چند دنوں میں بہت کچھ دے گیا.....؟ کیا آج تک آپ نے مجھ سے جو بھی بانٹا وہ فقط صرف ایک دکھاوا تھے؟ اپنے فرض سے بندھے ایک شخص کی مجبوری تھے.....؟"۔
"نہیں..... ایسا نہیں ہے..... ہاں میں اپنے فرض اور وعدے کے ہاتھوں مجبور ضرور تھا لیکن آپ سے مل کر تو میں نے خود اپنے اندر چھپے اک نئے آیان کو ڈھونڈا ہے..... آپ سے ملاقات کسی اڈے سے وابستہ شخص کی نہیں..... ایک نئے آیان کی تھی..... جسے اپنی کم مائیگی اور آپ کی بیش قیمت کا خوب احساس ہے۔"
فضہ نے اپنی جھکی پلکیں اٹھائیں۔" نہیں..... وہ آیان بھی بہت قیمتی ہے..... فضہ سے کہیں زیادہ بیش قیمت ہے، اور ان تین چار دنوں میں اس آیان سے مل کر مجھے احساس ہو رہا ہے جیسے وہ آیان میری زندگی کا جزو بنتا جا رہا ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ فرہاد کے جانے کے بعد میرا دل اب کسی کے لیے یوں دھڑک نہیں پائے گا..... لیکن مجھے اعتراف کرنے دیں کہ اس رات لائبریری سے جب میں اپنی زخمی کلائی لے کر واپس لوٹی تھی تو شاید خود کو وہیں لائبریری کے دروازے پر ہی چھوڑ آئی تھی۔ شاید اسی رات کا یہ اثر ہے کہ میں اب تک کسی خواب کی کیفیت میں ہوں....." فضہ رو پڑی....." آیان..... مجھے ڈر ہے کہ میں کہیں آپ کی محبت میں نہ مبتلا ہو جاؤں....."

باب 26

میں گھبرا کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ مجھ سے کچھ بولا نہیں گیا۔ میں اس بھولی اور معصوم لڑکی کو یہ بھی نہ ک
کہ ایسے رازوں کی چار دیواری میں ہی قید رہیں تو اچھا ہے۔ کیونکہ من کی چوکھٹ پار کر جانے کے بعد یہ محرم باتیں
ایک الزام بن کر رہ جاتی ہیں..... تہمت بن کر زبان در زبان پھیل جاتی ہیں، اور میں اس عفت مآب کے کورے دا
ایک ہلکا سا دھبہ بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ محبت جیسے الزام کا داغ تو بہت بڑی بات تھی۔" یہ آپ کیا ک
ہیں..... ایسی غلطی نہ کیجیے گا۔ آپ جانتی ہیں کہ میں اڈے سے جڑا ایک بدنام ہوں..... جو کسی کی محبت کے
نہیں..... محبت کے لیے معاشرے میں کسی کی عزت و رتبہ ضروری ہوتے ہیں..... کسی مقام کی ضرورت ہوتی ہے
میں تو وہ ہوں جس کو دیکھ کر لوگ اپنی چوکھٹ بند کر دیتے ہیں..... اپنی دہلیز پر سیاہ لکیر پھیر دیتے ہیں تا کہ میرے جیس
اسے پار نہ کر جائیں....." بولتے بولتے میری آواز روہانسی ہو گئی اور شاید میری آنکھوں کا کوئی کمزور بندھ ٹوٹ گیا
تڑپ کر اٹھی اور اس نے میری آنکھیں پونچھ ڈالیں" آیان..... یہ کیا..... نہیں ایسا نہیں کرتے....." یہ سب کچھ اتنی تی
سے ہوا کہ شاید خود فضہ کو بھی اپنی اس بے اختیاری کا ادراک نہیں ہو سکا۔
باہر سے برتنوں کی آواز آئی اور پھر خانم دو خادماؤں کے ساتھ چائے کی ٹرالی لیے کمرے میں آ گئیں" نو
صاحب بھی یہیں آ رہے ہیں..... باہر بہت خنکی ہو گئی ہے"..... کچھ ہی دیر میں نواب بھی آ گئے اور ہم سب نے فضہ
کمرے کی کھڑکی کے پاس ہی چائے پی۔ باہر ہلکی سی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی اور تیز سرد ہواؤں کے شور اور زور
دالان کے بلند و بالا درختوں کے پتے ٹوٹ کر فضا میں بکھرنے لگے تھے۔ میں انہی بکھرے پتوں پر چلتا ہوا شام ڈ
مردان خانے میں واپس پہنچا تو میرا چہرہ بھیگا ہوا تھا۔ لوگوں کے لیے وہ باہر برستی بارش کا پانی تھا جس نے میرے گال
دیے تھے اچھا ہی ہے کہ قدرت نے بارش کے پانی یا آنسوؤں میں سے کسی ایک کا رنگ جدا تخلیق نہیں کیا تھا ورنہ ش
میرے لیے جواب دینا مشکل ہو جاتا۔ کاش کبھی رونے والوں کے سروں پر کوئی بادل آ کر برس جایا کرتا تو ہم میں
بھیدوں کا بھرم باقی رہ جاتا۔ میں نے کمرے میں پہنچتے ہی تولیے سے اپنا چہرہ پونچھ لیا۔ ہر آنسو کی قسمت میں کسی نازنین
ہتھیلی کا گداز نہیں ہوا کرتا۔
رات گئے میرے اندر کی ہلچل نے بخار کی صورت اختیار کر لی اور صبح تک میرا جسم شدید تپ سے پھ

لگا۔ شمن نے میرے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو گھبرا کر واپس دوڑا اور پھر نواب صاحب اور ڈاکٹر سمیت ہی واپس لوٹا۔ میں نے بڑی مشکل سے ان سب کو یقین دلایا کہ شاید رات کو سردی لگ گئی ہو...... لیکن اب میں بالکل ٹھیک ہوں، لیکن ڈاکٹر کب بھلا مریض کی سنتے ہیں۔ سو اس ڈاکٹر نے بھی مٹھی بھر کڑوی گولیاں اور چند سیرپ میرے حلق سے نیچے انڈیل دیے۔ مجھے بچپن سے ہی ان کڑوی دواؤں اور گولیوں سے شدید چڑ تھی، لیکن جب انسان کا نصیب ہی کڑوا ہو تو پھر ان دنیاوی کڑواہٹوں سے کیسا گلہ......؟

اپنے پروگرام کے مطابق مجھے آج شام زمرد حویلی سے رخصت ہو جانا چاہیے تھا مگر اس بخار نے مجھے شام ڈھلے تک بے سدھ کیے رکھا اور پھر شام کو نواب صاحب نے باقاعدہ حکم صادر کر دیا کہ طبیعت سنبھلنے تک میں واپسی کی سوچ بھی دل سے نکال دوں۔ میں نے موسیٰ کو واپسی کا پیغام بھجوا دیا تھا اور اگلے روز میں بستر پر پڑا اسی کشمکش و پیچ میں جلتا تھا کہ یعقوب مینشن میں بھی میرا انتظار کرتے ہوں گے۔ سہ پہر بارہ بجے کا وقت تھا جب اچانک ہی حویلی کے پورچ میں چند گاڑیوں کے رکنے اور پھر زور زور سے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی، اور پھر سب سے پہلے نواب صاحب میرے کمرے میں داخل ہوئے۔

"لو بھئی...... تمہیں بہت فکر تھی نا اپنے انتظار کرنے والوں کی...... تو تمہارا انتظار بھی ختم ہوا۔" اور پھر نواب صاحب کے عقب میں سب سے پہلے مجھے موسیٰ کی جھلک نظر آئی۔ میں حیرت اور خوشی سے اٹھ کر بیٹھا ہی تھا کہ اس کے پیچھے اسماعیل اور پھر خود سارنگ بھی مجھے کمرے میں داخل ہوتے نظر آئے۔ میں موسیٰ سے گلے مل کر ہٹا تو رنگا نے کھینچ کر مجھے سینے سے لگا لیا۔ "کہاں رہ گیا تھا تو ساجن...... تو نے تو سب کو اداس ہی کر ڈالا......" موسیٰ نے مجھے چٹکی دی "رنگا بھائی...... ہمارے شہزادے نے ہماری لاج رکھ لی...... جس کام کے لیے یہاں آیا...... وہ اس نے کر دکھایا......" سارنگ نے ہنس کر موسیٰ سے کہا "ہاں رے...... آخر شاگرد کس کا ہے...... یہی کہلوانا چاہتا تھا نا تو میری زبان سے......" سب ہنس پڑے۔ میں اب تک حیران تھا "لیکن آپ سب لوگ...... اچانک یہاں...... کیسے......"

"بس تیرے بغیر دل نہیں لگا تو ہم تجھے لینے چلے آئے۔ نواب صاحب نے تیری بیماری کی اطلاع پہنچا دی تھی...... ابھی کوئی اور بھی ہے جس کا دل تیرے بنا نہیں لگتا...... اس کی سواری بھی بس آتی ہی ہوگی......" میں نے چونک کر سارنگ کو دیکھا، اور کون مجھ سے ملنے یہاں تک آ سکتا تھا بھلا......؟؟ اور پھر پورچ میں کسی تیسری گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی اور چند لمحوں میں جو چہرہ دروازے پر نمودار ہوا اس نے مجھے حیرت اور خوشی کا ایک مزید جھٹکا دیا۔ وہ ناہید تھی "آیان بھائی...... آپ یہاں چھپے بیٹھے ہیں...... لیکن دیکھ لیں...... آپ کی بہن نے آخر آپ کو ڈھونڈ نکالا......"

"ارے پگلی...... تم بھی یہیں موجود ہو...... سچ ہے بہنوں سے چھپنا بڑا مشکل کام ہے......" ناہید کچھ روہانسی سی ہو گئی "پورا ایک مہینہ ہو گیا ہے آپ کو گئے ہوئے...... کوئی ایسا کرتا ہے اپنی بہنوں کے ساتھ......" خود میری آنکھیں بھی نم ہونے لگی تھیں اب میں اسے کیا بتاتا کہ میں ایسے کتنے قیمتی رشتے پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ سارنگ نے اسے شانے سے پکڑ کر کھینچ لیا "چل ری...... اب تو مل گیا نا تجھے تیرا بھائی...... اب کاہے کو اپنی جان ہلکان کرتی ہے......" میں نے ناہید کے سامنے کان پکڑے "چلو...... اب کی بار معاف کر دو...... پھر بھی ایسا ہوا تو جو چور کی سزا وہ تمہارے بھیا کی......" ناہید ہنس پڑی۔ نواب صاحب نے سارنگ کی لاکھ منتوں کے باوجود انہیں اسی روز واپسی سے روک لیا۔ ایک بہانہ میری بیماری بھی تھی اور دوسرا یہ کہ سارنگ پہلی مرتبہ زمرد حویلی میں آیا تھا۔ اس لیے نواب صاحب کی مہمان داری کا مزہ چکھے بنا اسے بھلا کون یہاں سے جانے دیتا۔

دوپہر کے کھانے پر نواب صاحب نے خصوصی طور پر خانم اور فضہ کو بھی مردانے میں مدعو کیا ہوا حیرت سے اس دوسری دنیا کے لوگوں کو دیکھتی رہیں اور فضہ اور ناہید آپس میں نہ جانے کیا سرگوشیاں کرتی رہیں دلایا کہ ہر عورت عالم ارواح سے ہی دوسری عورت کی سہیلی ہوتی ہے۔ شرط صرف دنیا میں ملاقات کی ہے۔ خانم ناہید کو ڈھیر سارا پیار کیا اور اسے بتایا کہ اس کا بھیا آیان اب ان کا بیٹا بھی ہے لہٰذا اس ناطے سے اب وہ ناہید ہو گئیں۔ ناہید تو پہلے ہی اتنے سارے نئے رشتے دیکھ کر خوشی سے بے حال ہوئی جا رہی تھی۔ کھانے کے بعد زنان خانے کی جانب چلی گئیں۔

ہم سب مرکزی ہال میں آ کر بیٹھ گئے اور ایرانی سبز قہوے کے کئی دور چلتے رہے۔ رنگا کو اس قہوے بہت بھلا محسوس ہوا اور اس نے نواب صاحب سے یہ چائے ایران سے منگوانے کی فرمائش بھی کر دی۔ نواب صاحب رنگا کو بتایا کہ حویلی کے گوداموں میں چائے کی وافر مقدار موجود ہے جو کل صبح ہی یعقوب مینشن منتقل کر دی جا یونہی ادھر ادھر کی باتیں چلتی رہیں لیکن سارنگ نے رحیم گجر کا موضوع چھیڑنے سے جان بوجھ کر احتراز کیا کیونکہ تھا کہ اس موضوع سے نواب صاحب کے بہت سے دبے درد پھر سے ابھر آئیں گے...... وہ نواب خاتون کی اس موت کے صدمے سے ابھی تک باہر نہیں نکل پائے تھے۔ عصر کے بعد ہم سب چہل قدمی کرتے ہوئے باہر والان والی طرف نکل آئے اور شمن نے جھٹ پٹ وہیں ہم سب کے لیے کرسیاں ڈلوا دیں۔ چھتری کی ضرورت تو یوں تھی کیونکہ دھوپ کی نرم گرماہٹ بھلی لگ رہی تھی۔ نواب صاحب نے پیچھے سے پاشا کو نہ جانے کیا اشارہ کیا کہ مخصوص طریقے سے کچھ دیر کے لیے محفل سے غائب ہو گئے، اور پھر واپس لوٹے تو دیا کے سائز سے ذرا بڑا ان کے ہاتھ میں تھا۔ جسے انہوں نے نواب صاحب کے کہنے پر ایک طرف رکھ دیا۔ نواب دبیر نے اپنے لفظ جوڑ

"سارنگ بھائی...... میں جانتا ہوں کہ آپ کے کسی ایک احسان کی قیمت بھی میں اپنی ساری زندگی ادا نہیں کر پاؤں گا...... لیکن اگر آپ برا نہ مانیں تو یہ کچھ......"

رنگا نے ہاتھ اٹھا کر نواب صاحب کی بات کاٹ دی۔ "بڑے صاحب...... مارنا ہے تو جوتے سے مار لو یہ نوٹوں کا تھپڑ رنگا کو مت مارو...... بولو تو ہم ابھی یہاں سے اٹھ جاتے ہیں...... کیا آپ نے رنگا کو بس اتنا ہی سمجھا

نواب صاحب گھبرا گئے "نہیں نہیں...... خدانخواستہ میری ایسی مجال کہاں...... میں جانتا ہوں کہ یہ کا چند ٹکڑے آپ کے لیے کتنے حقیر ہوں گے...... لیکن دنیا کی ایک ریت بھی تو ہے نا......"

"دنیا کی ساری ریتیں اور سب رواج ہم نے آپ کی حویلی پر حاضری دے کر اور یہاں آپ کا نمک پورے کر دیے ہیں...... ہاں اگر آپ کو اب بھی کوئی شک ہے تو اس بچہ سے پوچھ لیتے ہیں......" سارنگ نے جانب دیکھا "کیوں رے...... کیا تجھے چاہیے یہ بکسا؟...... کیا تو اسی کے لیے یہاں آیا تھا؟" میں گڑبڑا سا گیا "مجھ نہیں تو...... میں بھلا کیا کروں گا اس کا......؟" موسیٰ اور سارنگ دونوں ہی میری اس بوکھلاہٹ پر ہنس پڑے۔

"دیکھا بڑے صاحب...... ہمارا سودا بھی یہ نہیں چاہتا...... آپ ایسا کرو کہ اسے اپنی گڑیا بٹیا کے سر کر صدقہ نیاز دے دو...... تاکہ حویلی پر آئی بلائیں بھی ہمیشہ کے لیے ٹل جائیں......"

نواب صاحب کی آواز میں ممنونیت تھی۔ "میں جانتا ہوں کہ میرا پالا کمال ظرف والوں سے پڑا ہے گستاخی کو میری نادانی سمجھ کر معاف کر دیجئے گا......" بات آئی گئی ہو گئی اور نواب صاحب نے دوبارہ کی معا

بات نہیں چھیڑی۔ رات کا کھانا مردانے اور زنانے میں الگ الگ چنا گیا البتہ کھانے کے بعد قہوے کے دور سے پہلے خانم، فضہ اور ناہید سمیت کچھ دیر کے لیے مردانے آئیں اور کچھ دیر بیٹھ کر پلٹ گئیں۔ فضہ شاید مجھ سے کچھ بات کرنا چاہتی تھی لیکن ایسا کوئی موقع ہی نہیں مل سکا۔ مجھے بخار کی حدت نے پھر سے ستانا شروع کر دیا تھا جب کہ سارنگا، موسیٰ اور نواب صاحب کا ابھی مزید محفل جمانے کا ارادہ تھا۔ میں ان سب سے اجازت لے کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ میرے ذہن میں بار بار اسی نازآفریں کے آنسو اور باتیں کسی بھالے کی طرح لپک جاتے تھے۔

میں آدھی رات تک بستر پر پڑا کروٹیں لیتا رہا۔ یہ محبت ہمیشہ انہی دلوں پر ڈاکہ کیوں مارتی ہے جہاں اگلے کے نصیب میں مقدر کی صرف خالی تجوریاں ہی منہ چڑاتی ملتی ہیں۔ اسے یہ خوف تھا کہ کہیں اسے مجھ سے محبت نہ ہو جائے کتنی نادان تھی وہ جو یہ بھی نہیں جانتی کہ محبت ہمیشہ اپنے خوف سے پہلے دلوں میں ڈیرے ڈالتی ہے۔ یہاں بھی کسی کا مکمل جہاں نہیں ملتا۔ محبت کوئی جوئے کی بازی تو نہیں کہ ہر بازی کے بعد محبت کا جواری بھی یہی کہتا پھرے کہ چلو "ایک محبت اور سہی..." یہ تو وہ بازی ہے جو ہر بار آخری بازی ہوتی ہے۔ جوا ہوتا تو ایک بازی اور سہی کا کلیہ ہمیں ہر بار نیا داؤ کھیلنے پر مجبور کیے رکھتا اور شاید ہم کبھی نہ کبھی اپنے من کی مراد کو جیت ہی لاتے، لیکن یہاں کے تو اصول ہی جدا تھے۔ دفعتہً مجھے ایک اور عجیب سا احساس بھی ہوا۔ فضہ نے مجھے بتایا تھا کہ اس نے فرہاد کے سامنے کبھی اپنے جذبوں کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن اگر وہ محبت ہی تھی تو پھر یہ کلیہ فضہ کی محبت پر کیوں لاگو نہیں ہوا... شاید دنیا کی ہر نئی محبت اپنی جگہ آپ بناتی ہے۔ کوئی بھی نئی محبت پچھلی محبت کے اثرات کو نہیں مٹا سکتی نہ ہی اس کی جگہ لے سکتی ہے۔ شاید محبت کی مثال بھی بہتے پانی جیسی ہے جو ہر بار اپنا راستہ خود بناتا ہے، تو پھر میرے دل کی راہیں گھٹا کے ساتھ ہی کیوں بند ہو گئی تھیں۔ اس کی ہر پگڈنڈی پر خاردار جھاڑیوں اور جنگلی گھاس کیوں اگ آئی تھی جس نے سبھی راستے اور ساری منزلوں کے نشان مٹا ڈالے تھے... صبح تک میرا بخار اتر گیا لیکن نواب صاحب نے ہمیں دوپہر کے کھانے کے بعد ہی روانگی کی اجازت دی، لیکن قدرت ہمارے لیے کب واپسی کے راستے آسان اور کھلے چھوڑ کر رکھتی ہے۔ ہر قدم پر ایک نئی گھات، ایک نئی بیڑی ہمارے قدم روکنے کے لیے موجود ہوتی ہے۔

عصر کے وقت جب ہم حتمی طور پر نواب صاحب سے رخصت ہونے کے لیے مرکزی دالان میں جمع تھے تو ماحول اداس تھا۔ خانم نے ناہید اور مجھ سے ہزار وعدے لیے کہ اب ہم زمرد حویلی کی راہ نہیں بھلائیں گے اور آتے جاتے رہیں گے۔ فضہ صبح سے ہی کچھ خاموش سی تھی۔ میں نے اسے ماحول میں واپس لانے کے لیے ٹوکا "اور ہاں یاد ہے... ابھی ہم دونوں پوری طرح اس بات پر متفق نہیں ہوئے کہ مغل آرکی ٹیکچر زیادہ بہتر ہے یا پھر ان کی اس دور کی مصوری... یہ مدعا ابھی باقی ہے..." فضہ دھیرے سے مسکائی "ابھی بہت سے دوسرے مدعے بھی ادھورے تھے نہیں چھوڑ کر آپ جا رہے ہیں..." میں نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور ابھی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ حویلی کے مرکزی دروازے کی جانب سے ایک کڑک دار اور بھاری آواز ابھری "ایسی بھی کیا جلدی ہے رنگا بھائی... ہم سے ملے بنا ہی چلے جاؤ گے کیا...؟"

سب نے چونک کر پلٹ کر دروازے کی جانب دیکھا۔ موسیٰ کی زبان سے سرسراتی سی سرگوشی نکلی۔

"یہ تو کالی ہے... یہ یہاں کیا کر رہا ہے...؟"

باب 27

میں نے آج تک کالی دادا کا صرف نام ہی سنا تھا، اور یہ جانتا تھا کہ زیرِ زمین تقسیم کے اصول
زمرد حویلی کا علاقہ کالی کے حصے میں ہی آتا ہے، لیکن وہ اس طرح اور اچانک یہاں حویلی تک کیسے پہنچ گیا۔
تک حل طلب تھا۔ ہم سبھی دم بخود کھڑے تھے۔ کالی نے حویلی کے دروازے کو دھکیلا اور اس کے عقب میں
کے دو ساتھی اور دور کھڑی جیپ بھی نظر آئی۔ رنگا نے بنا کسی مرعوبیت سے کہا "تیری بن بلائے آنے جانے کی
گئی کالی... یہ شریفوں کا گھر ہے... یہاں منہ اٹھا کر اندر آنا منع ہے..."

کالی نے طنزیہ لہجے میں جواب دیا "واہ استاد... شرافت کی بھی تم نے خوب کہی... اگر یہ شریفوں
ہے تو پھر رنگا اور موسیٰ یہاں کیا کر رہے ہیں...؟ سنا ہے تیرا کوئی نیا سورما بھی یہیں ہے اسی حویلی میں" کالی
سب پر سے پھسلتی ہوئی مجھ پر آ کر ٹک گئیں "اچھا تو یہ ہے تیرا نیا ہتھیار... اور بھائی... بڑا بانکا سپاہی
استاد" سارنگا نے خواتین کی موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی آواز کو بڑی مشکل سے دھیما رکھا "کام
کالی... اپنے پاس زیادہ وقت نہیں ہے...؟"

کالی مسکرایا "پر اپنے پاس تو وقت ہی وقت ہے استاد... تم چلے جاؤ... ویسے بھی اپنا کام نواب
کے ساتھ ہے... کچھ لمبی باتیں کرنی ہیں ان کے ساتھ..."

اب نواب صاحب کے غصے میں آنے کی باری تھی "لیکن میں تمہیں نہیں جانتا... تمہیں اند
اجازت کس نے دی...؟"

"میں خود نہیں آیا نواب صاحب... آپ کے بڑے بیٹے نے نیوتا بھیجا تھا مجھے بلانے کے لیے
میں سے وقار دو قدم آگے بڑھ آیا "انہیں میں نے بلایا ہے ابا جان..." نواب صاحب حنگ سے رہ
کیوں...؟" وقار کی جگہ کالی نے جواب دیا "میں بتاتا ہوں... آپ کا صاحبزادہ اپنا حق چاہتا ہے جو
دے نہیں رہے... اسی لیے اسے ہماری مدد کی ضرورت پڑی ہے اور کالی کی سرکار نے تو ہمیشہ حق داروں کو ان
ہے۔ لہٰذا اب حویلی اور جائیداد کا بٹوارہ کر ہی دو تو بہتر ہے نواب صاحب..."

حویلی کی خواتین اور ملازموں کی جانب سے دلی دلی سرگوشیاں ابھریں، جبکہ اکا سو جانے [illegible]

آ رہا تھا۔ سارنگا کے اشارے پر نواب صاحب نے ناہید سمیت دیگر خواتین کو واپس زنانے میں جانے کا کہہ دیا۔ کچھ ہی دیر میں یہ عقدہ بھی کھل گیا کہ وقار نے اپنے اوباش دوست رئیس کے مشورے پر کالی کو اپنے حصے اور جائیداد کے بٹوارے کے لیے طلب کیا تھا۔ نواب خاتون کی وصیت اور موت بھی اس ناخلف اولاد پر کوئی اثر نہیں کر سکی تھی۔ نواب صاحب سر پکڑے بیٹھے تھے اور پاشا صاحب انہیں تسلیاں دے رہے تھے۔ کچھ دیر میں رئیس بھی وہیں بھٹکتا نظر آیا۔

رنگا نے کالی کو مخاطب کیا "دیکھ کالی ... یہ باپ بیٹے کا جھگڑا ہے ... اس میں تو اپنی ٹانگ نہ ہی اڑا تو بہتر ہے ....." کالی نے وقار کے کاندھے پر ہاتھ رکھا "نہ رنگا استاد نہ ... ابھی تو میں نے تجھ سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ میرے علاقے کے کسی گھریلو جھگڑے میں تیرا یہ بالکا کہاں سے ٹپک پڑا ....؟ ... ابھی تو تیری پیشی اپنی کا بیٹھک کے سامنے ہونی باقی ہے ... اور تو جانتا ہے کہ کالی کے قدم ایک بار جس چوکھٹ کو پار کر جائیں ... وہاں کا قصہ نپٹا کر ہی پلٹتے ہیں ... نواب صاحب بٹوارہ کر دیں تو کالی اپنا حصہ لے کر ابھی پلٹ جائے گا ....."

رنگا کا پارہ چڑھ گیا "کتنے میں سودا کیا ہے تجھ سے اس نواب زادے نے ... گدھ آخر گدھ ہی ہوتا ہے کالی ... حرام اور مردار خوری سے باز نہیں آتا ....."

نواب صاحب کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی "تم سے وقار نے جتنے کا وعدہ کیا ہے وہ میں تمہیں یونہی دینے کو تیار ہوں ... میں نہیں چاہتا کہ حویلی کے جھگڑے باہر کچہری اور عدالتوں میں طے ہوں۔ تم اپنا معاوضہ لو اور واپس لوٹ جاؤ ....."

کالی نے زہر خند انداز میں نواب کو دیکھا "ایسے کیسے واپس لوٹ جاؤں نواب صاحب ... اپنے دھندے کا اصول ہے کہ کام لے لو تو پورا کر کے ہی جاؤ ... ہاں اگر رسوائی کا ایسا ہی خوف ہے تو ٹھیک ہے ایک سودا کر لیتے ہیں۔ آپ یہ زمرد حویلی نواب زادے کے نام کر دو اور رنگا استاد سے کہو کہ وہ اپنا علاقہ میرے حق میں خالی کر جائے ... پھر کچھ بات بن سکتی ہے ... بولو ... منظور ہے یہ سودا ....؟"

کالی کی بات سن کر ماحول پر ایک سناٹا طاری ہو گیا۔ رنگا نے کالی پر طنز کیا "واہ رے کالی ... بل سے علاقہ نہ حاصل کر سکا تو اب چھل پر اتر آیا ... پھر بھی خود کو استاد کہتا ہے ... تف ہے تیری مردانگی پر ....."

کالی مسکرایا "استاد وہی ہوتا ہے جو ٹھیک وقت پر ٹھیک ہتھیار استعمال کرنا جانتا ہو ... چھل کے وقت چھل اور بل کے وقت بل ... ہر جگہ طاقت ہی کام نہیں آتی رنگا استاد ... میں تو کہتا ہوں تو بھی کچھ وقت میری صحبت میں گزار لے ... فائدہ ہو گا" دفعتاً نواب کی آواز ابھری "حویلی کا بٹوارہ ہو بھی گیا تو یہ دو بھائیوں میں تقسیم ہو گی۔ ان کی سوتیلی بہن اور ماں پہلے ہی اپنے حصے سے دست بردار ہو چکی ہیں۔ اگر دونوں بھائی اس تقسیم کے لیے تیار ہیں تو ٹھیک ہے ... یہ کام بھی ہو جائے گا ..." چھوٹا بیٹا سجاد اپنی جگہ پر ساکت کھڑا تھا۔ کہتے ہیں کہ شر میں سے بھی کبھی خیر کا پہلو نکل آتا ہے، اور اس وقت یہ بات سچ ثابت ہوتی نظر آ رہی تھی۔ سجاد نے مجبور باپ کے ساتھ کاندھا ملایا اور تن کر بولا "مجھے کچھ نہیں چاہیے ..... یہ فیصلہ ابا جان کا ہو گا کہ وہ حویلی کا کیا انجام چاہتے ہیں۔ میں ہر صورت ابا جان کے ساتھ ہوں ..." نواب کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے سجاد کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا "کاش ... میرے دونوں بازو آج میرے ساتھ ہوتے ... جیتے رہو سجاد بیٹا" کالی نے زور سے ایک تالی بجائی "چلو جی ... یہ مسئلہ تو حل ہوا۔ چلو نواب صاحب ... اب جلدی سے اہلکار بھیج اور قلم منگوا کر اس قصے کو ختم کرو ... میں اپنا حساب بعد میں نواب

زادے سے خود کر لوں گا ....."

نواب صاحب نے لمبی سی سانس بھری اور پاشا صاحب کو کچھ کہنے کے لیے مڑے ... لیکن ان سے پہلے ہی رنگا کی کڑک دار آواز گونجی ..... "ٹھہر جا کالی بادشاہ ایسی بھی کیا جلدی ہے ... ابھی کچھ دیر پہلے علاقہ بھی بھیک میں چاہیے تھا، اتنی جلد صرف حویلی پر ہی راضی ہو گیا .....؟ ایک سودا تو نے پھینکا تھا۔ اب ایک کا بھی سن لے ..... یہ حویلی اور میرا علاقہ چاہیے تو فیصلہ چاقو کے بل پر ہو گا ..... تو مجھ سے جیت گیا تو میرا علاقہ یہ حویلی تیرے نام ہو جائے گی اور اگر بازی میرے نام رہی تو پھر تجھ سے تیرا علاقہ تو جائے گا ہی ..... ساتھ کے لیے در بدر بھی ہو جائے گا ..... بول منظور ہے رنگا کا یہ سودا ....."

زیر زمین دنیا کے اصول کے مطابق کالی کے پاس اس للکار کے جواب میں سوائے ہاں کرنے چارہ بھی نہیں تھا کیونکہ اس کے بہت سے کارندوں کے سامنے رنگا نے اسے چیلنج کیا تھا اور یہ بات اب چھپ تھی۔ رنگا نے بہت بڑا جوا کھیلنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ چاقو پر گرفت کے معاملے میں کالی بھی رنگا سے بس انیس اور کون جانے کہ اس نے خود رنگا کو اکسانے کے لیے یہ سارا کھیل کھیلا ہو کیونکہ ان کی دنیا کے قانون کے م بار جب کوئی علاقہ کسی کے نام ہو جائے تو ہارنے والا حریف کم از کم دو سال تک دوبارہ اسے حاصل کرنے کی کر سکتا تھا جب تک کہ دوسرا فریق خود اسے چیلنج نہ کر دے۔ رنگا کو کالی سے وہ علاقہ چھینے ابھی صرف چھ ما تھے اور شاید کالی اس ہزیمت کو بھلا نہیں پایا تھا اور کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا جب رنگا زچ ہو کر خو مقابل آ جائے۔ اگر زمرد حویلی کا قصہ درمیان میں نہ آتا تو شاید کالی کا یہ خواب کبھی پورا نہ ہوتا، لیکن قدرت نافرمانی کی صورت میں اسے یہ موقع جلد فراہم کر دیا۔ اچانک میری نظر اس سازش کے مرکزی کردار رئیس پر پڑی، اور اس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ اور کالی کے ساتھ ہوتے اشاروں نے مجھے یہ بھی باور کرا دیا ک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہی نواب کے بڑے بیٹے پر دوستی کا جال پھینکنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ مطلب شروع سے ہی زمرد حویلی پر تھی جب میرے اور رنگا کے قدم بھی یہاں نہیں پڑے تھے۔ اس وقت کوئی نہیں جا معاملہ آگے چل کر یہ کروٹ لے لے گا۔ اب جانے یہ ان کی بدقسمتی تھی یا خوش قسمتی کہ سارنگا بھی اس معاملے ہو گیا تھا۔ کالی کے چہرے پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ ابھری جیسے اسے اپنا مقصد حل ہوتے نظر آ رہا ہو۔

"ٹھیک ہے رنگا استاد ... جیسے تمہاری مرضی ... آج ہی یہ خبر نیچے کے سب بڑوں تک پہنچ جائے دنگل کی تاریخ اور جگہ طے کر لو ....." رنگا نے سکون سے جواب دیا "تاریخ میں دیتا ہوں ... آج ہفتہ ہے ... کے روز اسی وقت، جگہ بھی تمہاری اور علاقہ بھی تمہارا ... جا ... جا کر اپنی بربادی کی تیاری کر لے ....."

نواب صاحب پریشانی سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ ان کی آواز میں سراسیمگی تھی "رنگا بھائی سب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے ... آپ کے اس حویلی پر پہلے ہی کئی احسان ہیں اور میں خود یہ حویلی وق کرنا چاہتا ہوں ... اب تو سجاد بھی اپنے حق سے دست بردار ہو گیا ہے ... کوئی الجھن باقی نہیں رہی ... سب کیوں ....."

رنگا نے نواب کی بات کاٹ دی "ہمارے سامنے کوئی مردار خور آپ کی حویلی چھین کر لے جا

جائے گا......" کالی اور اقا دونوں واپس جا چکے تھے۔ رنگا نے بھی پریشانی میں گھرے تو اب سے رخصت چاہی اور اسے تسلی دے کر ہم ناہید کو لے کر شہر لوٹ آئے۔ ناہید کے چہرے کا رنگ بھی اڑا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ روتی رہی ہے۔ موسیٰ اور سارنگا یعقوب مینشن جا چکے تھے۔ میں اسماعیل کے ساتھ ناہید کو گھر اتارنے کے بعد واپسی کے لیے پلٹا تو ناہید نے آواز دے کر مجھے روک لیا "آیان بھیا......" میں جاتے جاتے رکا......"ہاں بولو......؟"

ناہید کسی کش مکش کا شکار تھی "آپ بابا کو یہ سب کرنے سے روک کیوں نہیں دیتے...... میرا دل اندر سے کانپ رہا ہے......" اس کی آواز روہانسی ہوگئی۔ "ارے ارے...... یہ کیا...... آ اتنے بہادر باپ کی بیٹی یوں پریشان ہو رہی ہے...... کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا......" ناہید رو پڑی "یہ خوف آج کا نہیں ہے بھائی...... بچپن سے میں دن میں اس خوف اور ان وسوسوں کے ہاتھ سو سو بار مرتی آئی ہوں اگر بابا کو کچھ ہو گیا تو میں جیتے جی زندہ درگور ہو جاؤں گی۔ میں اپنا ایک بھائی پہلے ہی کھو چکی ہوں۔ اب کوئی اور نقصان سہہ نہیں سکتی۔ میری آپ سے بھی یہی التجا ہے کہ اس اندھیری دنیا کو چھوڑ دیں۔ جس کا اندھیرا انسان کا ہر رشتہ نگل جاتا ہے۔ میں آپ دونوں کے ہاتھ جوڑتی ہوں...... میری یہ التجا مان لیں" ناہید واقعی ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کھڑی ہوگئی۔ میں نے جلدی سے اس کے بندھے ہاتھ کھول دیے "بہنیں ہاتھ نہیں جوڑتیں...... بس حکم دیا کرتی ہیں...... میں اور تمہارے بابا...... شاید ہم دونوں ہی اپنی مرضی سے اس دنیا کا حصہ نہیں بنے...... ہمیں ہماری دنیا نے دھکیل کر ان اندھیروں کا حصہ بنایا ہے...... لیکن اتنا یقین رکھو کہ تمہارے بابا اس کالی دنیا کا حصہ ہوتے ہوئے بھی اندر سے بہت اجلے ہیں...... اپنے اوپر جھوٹ کی سفیدی کا ملمع چڑھائے ہوئے ظاہری دنیا کے ان منافقوں سے کہیں زیادہ سچے ہیں......"

"میں جانتی ہوں...... اسی لیے تو زیادہ ڈرتی ہوں کہ ان کی دنیا میں ان جیسے ظرف والے بہت کم ہیں اور اگر کسی کم ظرف نے انہیں کوئی نقصان پہنچا دیا تو میں جی نہیں پاؤں گی۔ وہ آپ کی بہت سنتے ہیں۔ آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ ان سے بات ضرور کریں گے......"

"ٹھیک ہے...... وعدہ کرتا ہوں...... اور یہ وعدہ بھی کرتا ہوں کہ جب تک میں ان کے آس پاس ہوں کسی بھی خطرے کو مجھ سے ہو کر ان تک پہنچنا ہوگا۔ چلو اب تم یہ اداسی بھرا چہرہ ختم کرو...... اور مجھے ہنستے ہوئے رخصت کرو......"

میں ناہید کو تسلی دے کر وہاں سے چلا تو آیا مگر خود میرا دل اندر سے انجان وسوسوں کا شکار تھا۔ یعقوب مینشن میں کافی چہل پہل تھی۔ خبر عام ہو چکی تھی کہ ٹھیک چھ دن بعد رنگا اور کالی ایک بار پھر ایک دوسرے کے مقابل ہوں گے۔ بڑے احاطے میں سارنگا موسیٰ کے ساتھ مشق میں مصروف تھا۔ میں نے پہلی بار رنگا کے ہاتھ میں چاقو کی دھار کو بجلی کی طرح ادھر ادھر لپکتے دیکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرایا۔ "آ جا ساجن...... تو بھی کچھ ہاتھ صاف کر لے...... موسیٰ تو اب بوڑھا ہو چلا ہے۔" میں نے بہت انکار کیا مگر موسیٰ نے اپنا چاقو میری طرف پھینک دیا اور خود دائرے سے باہر نکل گیا۔ احاطے کے بزرگ استادوں نے بھی موسیٰ کو بڑھاوا دیا اور سبھی اس شرارت میں شامل ہو گئے۔ چلے گئے، لیکن میں رنگا کے سامنے چاقو کیسے اٹھا لیتا؟ میں نے چاقو اس کے قدموں میں ڈال دیا۔ رنگا اب بھی ہنسا، "اچھا" جانتا ہوں تو میرے سامنے کھڑا نہیں ہونا چاہتا۔ پر مجھے ذرا دیر مشق تو کروا سکتا ہے نا...... ہر نیا حریف پچھلے کو کچھ نہ کچھ سکھا ہی جاتا

ہے......" میں اب آ جا...... میں نے مجھے اپنا خون معاف کیا...... "میرے پاس اب کوئی چارہ باقی نہیں رہا تھا
نے رنگا کے قدموں میں پڑا چاقو اٹھا لیا، اور کرتے کی آستینیں چڑھا کر دائرے میں آ کھڑا ہوا۔ کچھ دیر تک ہم
ایک دوسرے کو نظروں میں تولتے رہے اور پھر رنگا نے تیزی سے چاقو دائیں سے بائیں ہاتھ میں منتقل کیا
اچانک ہی غیر ارادی طور پر چاقو کو یوں منتقل ہوتے دیکھ کر رنگا کی بائیں کلائی پر ہاتھ ڈال دیا۔ شاید ہم میں سے
مجھ سمیت میری اس پیش رفت کا اندازہ نہیں تھا کیونکہ یہ انتہائی اقدام تھا۔ رنگا کو بھی مجھ سے اس پھرتی کی تو
تھی اور ایک لمحے کے لیے اس کی کلائی میرے پنجے کی مضبوط گرفت میں آ گئی لیکن جب تک رنگا کا چاقو میرے
ہاتھ میں منتقل ہو چکا تھا۔ کچھ دیر کے لیے شور مچاتا مجمع یک دم ساکت سا ہو گیا۔ اب میرا دایاں ہاتھ اور چاقو آ
جو فن چاقو بازی سے واقف ہیں وہ یہ بات خوب جانتے ہیں کہ حریف کا چاقو والا ہاتھ قابو میں کر لینے کے بعد
ہاتھ وار کے لیے کھلا ہو تو یہ ایک بونس پوائنٹ مانا جاتا ہے، اور وار کرنے کی آزادی بازی ختم بھی کر سکتی ہے،
گرفت صرف لمحاتی ثابت ہوئی۔ رنگا نے لمحے کے ہزارویں حصے میں میری چال سمجھ کر اپنی کلائی کو ایک زور
اور یہیں مجھ سے بنیادی غلطی ہوگئی۔ قاعدے کے مطابق مجھے فوراً ہی رنگا کے چاقو کی پہنچ سے دور ہو جانا چاہیے
مجھے ایک پل کی دیر ہوگئی اور چاقو کے کھیل میں ایک پل ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ اگلے ہی لمحے رنگا کے چاقو کی
میرے بازو کو کلائی سے اوپر کہنی تک چیرتی چلی گئی۔ خون کی ایک تیز پھوار نے رنگا کا چہرہ اور میرا سارا وجود
ایک شور سا مچ گیا۔ رنگا نے چاقو پھینک کر اپنا کرتہ دامن سے پھاڑا اور جلدی سے میرے بازو پر باندھ کر خون
کوشش کی۔ موسیٰ نے لپک کر قریب پڑی زہر کش دوا کا سپرے میرے زخم پر کر دیا اور مجھے اپنے گھاؤ میں تیز
بھرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ سارنگا نے فوراً گاڑی نکلوائی اور موسیٰ اور دوسرے کارندوں سمیت مرہم پٹی کے
قریبی کلینک لے جایا گیا۔ سبھی بے حد پریشان تھے لیکن رنگا اور موسیٰ کی بوکھلاہٹ سب سے سوا تھی۔ بڑی مشکل
واپس پہنچ کر میں نے ان دونوں کو تسلی دی کہ میں اب کافی بہتر ہوں اور ہفتہ دس دن میں یہ گھاؤ بھی بھر جا
لیکن انہیں بھلا میری تسلی سے آرام کہاں نصیب ہو سکتا تھا۔ رنگا بار بار خود کو ملامت کر رہا تھا کہ اس نے مجھے دا
اترنے پر مجبور ہی کیوں کیا۔ وہ بار بار کف افسوس مل رہا تھا "بڑی بھول ہوگئی رے سجناں...... پر تو نے تو پہلا دا
کھیل دیا تھا کہ آدھی جیت اپنے نام کر لی تھی۔ رنگا کی کلائی پر آج تک کسی نے ہاتھ ڈال کر پنجہ بند کرنے کی ہم
پائی...... پر تو نے تو مجھے جکڑ ہی لیا تھا۔ پر واپس پلٹنے میں دیری کیسے ہوگئی تجھ سے میں تو سمجھا تھا کہ اسی پھرتی
واپس بھی کھینچ لے گا......"

میں نے اسے تسلی دی "آپ خود کو ہلکان نہ کریں۔ کھیل میں تو ایسا ہو ہی جاتا ہے...... اور پھر جب
ہی لیا تو پھر کاٹ سے کیسا ڈر...... دھار کا تو کام ہی چیر دینا ہوتا ہے......"

"ٹھیک کہتا ہے تو...... پر دھار اگر اپنوں کو چیر دے تو ایسی دھار کو پہلے سے کند کرنا ضروری ہوتا ہے
نے غور سے سارنگا کی طرف دیکھا۔

"دھار بھلا اپنے پرائے کا فرق کرنا کب جانتی ہے...... اپنے اگر ہاتھ روک بھی لیں تو پرائے کا
ہیں...... ہماری دنیا کا تو یہی اصول ہے نا......" میری بات سن کر رنگا اور موسیٰ دونوں ہی کسی گہری سوچ میں گم
موسیٰ سے پہلے رنگا بات کی تہہ تک پہنچ گیا۔ "لگتا ہے آج تو بھی لاڈلی کی زبان بول رہا ہے...... یہ اسی کی

میں نے اقرار میں سر ہلایا اور رنگا کو ناہید کے سبھی وسوسوں اور پریشانیوں سے آگاہ کر دیا۔ جواب میں رنگا بہت دیر تک خاموش رہا۔

"تو نے اسے بتایا نہیں کہ یہ کالی دنیا ایک ایسی بند سرنگ کی مانند ہے جہاں اندر آنے کے ہزار پر واپسی کا ایک بھی راستہ نہیں ہے۔ وہ بھولی یہ بھی نہیں جانتی کہ زور کی اس دنیا میں صرف زور آور ہی جیتا ہے۔ جو تھک کر قدم واپس موڑے اسے یہ خود مار ڈالتے ہیں" میں دھیرے سے بولا "میں نے اسے یہ سب کچھ نہیں بتایا...... ابھی اس کے پاس ایک خواب باقی ہے کہ اس کا بابا کبھی نہ کبھی اس دنیا سے لوٹ آئے گا۔ اگر میں یہ سب بتا کر اس کا یہ خواب بھی توڑ دیتا تو پھر شاید وہ بالکل ہی ہار جاتی۔ اس کے پاس یہ آس باقی رہنے دیں......"

ماحول پر یاسیت طاری ہونے لگی۔ رنگا اور موسیٰ میرے کمرے سے باہر نکلے تو رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی، اور پھر دن اور رات آپس میں ملتے چلے گئے۔ میرا زخم تو ٹھیک نہ ہوا پر وہ دن آ پہنچا جب کالی اور رنگا کو شاید آخری بار ایک دوسرے کے مقابل آنا تھا۔

باب 28

ہم سب اپنی اپنی جگہ گاڑیوں میں یعقوب مینشن سے نکلے تو موسیٰ کچھ بجھا بجھا سا تھا۔ ہم س
کے بیرونی میدان کی جانب روانہ ہو چکے تھے۔ میں نے موسیٰ سے اس کے دھیمے پن کی وجہ پوچھی تو اسے
پایا۔ "کچھ نہیں شہزادے...... رنگا استاد پچھلا پورا ہفتہ تیرے زخم کی پریشانی میں من لگا کر مشق نہیں کر
جب سے ناہید بٹیا جوان ہوئی ہے ویسے بھی اس کے اندر کا وہ رنگا کہیں کھو گیا ہے جو اپنے شکار پر جھپٹ کر
وار میں ادھیڑ ڈالتا تھا۔ اب استاد صرف اس وقت وار کرتا ہے جب ضرورت ہوتی ہے...... اور کالی جیسے خب
مقابلہ کرتے وقت یہ دیری بہت نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے......" میں پریشانی سے موسیٰ کی بات سنتا رہا۔
کے مطابق چاقو بازی کے مقابلے میں انسان کے اندر مقابل کو مار دینے کی فطری جبلت (instinct
ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس کلر انسٹنکٹ کے بغیر کوئی بھی اپنے مقابل کے سامنے ادھورا پڑ جاتا ہے ا
سے یہ حیوانی جبلت بٹیا کے جوان ہونے کے ساتھ ساتھ ختم ہوتی جا رہی تھی۔ اب وہ زیادہ تر اپنا دفاع ک
لمبا کرتا ہے اور حریف کے تھک جانے پر اسے کم سے کم نقصان پہنچا کر زیر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر
کوئی عام چاقو باز ہوتا تو یہ سستی برداشت کی جا سکتی تھی لیکن آج اس کے مقابل کالی جیسا شاطر اور کائیا
موسیٰ کو یہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ خدانخواستہ آج کوئی انہونی نہ ہو جائے۔ بقول اس کے جب رنگا نے کالی
علاقہ چھینا تھا تب بھی رنگا نے مقابلہ بہت لمبا کھینچ دیا تھا اور وہ کالی کے چاقو کی زد میں آنے سے کئی بار بال

میں موسیٰ اور اسماعیل ایک گاڑی میں، جب کہ سارنگا اڈے کے دیگر استادوں کے ساتھ اگلی گ
ہمارے پیچھے تین اور بڑی گاڑیاں بھی دیگر کارندوں کے ساتھ رواں دواں تھیں۔ کالی نے مقابلے کے
کے باہر والے بڑے میدان کو چنا تھا۔ شاید وہ اس طرح رنگا پر کوئی نفسیاتی دباؤ بھی برقرار رکھنا چاہتا تھا
بجے سے پہلے زمرد حویلی کے بیرونی میدان میں پہنچے تو کالی اپنے ہرکاروں سمیت پہلے ہی وہاں مو
صاحب اور پاشا بھی حویلی کے تمام عملے کے ساتھ باہر آ چکے تھے اور مجھے دور حویلی کی فصیل پر بھی کچھ
آئی۔ شاید خانم اور فضہ بھی منڈیر کی کسی بڑی درز سے یہ عجیب و غریب اور خونی مقابلہ دیکھنا چاہتی تھیں

آج اس میدان میں رنگا اور کالی کی سرکار کی پوری کابینہ، ریٹائرڈ تاحیات بزرگ استاد اور زیر زمین دنیا کے بھی دادا موجود تھے اور مقابلہ شروع ہونے سے پہلے وہاں ایک بہت ہجوم اکٹھا ہو چکا تھا۔ ایک بوڑھے استاد (Don) نے دائرے میں کھڑے ہو کر سارنگا کا دیا ہوا چیلنج پڑھ کر سنایا اور تصدیق چاہی۔ رنگا نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے مقابلے کے اصول پڑھ کر سنائے اور کسی بھی فریق کی جان جانے کی صورت میں کسی بھی خوں بہا یا کوتوالی کے حق کی نفی ظاہر کی۔ یعنی یہ کھیل زیر زمین کی سرکار کے رواج کے مطابق کھیلا جائے گا۔ آخر دائرے کے اندر کھڑے بزرگ نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ایک سرخ رومال لہرایا اور رنگا اور کالی دائرے میں داخل ہو گئے۔ بزرگ استاد نے ہوا میں تین بار رومال لہرایا۔ سیٹ اراکین نے صوفے سنبھال لیے اور ہاتھ اٹھا کر اجازت دی۔ بزرگ نے رومال ہاتھ اونچا کر کے ہوا میں اچھال دیا۔ موتی زور سے چلایا" کھل ڈالو استاد۔۔۔" میرے دل سے آواز نکلی "یا اللہ رحم ۔۔۔" نواب اور حویلی کے باقی سرد اراکین اور عملہ حیرت اور پریشانی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ یہ شاید ان کی زندگی کا سب سے حیرت انگیز دن تھا۔

چاقو نکالنے سے پہلے رنگا اور کالی میں زور کا مقابلہ ہوا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ چٹانیں اپنی اپنی جگہ جامد کھڑی ہوں۔ نہ تو رنگا اور نہ ہی کالی اپنی جگہ سے انچ بھر بھی ہلے۔ دونوں کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں چھلکنے لگیں اور میں اتنے فاصلے سے بھی ان دونوں کے بازوؤں کی رگیں چٹخنے کی آواز سن سکتا تھا۔ کالی کے اندر واقعی بڑا دم خم تھا کیوں کہ سارنگا استاد کے سامنے اتنی دیر تک ٹکنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ میرے اندر موتی کی ذوق آواز ابھری" استاد کو اپنے اندر بھرے مار دینے کی حیوانی جبلت پیدا کرنا ہو گی ۔۔۔ ورنہ کالی انہیں مار دے گا۔" زور کا مقابلہ بنا کسی نتیجے کے ختم ہو گیا۔ ایک کارکن گول طشت میں دو چاقو رکھ کر بزرگ رہنما کے پاس آیا۔ بوڑھے استاد نے دونوں چاقوؤں کو چھو کر اپنی دعا اور اجازت ظاہر کی۔ طشت رنگا اور کالی کے پاس لے جایا گیا جنہوں نے ایک ایک چاقو اٹھایا اور اسے چوم کر جھٹکے سے کھول لیا۔ ہم سب یوں دم سادھے کھڑے تھے جیسے اگر کسی نے بھی ذرا زور سے سانس بھی لی تو یہ خواب بکھر جائے گا۔ دونوں حریفوں نے کچھ دیر تک فضا میں تیزی سے چاقو لہرا کر اور پینترے بدل کر ایک دوسرے کے داؤ کا اندازہ لگانے کی کوشش کی اور پھر یکایک کالی نے ہوا میں اپنے اچھالے چاقو کو دوسرے ہاتھ تک پہنچنے سے قبل ہی ہوا میں دوبارہ دبوچ لیا۔ عام حالات میں حریف دائیں سے بائیں ہاتھ تک چاقو کے سفر کا وقت شمار کر کے پینترا بدلتا ہے لیکن کالی کی تیزی دیکھ کر میں خود بھی ششدر رہ گیا۔ اگر عین لمحے پر رنگا اپنے اوپری جسم کو فوراً پیچھے نہ جھکا لیتا تو کالی کا چاقو ضرور اس کے سینے کے آر پار ہو جاتا۔ فضا میں کالی کے حمایتیوں کے نعرے اور رنگا کے ساتھیوں کی بے چین سرگوشیاں ابھریں۔ موتی نے بے چینی سے اپنی انگلیاں چٹخائیں" دھیان سے رنگا استاد" اس کی اپنے آپ سے کی گئی یہ سرگوشی صرف میں ہی سن سکتا تھا۔ رنگا نے خود کو جلد ہی سنبھال لیا اور اس نے نظروں نظروں میں کالی کو داد بھی دی۔ اور ابھی کالی رنگا کی نظروں کی داد ہی سمیٹ رہا تھا کہ رنگا کا ہاتھ اسی تیزی سے لہرایا کہ کالی کو سمجھنے کا وقت بھی نہیں ملا مگر رنگا نے شاید جان بوجھ کر چاقو کی نوک کو صرف چھونے کی حد تک بڑھایا تھا۔ زیادہ قریب آنے میں کالی کے چاقو کی زد میں آنے کا خطرہ بھی اس کے پیش نظر ضرور ہو گا۔ لیکن اس بچے کے وار میں بھی وہ کالی کے کرتے میں سینے کی جگہ ایک بڑا سا سوراخ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب چیخنے کی باری رنگا کے حامیوں کی تھی۔ موتی زور سے چلایا" واہ استاد واہ ۔۔۔ کاٹ ڈالو اس حرام خور کو بھی۔"

اپنے بچے کرتے کو دیکھ کر کالی کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے پے در پے رنگا پر کئی آڑے ترچھے وار کیے۔ دور سے ہمیں فضا میں چاقو کی دھند ادھر ادھر چمکتی نظر آ رہی تھی لیکن رنگا اس بار پوری طرح ہوشیار تھا۔ اس نے خود کو دائیں

بائیں جھکائیاں دے کر بڑی مہارت سے کالی کے چاقو کی پہنچ سے دور رکھا اور پھر وقت جیسے تھم سا گیا
ایک دوسرے پر جھپٹتے اور وار کرتے رہے۔ گھنٹہ بھر ہونے کو تھا۔ دونوں کے چاقو کی نوکیں اب ایک دو
گئی تھیں۔ فضا میں دونوں کے خون کے چھینٹے تھوڑی تھوڑی دیر بعد اچھل جاتے تھے۔ دونوں ہی لہولہان
گھاؤ پر نواب صاحب اپنی آنکھیں بھینچ لیتے تھے اور پاشا صاحب کی تسبیح اور زیر لب پھونکی جانے والی د
جاتی تھیں۔ موتی اب باقاعدہ اچھل کر کہنے لگا تھا" استاد ۔۔۔ لیاقت مجھے ۔۔۔ بس کاٹ ڈالو ۔۔۔" لیکن کو
وار کی زد میں کب آنے والا تھا۔ تھکن دونوں کے چہروں سے واضح تھی اور دونوں کی نظر ایک پل کے
حریف سے نہیں ہٹی تھی۔ دفعتاً کالی نے اپنا چاقو ابتدائی حملے کے انداز میں ہی دوبارہ فضا میں اچھالا۔ شاید
رنگا کو بائیں ہاتھ کا جھکاوا دے کر چاقو کو دائیں ہاتھ سے ہی فضا میں دبوچ کر پھر سے وہی اپنا آزمودہ نسخہ
لیکن جانے رنگا نے اس کی آنکھوں میں کیا پڑھ کر اپنی زندگی کا سب سے بڑا جوا کھیلنے کا فیصلہ کر لیا۔ ٹھیک
نے رنگا کے چاقو فضا میں بلند کرتے ہی اپنا آزاد پنجہ رنگا کی کلائی پر ڈال دیا تھا رنگا نے بھی اپنا پنجہ کالی
ڈال دیا جس کی طرف اس نے چاقو اچھالا تھا شاید کالی کے ذہن میں بھی یہی چال تھی کہ اس بار وہ رنگا کو
چاقو واقعی دوسرے ہاتھ میں تھام کر رنگا کو کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن اس کے وہم
نہیں ہوگا کہ رنگا اس کا وہی ہاتھ دبوچ لے گا۔ کالی کا چاقو اور رنگا کا پنجہ ٹھیک ایک ہی وقت میں کالی کی ہتھیلی
ٹکرائے۔ کالی کی کلائی رنگا کی گرفت میں آئی اور فضا میں ہڈی ٹوٹنے کی آواز گونجی۔ کالی کے چہرے پر شد
آثار نظر آئے لیکن رنگا کی گرفت سے اپنی کلائی نکالنا اس کے لیے ناممکن ہو چکا تھا۔ رنگا کی نظر میری نظر
اس نے اپنی بائیں آنکھ دبا دی۔ جیسے کہہ رہا ہو کہ اسے میرا داؤ اب بھی یاد ہے۔

دوسرے ہی لمحے اس نے کالی کی کلائی موڑ دی اور اس کے پنجے میں جکڑا چاقو ناکارہ ہو گیا۔
"کاٹ ڈال رنگا استاد ۔۔۔ ختم کر دے ۔۔۔ مار ڈال اسے ۔۔۔" رنگا کالی کا بازو پشت پر موڑنے کے بعد اب
عقب میں یوں کھڑا تھا کہ اس کا چاقو کالی کی شہ رگ کو چھو رہا تھا۔ ہجوم کا شور بڑھتا گیا رنگا کے حامی چیخ چیخ کر
شہ رگ پر چاقو پھیر دینے کی دہائی دے رہے تھے۔ کالی نے ایک نظر سب کو دیکھا اور پھر اس نے آنکھیں بند کر
کچھ پڑھا۔ میرا دل زور سے دھڑکا۔ کالی نے بھی آنے والی قضا کے استقبال میں اپنی آنکھیں موند لیں او
لمحے رنگا نے کالی کی شہ رگ پر اپنے چاقو سے عمر بھر کے لیے ایک گہرا نشان ڈال کر اسے لات مار کر سفید دائرے
دھکیل دیا۔ کالی مقابلہ ہار چکا تھا لیکن رنگا نے اس کی جان بخش دی تھی۔ کالی دائرے کے باہر ہی تھکن اور زخ
نڈھال سا پڑا رہا اور پھر سب سے پہلے موتی چلاتے ہوئے رنگا کی طرف دوڑا اور اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا
بعد دیگرے سبھی رنگا کی طرف لپکے اتنا شور مچا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ نواب صاحب نے شکر
پڑھ دیں اپنے ہاتھ فضا میں بلند کر دیے اور پاشا صاحب کی تسبیح رک گئی۔ خود سارنگا کی حالت بھی ٹھیک نہیں تھی
زخموں سے تیزی سے خون بہہ رہا تھا۔ نواب صاحب نے احتیاط کے پیش نظر اپنے ذاتی معالج کو ایمبولینس سمیت
سے وہاں بلا رکھا تھا لیکن رنگا واقعی اعلیٰ ظرف دشمن تھا۔ اس نے خود سے پہلے معالجین کو کالی کی طرف بھیجا۔
سارنگا کو فوراً حویلی کے مردانے میں منتقل کر دیا گیا لیکن رنگا کی حالت سنبھلنے میں تین روز لگ
صاحب کے معالجین نے موتی کو آخری لمحے تک یہی مشورہ دیا کہ وہ رنگا کو فوراً کسی بڑے اسپتال لے جائے

کی مصلحتوں کے تحت موسیٰ نے حویلی میں ہی علاج جاری رکھنے پر زور دیا۔ وہ تو رنگا کو لے کر فوراً یعقوب مینشن پہنچنا چاہتا تھا لیکن نواب صاحب نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر موسیٰ کو رنگا کا علاج زمرد حویلی میں ہی جاری رکھنے پر مجبور کر دیا۔ تیسرے روز ناہید کی بے انتہا ضد پر اسماعیل اسے بھی زمرد حویلی لے آیا۔ حالانکہ اسے سارنگا کی شدید بدمستی کا بھی علم تھا لیکن اس سے ناہید کی حالت بھی نہیں دیکھی گئی۔ ناہید نے رنگا کو پٹیوں میں جکڑا ہوا بستر پر پڑے دیکھا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی باپ کے گلے لگ گئی۔ رنگا اسے روتا ہی رہ گیا" یہ حرام خور اسماعیل بھی نہیں سدھرے گا...... اب کیوں روتی ہے ری ــــ لاڈلی کا بابا ابھی بالکل ٹھیک ہے ــــ بس چند گھڑیوں ہی تو آئی ہیں......" لیکن ناہید کی آنکھوں کا ساون اب تھمنے کا نام نہ لیتا تھا وہ سارنگا کے بستر سے ہٹنے کے لیے ہرگز تیار نہیں تھی۔ بڑی مشکل سے زنانے سے خانم کو بلوا کر اسے رات گزارنے کے لیے ان کے ساتھ بھیجا گیا۔ سارنگا کی کچھ دیر کے لیے آنکھ لگ گئی تو میں بھی دبے پاؤں باہر حویلی کے دالان میں آ گیا۔ رات کے اندھیرے میں چمکتے تارے اور کھلا آسمان بہت بھلا محسوس ہو رہا تھا میرے ذہن میں ایک عجیب سا خیال آیا کہ یہ رات نہ ہوتی تو تاروں کو بھی یہ چمک نصیب نہ ہو پاتی۔ ہم ظاہر پرست انسان ہمیشہ چاند اور ستاروں کی خوبصورتی کو سراہتے ہیں مگر کسی کی یہ نظر اس رات کی سیاہی پر کیوں نہیں پڑتی جس کے دامن کے بغیر یہ جھرمٹ یہ آنچل بھی جگمگا ہی نہ پاتا۔ شاید دنیا کی ہر چمک کسی اندھیرے کی قربانی کی مرہون منت ہے۔ میں انہی سوچوں میں گم چلتا ہوا نہر کی پرلی جانب جا نکلا تب مجھے خیال آیا کہ میں چلتے چلتے زنان خانے کے عقب میں بہتی نہر کی شاخ کے قریب آ پہنچا ہوں۔ حویلی کے محافظوں نے بھی مجھے ٹوکنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ ان کی نظر میں اب ہم سب بھی حویلی کے ہی فرد تھے لیکن خود مجھے تو احساس تھا کہ حویلی کی چار دیواری کے اندر کی حد بندیوں کا خیال رکھنا اب پہلے سے بھی کہیں زیادہ ضروری ہے میں جلدی سے واپسی کے لیے پلٹا اور تبھی میری نظر نہر کے قریب بچھی سنگ مرمر کی سل کے اوپر گم سم سی بیٹھی فضہ کے ہیولے پر پڑی۔ وہ میری آہٹ سن کر چونکی" کون ہے وہاں......" پہلے میں نے سوچا کہ خاموشی سے پلٹ جاؤں کیونکہ اس طرح رات کی تنہائی میں کوئی مجھے فضہ کے ساتھ باتیں کرتا دیکھ لے تو نہ جانے کیا سوچے گا۔ لیکن پھر بے اختیار میں جواب دے بیٹھا" میں آیان ہوں......" میں چند قدم بڑھ کر اس کے سامنے آ گیا۔ اس کی آواز میں ہلکی سی شرارت تھی۔

"کیا آپ اب تک راتوں کو جاگ کر زمرد حویلی کی حفاظت کرتے ہیں......" میرے ہونٹوں پر بھی مسکان آ گئی

"اور کیا آپ ابھی تک اندھیرے میں چھپ کر کتابیں کھاتی ہیں......" وہ بھی ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی اور پاس بہتی نہر کے پانی کی جھنکار میں کتنی مماثلت تھی" وحشی [illegible] کریں...... اچھی لگتی ہیں......" ہم سنگ مرمر کی سل پر بیٹھ گئے۔ اس نے غور سے میری جانب دیکھا" اب مجھے پتہ چلا کہ آپ [illegible] وجود میں اتنی حیرتیں سمیٹے کیسے پھرتے ہیں۔ آپ کے آس پاس بھی لوگ جو اسے حیران کن ہیں ــــ میں نے اس روز [illegible] دیکھا وہ ناقابل یقین تھا۔ سنا تھا کہ پرانے دور میں گلیڈی ایٹرز ہوا کرتے تھے جنہیں بادشاہ وقت کی تفریح کی خاطر اکھاڑے [illegible] تارا جاتا تھا۔ میں وہ مقابلہ دیکھتے ہوئے ٹھیک اسی دور میں پہنچ گئی تھی لیکن آیان...... مجھے آپ کی بہت فکر ہو رہی ہے [illegible] یہ سب بہت خطرناک ہے ــــ اور آپ کے بازو پر کلائی کے قریب یہ زخم کیسا ہے ــــ ضرور یہ بھی ایسی ہی کسی مہم جوئی [illegible] کا ہوگا ــــ یہاں سے جاتے وقت تو آپ کا بازو بالکل ٹھیک تھا......" میں نے بات ٹالنے کے لیے اس سے سوال [illegible] لیکن آپ یہاں کیا کر رہی ہیں اتنی رات گئے......"

"بس...... نیند نہیں آ رہی تھی۔ ناہید کو موسو[illegible] اپنے کمرے میں ہی روک لیا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے سوئی [illegible]

کچھ دیر کے لیے ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ خاموشی صرف باتیں ختم ہو جانے کے بعد ہی در[illegible] کبھی جب کہنے کے لیے بہت زیادہ ہو۔ تب بھی ہمارے لفظ کھو جاتے ہیں۔ پھر اسی نے لب کھولے" آیا[ن] آپ سے اپنے اس دن کے رویے کے لیے بھی معافی مانگنا چاہتی تھی۔ میں پہلے بھی شدید دباؤ کے با[illegible] جذباتی نہیں ہوئی لیکن جانے اس دن مجھے کیا ہو گیا تھا۔ مجھے یوں ایک لمحے میں ہی آپ کے سامنے اپنا من [illegible] کو پریشان کرنے کا کوئی حق نہیں تھا ــــ ہو سکے تو مجھے......" میں نے اس کی بات کاٹ دی" آپ حق کی [illegible] مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔ بات اگر حق کی ہے تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں آپ کی کسی عنایت کا حق دار نہ[illegible] الجھی گئی" آخر آپ ایسا کیوں کہتے ہیں ــــ اگر کسی ایک شخص نے آپ کے کومل جذبے کو پہچاننے میں بھول [illegible] آپ اس کی سزا زندگی بھر خود سمیت دوسروں کو بھی دیتے رہیں گے......؟ کیا کبھی بھی ایسا کوئی نہیں آ[illegible] کے پرانے زخم مندمل کر پائے......؟ کیا کوئی گھاؤ ایسا گہرا ہو سکتا ہے کہ اس کا مسیحا ڈھونڈے سے نہ مل پا[illegible]

وہ اپنے معصوم سوالات کے جواب کے انتظار میں میرا چہرہ تکتی رہی۔ مسیحا خود گھائل سے شفا [illegible] طلب کر رہا تھا۔ اب میں اسے کیسے سمجھاتا کہ وہ تو خود وہ طبیب ہے کہ جس کی ایک شفایاب نظر کی طلب میں [illegible] مریض عمر بھر اس کی چوکھٹ پر پڑے رہیں۔ پر میرا تو مرض ہی جدا تھا۔ میں نے اسے اپنی زندگی کے پہلے [illegible] لے کر اب تک ہر بات دھیرے دھیرے بتانا شروع کی۔ امی، ابا، ریحان، چھوٹی، پھر کینیے فراق، میرے [illegible] سے میری پہلی ملاقات، شیخ صاحب، ستارہ، حمید، تنویر اور پھر شوکی کے ساتھ میرا پہلا جھگڑا اور وہاں سے [illegible] حویلی تک کے اس لمبے سفر کی ایک ایک بات اس کے سامنے کھول کر رکھ دی۔ درمیان میں سانس لینے کو [illegible] صرف سامنے بہتی ندی کے پانی کی سرسراہٹ ماحول کو زندہ رکھتی۔ فضہ خود دم سادھے، بالکل خاموش میری [illegible] رہی۔ جیسے اسے ڈر ہو کہ درمیان میں کہیں ٹوکنے پر میں کچھ بھول نہ جاؤں، اور پھر جب میری داستان ختم ہو[illegible] حویلی کے اونچے برجوں کے درمیان سے صبح کی سپیدی اندھیرے پر غالب آنے کو تھی۔ سچ ہے کہ ہماری [illegible] اندھیرے یا روشنی سمیت کسی شے کو دوام حاصل نہیں ــــ

جس طرح ایک بھرپور روشن دن گزار چکنے کے بعد ڈھلتی شام اور رات کا اندھیرا ہمیں اداس کر دیت[ا] اسی طرح ایک بھرپور کالی رات اور چاند ستاروں کے ساتھ کے بعد صبح کا دھیرے دھیرے چھاتا ہوا اجالا بھی ا[illegible] مگن کر دیتا ہے۔ آنکھوں آنکھوں میں شب کاٹنے کا لطف تو کوئی کسی شب گزیدہ سے پوچھے۔ ہم دونوں بھی اس [illegible] شب گزیدہ تھے اور اب یہ صبح کی آمد ہمیں ایک دوسرے سے نظریں چرانے پر مجبور کر رہی تھی۔ رات کا فسوں ٹوٹ[illegible] ہماری زبانیں ہمارے الفاظ کا ساتھ دینے پر مائل نہیں تھیں۔ میں نے فضہ سے اجازت چاہی۔ واپسی کے لیے قد[م] تو اس نے مجھے آواز دی" آیان ــــ" میں نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے کھڑی تھی" میں اس رات کو زند[گی] سرمائے کی طرح اپنی یادوں میں سمیٹ کر رکھوں گی ــــ اب میرے حافظے کو کسی مزید یادداشت کی ضرورت نہ ہو[illegible] میں نے اسے نظر بھر کر دیکھا" میں اس لمحے کو ہمیشہ یاد رکھوں گا ــــ" میں پلٹ کر چل دیا۔ وہ وہیں کھڑی رہی ایک[illegible] کی طرح ــــ اپنی سلطنت کے ایک جاتے ہوئے کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ جب میں اپنے کمرے میں پہنچا تو صب[ح] زمرد حویلی کے وسیع دالانوں میں اتر رہا تھا۔ شب بیت چلی تھی لیکن یاد شب ابھی باقی تھی اور شاید سدا باقی رہے[illegible]

باب 29

اور پھر صبح جب دیر سے میری آنکھ کھلی تو شمعون کو فکر مند سا اپنے دروازے کے باہر کھڑا پایا۔ "اچھا ہوا آپ جاگ گئے۔ ناہید بٹیا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ سخت تیز بخار نے آگھیرا ہے انہیں۔" میں فوراً لباس تبدیل کر کے شمعون کے ساتھ ناہید کے کمرے میں پہنچا۔ خانم خود اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھیں۔ فضہ مجھے وہاں نظر نہیں آئی۔ شاید وہ دوسری جانب حویلی کے مہمانوں کے ناشتے کا انتظام دیکھ رہی تھی۔ ناہید اپنے پیارے بابا کو بیڑیوں میں جکڑا دیکھ کر گزشتہ شام سے ہی سخت تناؤ کا شکار تھی اور اس کے ذہنی دباؤ کا کچھ ایسا ہی نتیجہ متوقع تھا۔ میں نے ماحول بدلنے کی خاطر اسے چھیڑا "خود اپنی خدمت کروانے کا خوب بہانہ ہے یہ بخار بھی...... لیکن دھیان رہے، ہم یہاں مہمان ہیں بی بی......" خانم اور ناہید دھیرے سے مسکرائیں "آیان بھائی...... میں پہلے ہی اپنے میزبانوں سے بہت شرمندہ ہوں...... آپ اور شرمندہ نہ کریں مجھے......" خانم نے پیار سے اسے ڈانٹ دیا "بیٹیاں اپنے گھر میں کبھی پرائی نہیں ہوتیں...... تم میری فضہ جیسی ہی تو ہو......" کچھ دیر میں شمعون رنگا کا پیغام لے کر آ گیا اور میں مردانے میں چلا آیا۔ مجھے دیکھتے ہی رنگا نے پوچھا "کیسی ہے وہ......" اسے شاید ناہید کی بیماری کی خبر مل چکی تھی "تیز بخار ہے۔ خانم تیمارداری کر رہی ہیں اس کی......"

"اسی لیے میں نہیں چاہتا تھا کہ لاڈلی یہاں آئے...... اس حرام خور اسماعیل کی کھال کھنچوانی پڑے گی......"

"کس کس کی کھال کھنچوائیں گے آپ...... ان زخموں کے نشان تو جاتے جاتے اپنی داستان سارے زمانے کو سنا جائیں گے...... ناہید کہیں اب آپ کو کھونے کے ڈر سے خود کو ہی نہ کھو دے......" رنگا نے موسیٰ کی طرف دیکھا "دیکھ رہا ہے موسیٰ...... یہ دونوں بہن بھائی اب مل کر میری مت میں کسنا چاہتے ہیں...... تو انہیں سمجھاتا کیوں نہیں کہ ہمارے دھندے میں واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا...... اپنی دنیا کے ان گدھوں سے جان چھڑا بھی لوں تو پولیس اور کوتوالی ساری زندگی جان نہیں چھوڑے گی۔ باقی ساری عمر یا سلاخوں کے پیچھے ہی کٹ جائے گی...... وہ تو نادان ہے ساجن...... پر تو کیوں نہیں سمجھتا......؟" ہماری باتوں کے درمیان نواب صاحب بھی پاشا کے ساتھ کمرے میں آ چکے تھے "بھئی کون کس کو نہیں سمجھ رہا......؟" رنگا نے نواب کو دہائی دی "دیکھو نہ سرکار...... یہ بھی لاڈلی کے ساتھ مل گیا

بھی آیان میاں کا ہی ساتھ دوں گا۔ ہم میں سے کوئی بھی آپ کو اب اپنی جان یوں جوکھم میں ڈالنے کی
دے سکتا۔ اگر آپ کو شہر میں رہنے میں کوئی اعتراض ہے تو آپ یہاں میرے پاس رہ سکتے ہیں۔ یہ ناہید
ہی گھر ہے جتنا ہماری فضہ کا......" سارنگا نے بے چارگی سے موسیٰ کی جانب دیکھا "تو بھی...... ہم دو کو
یہاں تو بڑے سرکار بھی انہی کے ہم نوا نکلے...... نواب صاحب...... ہماری دنیا میں زور کو سلام پڑتا ہے
جاتے ہیں...... اور رنگا کا زور اس کے اڈے کے بل پر ہی قائم ہے" میں نے اپنا خیال ظاہر کیا "بات اگر
کی ہے تو طاقت حاصل کرنے کے اور بھی بہت سے ذرائع ہیں مثلاً سیاست...... آپ ہمیشہ بادشاہ گر بنے ر
کے بل پر لوگ تخت حاصل کرتے رہے...... ایک بار خود سیاست کی بادشاہ گری کیوں نہیں اپناتے...... طاقت
کے پاس رہے گی...... ہاں البتہ اڈے کی زندگی ترک کرنے کا اور اپنی دنیا کے لوگوں سے کنارہ کشی کا ایک
بہانہ ضرور مل جائے گا......" رنگا نے میری بات سن کر موسیٰ کی طرف دیکھا اور دونوں ہنس پڑے "یہ لو
کون ووٹ ڈالے گا...... کیوں رے موسیٰ...... تو کھڑا ہوگا میری طرف سے الیکشن میں......؟ بس تین ماہ
موسیٰ نے جلدی سے کانوں کو ہاتھ لگایا "نا استاد نہ...... میں نے تو پانچویں بھی پاس نہیں کی...... آج کل تو
چودھویں پاس الیکشن لڑ سکتا ہے......" رنگا نے ہاتھ پر ہاتھ مارا "وحشت تیرے کی...... میں بھی تو صرف
ہوں...... یہ گل تو منہ سے نہیں چھٹے کی سجنوا......"

رنگا اور موسیٰ دونوں ہی ہنستے رہے۔ اچانک نواب صاحب نے لقمہ دیا "تو کیا ہوا...... آیان نے
کا امتحان دے رکھا تھا۔ شاید نتیجہ بھی نکل گیا ہے...... میرے ذہن میں نہیں رہا اس پریشانی میں...... میں
پہلے ہی اخبار میں سرخی دیکھی تھی...... پاشا صاحب...... آپ پرانے اخبار تو نکلوائیں شمعون کو کھلوا کر...... ہاتھ
کیا......؟" بات کہاں سے کہاں نکل گئی اور کچھ ہی دیر میں شمعون پرانے اخباروں کا پلندہ اٹھائے کمرے میں
کچھ دیر بعد وہ بھی اس تندہی سے اخبار میں بی اے کا نتیجہ ڈھونڈ رہے تھے، جیسے میرے پاس ہونے سے
سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔ میرا رول نمبر پاشا صاحب پہلے ہی مجھ سے پوچھ چکے تھے جو بے حد آسان
سے ہمیشہ زبانی یاد رہا تھا۔ 1985...... میری پیدائش کا سال ہی میرا رول نمبر تھا، اور پھر اچانک ہی
"حضور کہیں یہ اخبار تو نہیں...... اس میں بہت سے نمبر لکھے ہوئے ہیں......" پاشا صاحب نے لپک کر اخ
تیزی سے نظریں اخبار کے صفحے پر دوڑائیں۔ نہ جانے کیوں میرا دل بھی زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ مجھے
جو اسی طرح بے چینی سے میرا نتیجہ اخبار میں تلاش کیا کرتے تھے اور عام طور پر انہیں بدلے میں مایوسی ہی
لیکن آج جب وہ میرے ساتھ نہیں تھے تو نتیجہ وہ نکلا جس کا انہیں ہمیشہ سے انتظار تھا۔ پاشا صاحب
چلائے "ہاں...... یہ رہا...... انیس سو پچاسی...... بھئی واہ...... ہائر سیکنڈ ڈویژن آئی ہے...... اپنے آیان میا
گئے......" وہ چاروں اس طرح خوشی منا رہے تھے اور بچوں کی طرح بار بار میرا رول نمبر اخبار میں دیکھ رہے
پاس ہونے پر میرے سارے دوست بلا مچاتے تھے۔ میں نے جھک کر پاشا صاحب کے ہاتھ سے اخبار
بالے، منشی اور رحیم کا رول نمبر بھی یاد تھا۔ ہم سب ایک ہی قطار میں ہی تو بیٹھے تھے۔ بالا مجھ سے پیچھے تھا اور
میرے آگے...... رحیم اور منشی کا نمبر میرے رول نمبر کے آگے موجود تھا لیکن بالے کا رول نمبر مجھے نظر نہیں آیا

لڑتے جھگڑتے دیکھا۔ بالا ضرور ان دونوں کو مجھ سمیت غداری کے طعنے دے رہا ہوگا کہ ہم سب نے اس کے ساتھ دھوکا
کیا ہے، اور وہ دونوں اسے منا رہے ہوں گے کہ جب تک بالا سارے پرچے پاس نہ کرلے ہم اگلی جماعت میں نہیں
بیٹھیں گے۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا تھا ایک دوسرے کے ساتھ جماعت میں بیٹھنے کے چکر میں بی اے کرتے کرتے ہم
سب چوبیس سے اوپر کے ہو چکے تھے۔ میں اپنے خیالات کی رو میں اس قدر کھویا ہوا تھا کہ مجھے اس بات کا احساس ہی
نہیں ہوا کہ نواب صاحب مجھے تیسری بار مبارک باد دے چکے ہیں "کہاں کھوئے ہو میاں..... لگتا ہے دوست اور گھر بار
یاد آگئے تمہیں....." رنگا نے غور سے میری طرف دیکھا "لے چلیں گے اسے اس کے بالا کے پاس..... اب تو اس نے
امتحان بھی پاس کرلیا ہے..... شاید اب وہ اسے معاف کر دیں....."

موتی نے مجھے چھیڑا "کیوں شہزادے..... اڈے کا الیکشن ہمارے لیے.....؟" میں نے سارنگا کی طرف
دیکھا "ہاں..... اگر آپ دونوں یہ وعدہ کریں کہ میری جیت کی صورت میں ہمیشہ کے لیے اڈہ ترک کردیں گے۔
یعقوب مینشن ہمارا ہیڈ کوارٹر رہے گا اور وہاں موجود سارے شاگرد استاد اور تمام کارندے ہمارا سیاسی عملہ ہوگا۔ وہاں کلائی
اور زور کی مشق ہمیشہ جاری رہے گی لیکن وہ طاقت اب ہم سیاست کے میدان میں استعمال کریں گے۔ بولیں..... منظور
ہے میری شرط.....؟" ہنسی مذاق میں شروع ہونے والی ایک بات نے اتنا سنجیدہ رخ اختیار کرلیا تھا کہ خود ہم نے بھی
کبھی نہیں سوچا تھا۔ رنگا کسی گہری سوچ میں گم تھا "الیکشن لڑنا آج کل اتنا آسان کام نہیں رہا ساجن..... یہ پرانے گدھ
کسی نئے پنچھی کو اس آسمان پر کہاں اڑنے دیتے ہیں بھلا.....؟ تیری جان خطرے میں پڑ جائے گی..... ہماری دنیا میں تو
پھر بھی للکار کر وار کرتے ہیں پھر وہاں پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی ریت ہے پیارے..... تجھے کیسے اس دوزخ میں جھونک
دوں بھلا....."

"میری زندگی اتنی قیمتی نہیں ہے..... لیکن آپ کی زندگی سے ناہید کی زندگی جڑی ہے۔ سینکڑوں خاندان ہیں
جن کا چولہا قدرت نے آپ کے دم سے جلا رکھا ہے۔ میں اس آگ میں کودنے کے لیے تیار ہوں..... اب آخری فیصلہ
آپ کے ہاتھ میں ہے....." میں ان سب کو گہری سوچ میں ڈوبا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

کالی کا علاقہ بھی اب رنگا کی راج دھانی میں شامل ہو چکا تھا۔ نواب کا بڑا بیٹا وقار کالی کی شکست کے بعد
سے غائب تھا۔ موتی نے تیسرے دن ہی کالی کے اڈے کا انتظام سنبھال لیا تھا۔ نواب صاحب کو بھی حویلی کے انتظامات
سنبھالنے کے لیے اب کسی نئے منیجر کی ضرورت تھی کیونکہ رحیم کے جانے کے بعد اب اس کی ذمہ داریاں نبھانے والا
کوئی نہیں تھا۔ میرے ذہن میں بہت پہلے ستارہ کی کہی ہوئی بات گونجی کہ شیخ صاحب حمید کی بے روزگاری کی وجہ سے
بہت پریشان رہتے ہیں۔ تیسرے روز موتی کسی ضروری کام سے شہر جانے کے لیے زمرد حویلی سے نکلا تو میں بھی اس
کے ساتھ تھا۔ میں کیفے فراق کے پاس اترا تو وقت تھم سا گیا۔ شام کی چائے کا وقت ہو رہا تھا اور بیرے تیزی سے فٹ
پاتھ پر لگی میزوں کی جھاڑ پونچھ میں مصروف تھے۔ کیفے کا ریکارڈ پلیئر اپنی مخصوص چرچراہٹ کے ساتھ سر بکھیر رہا تھا

کیسے تن میں ہائے..... دل کو دل کی لگی بیماری
مہنگائی کے دور میں مہنگی ہوگئی یار کی یاری
دل کی لگی دل کو جب لگائی مار گئی

پاؤڈر والے دودھ کی ملائی مار گئی
اور بچا جو تیکھی چلائی مار گئی.....
باقی کچھ بچا تو مہنگائی مار گئی..... مہنگائی مار گئی
ہائے مہنگائی..... مہنگائی مہنگائی..... تو کہاں سے آئی
تجھے کیوں موت نہ آئی..... کہ باقی کچھ بچا تو مہنگائی مار گئی..... مہنگائی مار گئی

آس پاس بیٹھا بابو اور کلرک طبقہ گانے کے بولوں پر سر دھن رہا تھا۔ غریب جب غربت سے لڑ
تھک جاتا ہے تو پھر وہ اپنے دل کی بھڑاس ایسی ہر بات اور شعر کو داد دے کر نکالتا ہے جس میں غربت اور مہنگا
رونا گیا ہو۔ یہ شاعر اور سیاست دان ایسی ہی باتیں کرکے ان کے دلوں میں پلتے کسی ننھے لنگڑے انقلاب کے
سے بھی ہوا نکال دیتے ہیں اور غریب رات کو تھکا ہارا پھر سے آنے والے خیالی سہانے دنوں کی یاد میں بستر
ہے۔ کچھ ہی دیر میں میری آمد کی اطلاع سارے علاقے کو ہو چکی تھی اور پھر سب سے پہلے رضیہ اور پھر منشی
دوڑتے ہوئے کیفے فراق کے ہال میں داخل ہوئے اور مجھ سے لپٹ گئے۔ میں نے مرزا کو شیخ صاحب اور
اطلاع دینے کے لیے بھی کہلوا بھیجا تھا، کیونکہ میرے پاس وقت کم تھا اور مجھے موتی کے ساتھ زمرد حویلی بھی
میرے مستقبل کے منصوبے سن کر رضیہ چلایا "یہ تو کیا کہہ رہا ہے الو..... الیکشن..... نہیں نہیں....." منشی نے غور
طرف دیکھا "کیا تم سنجیدہ ہو.....؟" میں نے گہری سانس لی "شاید تین دن پہلے تک میں نے اس بارے میں
نہیں تھا لیکن اگر یہی ناہید کے اطمینان اور خوشی کا واحد ذریعہ ہے تو ہاں..... میں سنجیدہ ہوں....." بالے نے
سے کہا..... "لیکن سیاست خود ایک بہت بڑا گندہ تالاب ہے پیارے..... جو اس میں اترا..... وہ داغ دار ہی ہوا

"ہاں..... جانتا ہوں میں..... ہم خود بھی تو تمام عمر اپنے ہی چنے ہوئے سیاست دانوں کو برا بھلا ک
دیتے ہیں لیکن ہم میں سے کوئی آخر یہ کیوں نہیں سوچتا کہ اگر یہ گند ہے تو اسے پاک کرنے کے لیے ہمیں خود اس
میں اترنا پڑے گا۔ ہمارے مسئلے حل کرنے کے لیے آسمان سے کوئی فرشتہ تو اترنے سے رہا..... جب تک ہم سیا
گندہ تالاب سمجھ کر اس کے کنارے بیٹھ کر اندر والوں پر صرف تنقید کرتے رہیں گے یہ پانی ہمیشہ ناپاک ہی
گا..... اسے نکھارنا ہے تو ہم جیسوں میں سے کسی کو تو پہل کرنی ہوگی..... میں مانتا ہوں کہ ہمارے ملک میں
صرف پیسے اور طاقت کے بل پر کی جاتی ہے..... لیکن آج قدرت کی مرضی سے یہ دونوں لوازمات میرے ہم دو
پاس موجود ہیں..... تو پھر یہ بازی کھیلنے میں بھی کیا حرج ہے..... ہم چاروں نے آج تک صرف اپنے دل
ہے..... ایک بار زمانے کی مان لینے میں کیا حرج ہے....."

وہ سب میری بات سن کر خاموش ہوگئے لیکن ان کے چہروں پر چھائی فکر اور پریشانی صاف نظر آ رہی
کچھ ہی دیر میں ریحان بھی وہاں پہنچ گیا۔ شیخ صاحب البتہ مرزا کو گھر میں نہیں ملے۔

میں نے اسے اپنی آمد گھر والوں سے چھپانے کی ہدایت کی تھی۔ ریحان نے مجھے بتایا کہ امی میری
موجودگی میں کافی بیمار پڑ گئی تھیں۔ البتہ میرا رزلٹ دیکھ کر ان کی طبیعت قدرے سنبھلی ہے۔ ابا میرا نتیجہ دیکھ کر اند
طور پر خوش ہوئے پر انہوں نے اپنی خوشی گھر والوں پر ظاہر نہیں کی۔ چھوٹی روزانہ شام کو میرا انتظار کرتی ہے ا
حسب معمول ہر جمعرات کی شام میرے نام کا صدقہ نکالتی ہیں۔ ریحان نے میرا ہاتھ تھام لیا "انوبار..... تم ک

واپس آؤ گے..... بس اب یہ ضد چھوڑ دو..... ہم سب تمھیں بہت یاد کرتے ہیں۔ تمہاری واپسی کی راہ تکتے رہتے ہیں....." میں نے ریحان کی آنکھوں میں جھانکا۔ "کیا ابا بھی.....؟" ریحان نے نظریں جھکالیں۔ مجھے میرا جواب مل گیا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔ "جس دن ابا کو بھی میری کمی محسوس ہوگی میں ضرور لوٹ آؤں گا۔" میں نے مرزا کو شیخ صاحب کے لیے ایک رقعہ لکھ کر دیا کہ وہ اپنے طور پر حمید کو پاشا صاحب سے رابطے کے لیے کہیں۔ اسے معقول تنخواہ پر حویلی کی نوکری مل جائے گی۔ کچھ دیر بعد سوہنی کی گاڑی مجھے لینے کے لیے پہنچ گئی اور میں ان سب سے جلد ملنے کا وعدہ کر کے وہاں سے چلا آیا۔

نواب صاحب سارنگا کے زخم پوری طرح مندمل ہونے تک اسے وہاں سے منتقل کرنے کے حق میں نہیں تھے لیکن رنگا نے اپنی مجبوری ظاہر کی کہ اسے یعقوب مینشن سے نکلے بہت دن ہو چکے ہیں وہاں کا نظام درہم برہم ہو چکا ہوگا لہٰذا اس کا جانا ضروری ہے۔ نواب صاحب نے جاتے جاتے دو الفاظ میں رنگا کو پیش کش کی کہ میرے الیکشن لڑنے کی صورت میں ان کی خواہش یہی ہوگی کہ میرا سارا خرچہ وہ خود برداشت کریں۔ رنگا نے مسکرا کر ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا "میرے اور آپ کے پیسے میں کوئی فرق ہے بھلا..... دیکھیں گے وقت آنے پر..... ابھی تو میرا دل نہیں مانتا اس فیصلے کو..... ہم غنڈے ہی سہی..... پر سیاست دان نہیں ہیں....."

لیکن جب ناہید کو پتہ چلا کہ میں نے رنگا کو اس دلدل سے نکالنے کے لیے سیاست کا درمیانی راستہ نکالا ہے تو اس نے وہیں زمرد حویلی کے بستر پر بخار کے دوران ہی بھوک ہڑتال کا اعلان کر دیا اور اس وقت تک اناج کا ایک بھی دانہ منہ میں نہ رکھنے کی قسم کھائی کہ جب تک اس کے بابا میرے پیش کردہ منصوبے کی منظوری کا اعلان نہ کر دیں۔ آخر کار باپ کو اپنی بیٹی کی ضد کے آگے ہار ماننا ہی پڑی۔ رنگا نے خود زنانے میں جا کر ناہید کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور اس روز سارنگا نے اپنی لاڈلی کو بہت عرصے بعد اپنے ہاتھوں سے ناشتہ کروا کر اس کی قسم توڑی۔ ہم سب زمرد حویلی سے رخصت ہوئے تو حویلی کے بھی مکین بہت دیر تک مرکزی گیٹ پر کھڑے ہمیں رخصت کرنے کے لیے ہاتھ ہلاتے رہے، لیکن ان سب میں فضہ شامل نہیں تھی۔ الوداع کہنے کے بعد میں نے اس کی آخری جھلک زمرد حویلی کے اونچے برج کی ایک منڈیر کے پیچھے دیکھی تھی۔ وہ وہیں سے کھڑی ہمیں رخصت ہوتے دیکھتی رہی۔

اگلے چند روز بے حد مصروف گزرے۔ رنگا نے یعقوب مینشن پہنچتے ہی باقاعدہ اخبار والوں کو چائے کی دعوت پر بلا کر یہ اعلان کر دیا کہ وہ اس بار انتخابات میں کسی بھی پارٹی کا ساتھ دینے کے بجائے خود اپنا نمائندہ کھڑا کر رہا ہے، اور وقت آنے پر اس نمائندے کے نام کا اعلان بھی کر دیا جائے گا۔ رنگا نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ وہ کسی بڑی پارٹی سے ٹکٹ لینے کے بجائے اپنے امیدوار کو آزاد میدان سے لڑانے پر بھی غور کرے گا۔ رنگا کے اس اعلامیے کے ساتھ ہی زیرِ زمین اور سیاست کے ایوانوں میں تھرتھری سی مچ گئی اور دونوں جانب سے اس پر شدید دباؤ ڈالا جانے لگا کہ وہ اپنا یہ فیصلہ واپس لے لے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ سارنگا کس قدر دور اندیش تھا۔ اگر وہ اڈے کی گدی چھوڑ کر یہ اعلان کرتا تو واقعی دونوں اطراف کے "بجو" اس کی ہڈیاں تک چبا جاتے، لیکن رنگا نے اڈے اور اپنے زیرِ زمین سرکار کے بل پر یہ فیصلہ لیا تھا لہٰذا رفتہ رفتہ سبھی خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہوتے گئے لیکن رنگا اب بھی ہر قدم نہایت پھونک پھونک کر اٹھا رہا تھا اور اس نے کاغذات جمع ہونے کے آخری وقت تک میرے نام کا اعلان نہیں کیا اور سب سے پہلے اپنے چاروں اطراف کے کلے مضبوطی سے گاڑنے کے بعد آخری تاریخ سے صرف ایک دن پہلے میرا نام سب کے سامنے ظاہر کر

دیا۔ آیان احمد کے ہزاروں پوسٹر چھپ کر آ گئے اور علاقے کی ہر در و دیوار پر میرا نام چسپاں ہوتا چلا گیا۔ اس
کے دوران میرے سب سے تیز اور پرجوش ورکر علاقے کے وہی نوجوان ثابت ہوئے جن کو کبھی ہم نے ہفتہ خور
خلاف اکٹھا کیا تھا۔ مٹھی، وہاب اور رجب کی سربراہی میں ہمارے علاقے کے سینکڑوں نوجوان صبح شام میرے
لوگوں کی رائے بدلنے کے لیے لوگوں کے دروازے کھٹکھٹا رہے تھے۔ وہ جنہیں لوگ لوفر، آوارہ، ناکارہ اور نکما کہ
دھتکارتے آئے تھے۔ آج اپنے جیسے ایک لوفر اور آوارہ کے لیے اپنا تن من لگا کر اپنے دن رات ایک کیے ہ
تھے۔ ان کے اندر کہیں نہ کہیں یہ بات بھی ضرور ہلچل مچاتی ہوگی کہ یہ انہی جیسے ایک آوارہ کی شناخت کی بازی ہ
سب یہ بازی اپنی بازی سمجھ کر کھیل رہے تھے۔ ان کے پاس دنیا پر یہ ثابت کرنے کا آخری موقع تھا کہ وہ
نہیں ہیں..... اگر انہیں موقع دیا جائے تو وہ بھی زمانہ جیت کر دکھا سکتے ہیں۔ میری فرمائش پر رنگا نے خصوصی طور
سبھی کے لیے روزانہ اور ہفتہ وار خصوصی معاوضے کا بندوبست بھی کر دیا تھا تاکہ انہیں گھر والوں کے طعن
اعتراضات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ان میں سے خود کسی نے کوئی مطالبہ نہیں کیا لیکن میں جانتا تھا یہ سب نوجوان
ہر گھر میں کہیں کسی عضوِ معطل کی طرح بکھرے پڑے رہتے ہیں ان کے لیے کبھی کوئی خاص برتاؤ نہیں ہوتا۔ ان کو
کر وہ میسر نہیں آتا۔ کبھی کوئی خصوصی تقریب منعقد نہیں کی جاتی۔ ان کی فرمائش پر کبھی گھر میں کچھ خاص پکوان نہ
پکایا جاتا۔ ہر بار کسی چھوٹے یا بڑے بھائی یا کسی چچا زاد یا پھر کسی دور پار کے رشتے دار کی کامیابی پر انہیں طنز، طعنو
جلی کٹی باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہیں اپنی مرضی سے کسی کی مدد کرنے کا حق تک حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان
گھر کی سب سے ناقص اور انتہائی کمتر قسم کی مخلوق میں کیا جاتا ہے۔ ایسے میں اگر وہ گھر میں چار پیسے لا کر دیں گے تو
انہیں باتوں کو آوارہ گردی کے طعنے تو نہیں ملیں گے۔ گھر میں یہ پیسے نہ بھی دیں تو کچھ دن کسی کے آگے ہاتھ پھیلا
شرمندگی سے تو بچ جائیں گے۔ وہ سب اب میرے ساتھی تھے اور میں ان سب کا آیان بھائی تھا۔ آخر کار وہ د
آ گیا جب میرا پہلا جلسہ ہونا تھا۔ مقام وہی تھا جہاں سے میری کہانی شروع ہوئی تھی..... کیف فراق کے سا
سڑک اور بابو کالونی۔

باب 30

اس روز صبح سے ہی آسمان پر گھنے سیاہ بادلوں اور ہلکی بدلیوں کے درمیان ایک دوسرے کو چھونے کی شرط بندھ چکی تھی اور سہ پہر تک ان سب نے مل کر آسمان کو پوری طرح ڈھک لیا۔ میں جب کیفے فراق کے سامنے پہنچا تو بارش کی بوندیں موٹی اور تیز تر ہو چکی تھیں۔ موٹی نے برسات کے پیش نظر خدشہ ظاہر کیا کہ شاید لوگ زیادہ تعداد میں جمع نہ ہو پائیں لیکن جب میں نے مرزا کو باہر فٹ پاتھ پر کوئی میز رکھنے کا اشارہ کیا جس پر کھڑے ہو کر میں اپنے لوگوں سے بات کر سکتا تب تک چھتریوں کا ایک انبار ہمارے ارد گرد اکٹھا ہو چکا تھا۔ مرزا جلدی سے وہی میز اٹھا لایا جس کے گرد ہم دوستوں نے بچپن سے لے کر اب تک جانے کتنے اور ان گنت لمحے ہنستے مسکراتے گزارے تھے۔ میں میز پر کھڑا ہوا تو مشی، بالے اور رابعہ نے اسے مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ آج بھی میرے ساتھ میرے وہی پرانے سہارے جڑے ہوئے تھے۔ بارش کی بوچھاڑ نے مجھے پل بھر میں نہلا سا دیا، لیکن بابو کالونی، سادات محلے اور آس پاس سے جوان، بزرگ، بوڑھے اور بچے نکلے چلے آ رہے تھے۔ میری فورس کے نوجوان ایک جانب جمع تھے اور سڑک پر دور دور تک صرف سیاہ چھتریاں ہی نظر آ رہی تھیں۔ چچا فراق نے سردی کے پیش نظر چائے کا خصوصی انتظام بھی کر رکھا تھا۔ رابعہ نے ان سے ادائیگی کا پوچھا تو وہ رو پڑے کہ "ادائیگی کرنی ہے تو پہلے ان چار سو ستر روپوں کی کر و جو الو کا اب تک کا ادھار ہے۔ بولو کر پاؤ گے ادا؟" رابعہ لاجواب ہو گیا۔ واقعی ہم ساری عمر بھی کما کر چچا فراق کی محبت کا وہ ادھار نہیں چکا سکتے تھے۔

میرے سامنے ان چہروں کا ہجوم اکٹھا ہوتا جا رہا تھا جنہیں میں بچپن سے اپنے ارد گرد دیکھتا آیا تھا۔ ان میں سے بہت سے ایسے تھے جو مجھے اپنی گود میں کھلا چکے تھے وہ اپنے کاندھوں پر مجھے بٹھا کر کیفے فراق سے واپس میرے گھر تک چھوڑ کر آیا کرتے تھے۔ آج وہ سب یہاں جمع ہو کر یہ سننے آئے تھے کہ ان کا الو ان سے کیا کہنا چاہتا ہے میں جانتا تھا کہ ابا نہیں آئیں گے نہ ہی وہ ریحان کو میرے جلسے میں آنے کی اجازت دیں گے لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں میری نظریں ان دونوں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ تقریر کے لیے کھڑے ہوتے ہی میرے الفاظ کھونے لگے۔ جنہوں نے مجھے بولنا سکھایا تھا ان کے سامنے بھلا تقریر کیسی؟؟ بڑی مشکل سے میں نے خود کو مجتمع کیا۔

[illegible]

پرانا حال لے کر آیا ہوں میں جو بھی ہوں ..... آپ کے سامنے ہوں اور جو تھا وہ بھی آپ سے کبھی چھپا نہیں کوئی لیڈر، سیاست دان یا انقلابی بھی نہیں ہوں کہ اگلے چند ماہ میں اس سڑک اس محلے اور اس علاقے کی انقلاب کے ذریعے ختم کرنے کا دعویٰ کر سکوں۔ میں تو بس آیان ہوں۔ وہی پرانا الو جس نے یہاں کے بزرگ پکڑ کر چلنا سیکھا ہے۔ وہی نالائق آیان جس کی شرارتوں پر آپ میں سے کتنوں نے اس کے کان بھی کھینچے ہیں حرکتوں سے تنگ آ کر خود اس کے ابا نے اسے گھر بدر کر ڈالا۔ ہاں ..... میں وہی آیان ہوں ..... اور میں یہاں کے سامنے صرف ایک عہد کرنے آیا ہوں کہ میں منتخب ہو کر بھی ہمیشہ یہیں آپ کے ساتھ رہوں گا۔ کوئی محل بھو نپڑے سے دور نہیں کر سکے گا۔ میں چٹکی بجاتے ہی مہنگائی تو شاید دور نہ کر سکوں لیکن راشن کی لائن میں آ مجھے بھی قطار میں کھڑا دیکھیں گے۔ گیس، آٹا، چینی مہنگی ہوں گی تو میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ سڑک پر احتجا نکلوں گا جب آپ کے گھر اندھیرا ہو گا تو میں بھی اسی لوڈ شیڈنگ میں اپنے آنگن میں مچھروں کا سامنا کروں پانی آپ کے کچے گھروں میں داخل ہو گا تو میرا گھر بھی سوکھا نہیں رہ پائے گا۔ جس بس اسٹاپ پر آپ گھنٹو ٹرانسپورٹ کا انتظار کریں گے میں بھی اسی ٹوٹے شیڈ کے نیچے کھڑا رہوں گا، اور وہی بس مجھے بھی میرے کرے گی، اور ہم اسی طرح ساتھ رہ کر اپنی بات اوپر کی سرکار تک پہنچا سکیں گے۔ یاد رکھیں مجھے یہ سوچ کر وو ڈالیے گا کہ میں راتوں رات اس علاقے کی تقدیر بدل دوں گا۔ ہاں اس اعتماد کے ساتھ ضرور ڈالیے گا کہ والوں میں سے کل آپ کا ایک اپنا بھی ہو گا۔ جو ہمیشہ آپ کے ساتھ اور آپ کے اندر موجود رہے گا۔"

میں بات ختم کر کے خاموشی سے نیچے اتر آیا۔ کچھ دیر تک چاروں طرف ایک سناٹا چھایا رہا اور پھر پہلے مرزا کے ہاتھ آپس میں ٹکرائے اور پھر چند لمحوں میں تالیوں، نعروں اور سیٹیوں کا ایسا شور اٹھا کہ آس پاس ٹریفک رک گئی۔ رابعہ، بالا اور مشی تینوں مجھے کھینچتے ہوئے کیف فراق کے ہال میں لے گئے "یار الو ..... تو کہاں سے سیکھیں۔ کیا تیرا رنگا استاد وہاں اڈے پر یہ تعلیم بھی دیتا ہے؟ ....." میں مسکرایا۔ "نہیں ..... خود نہیں سکھایا جاتا ہے۔ البتہ مجھے یہ تعلیم ایک دوست سے ملی ہے ..... ایک ایسا استاد جو خود کچھ سیکھنے کی چاہ میں کچھ سکھا گیا ..... "میرے ذہن میں فضہ کی کول شبیہ لہرائی۔ واقعی ..... یہ لفظ اور یہ سوچ اسی کی چند روزہ رفاقت تھے۔ شام کو میں رنگیلی چوک اور ریلوے اسٹیشن پر دو مزید جلسے کرنے کے بعد یعقوب مینشن واپس پہنچا تو میں ہی دیگر استادوں کے ساتھ موجود تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ سب مسکرائے۔ رنگا نے مجھے اپنے قریب بٹھایا۔ سورما ..... پہلے ہی دن جھنڈے گاڑ کے ..... سنا ہے بابو کالونی میں بڑا زبردست بولا ہے تو ..... تیرے مخالفوں تو پہلے دن سے ہی حرام ہونے لگی ہیں۔ آیا تھا علاقے کا پرانا ایم پی اے کچھ دیر پہلے یہاں ..... نوٹوں کا لے کر ....." میں نے حیرت سے رنگا کو دیکھا "نوٹ لے کر ..... لیکن نوٹ کس لیے ....."

"تجھے اپنے حق میں بٹھانے کے لیے اور تیری حمایت کا رخ اپنی طرف موڑنے کے وعدے کے میں اب بھی الجھا ہوا تھا "لیکن ملک صاحب تو پچھلی کئی الیکشن وہاں سے جیتتے آ رہے ہیں میری حمایت تو کے ڈیڑھ دو سو بے روزگار نوجوان ہی کر رہے ہیں جنہیں سارا علاقہ لوفر کے نام سے پکارتا ہے۔ پھر مجھ سے ہونے کی وجہ ....؟" رنگا نے مسکرا کر موٹی کی جانب دیکھا "دیکھ لیا موٹی ..... یہ تیرا لاڈلا شاگرد بھی ابھی

رنگا نہیں...... اپنے ملک کی عوام کو بس ایک امید کا ہی تو سہارا رہتا ہے...... اور آج تو نے دو امید ان کے دلوں میں جگا دی ہے...... اب بہت دھیان سے رہیو...... تیرے دوستوں کے ساتھ ساتھ تیرے دشمنوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی جائے گی......"

اور پھر اگلے چند ہفتوں میں رنگا کی بات سچ ثابت ہوتی گئی۔ میرے جلسوں کا حجم بڑھنے لگا اور مخالفوں کی جانب سے مجھ پر مختلف الزامات کی بوچھاڑ بھی شروع ہو گئی۔ کسی نے مجھے مافیا کا ایجنٹ قرار دیا تو کسی نے اسے رنگا استاد کی جانب سے اپنے بھاؤ بڑھانے کا گر بتایا۔ بڑے بڑے گدھ آسمان پر اکٹھا کرنے کے لیے جمع ہونے لگے تھے اور مختلف اتحاد بننے اور ٹوٹنے لگے۔ سارنگا کو مختلف بڑی پارٹیوں کی جانب سے اپنے زنگ زدہ اور پرانے آزمائے ہوئے دھڑوں کے ساتھ انضمام کی پیش کش ہونے لگی۔ بڑے بڑے پارسا اور بڑے نام اصولی سیاست کرنے والے اپنا ظاہری چولا اتار کر میدان میں مختلف تراغیب کے ساتھ کود پڑے۔ کچھ "بڑے شرفا" نے پولیس اور قانون کی دھمکیاں بھی دیں اور کچھ چھپے ہوئے غنڈوں نے مصلحت کے انداز میں میری جان کو خطرہ ظاہر کرنے کا ڈھونگ بھی کیا۔ میں یہ سب حیرانی سے دیکھتا اور سوچتا رہتا کہ اگر رنگا میری پشت پر موجود نہ ہوتا تو شاید میں پہلے قدم پر ہی یا تو کسی ہسپتال میں گھائل یا پھر کسی حوالات میں مرغی یا بکری چوری کرنے کے الزام میں پڑا چھ ماہ کی کاٹ رہا ہوتا۔ سارنگا نے موسیٰ کو کہہ کر انتخابی مہم کے دوران میری حفاظت کا غیر معمولی بندوبست بھی کروا دیا تھا۔ پولنگ میں اب کچھ روز ہی باقی رہ گئے تھے۔ نواب صاحب بھی درمیان میں دو مرتبہ شہر کا چکر لگا چکے تھے۔ اسی دوران مجھے پاشا صاحب نے لفظ کا یہ پیغام پہنچایا کہ اسے میری کامیابی کا شدت سے انتظار ہے، اور وہ اب اسی دن مجھ سے آ کر ملے گی جب میری جیت کا ڈنکا چاروں طرف بج رہا ہوگا، لیکن ہمارے ہاں ایسی تبدیلیاں خون مانگتی ہیں اور ابھی میری کامیابی پر میرے کسی اپنے کے خون کا ٹیکا لگنا باقی تھا شاید اس روز ہمیں ڈاک یارڈ کے ایریا میں جلسہ کرنا تھا۔ موسیٰ صبح سے انتظامات میں مصروف تھا۔ رجب، منشی اور بالے نے اسٹیج کا انتظام سنبھال رکھا تھا اور باقی لڑکے پنڈال کے دیگر انتظامات کا جائزہ لے رہے تھے، لیکن جانے اس روز حکومت کی جانب سے فراہم کردہ سپاہیوں کی تعداد نصف سے بھی کم تھی۔ حوالدار نے بتایا کہ نفری کی کمی کی وجہ سے یہ مسئلہ درپیش تھا۔ اس روز ہجوم بھی معمول سے کچھ زیادہ تھا اور لڑکوں سے سنبھالے نہیں سنبھل رہا تھا۔ میں اسٹیج پر چڑھا اور میں نے ہاتھ اٹھا کر لوگوں سے خاموش ہو جانے کی درخواست کی۔ ٹھیک اسی وقت فائر کی ایک آواز گونجی اور میرے دائیں جانب کھڑا رنگیل چوک کا سلیم عرف سلو پلٹ کر پیچھے گرا۔ میں نے گھبرا کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کے شانے سے خون ابل ابل بہہ رہا تھا۔ فوراً ہی دوسرے فائر کی آواز آئی لیکن تب تک میرے بائیں کھڑا موسیٰ مجھے زور سے دھکا دے کر گرا چکا تھا۔ مگر گرتے گرتے بھی میں نے موسیٰ کے سینے سے خون کا ابلتا فوارہ دیکھ لیا تھا۔ ایک افراتفری مچ گئی اور اڈے سے وابستہ لوگوں نے اگلے لمحے ہی اندھا دھند ہوائی فائرنگ شروع کر دی تاکہ حملہ آور ہمیں نہتا سمجھ کر مزید پیش رفت نہ کریں۔ گولی پرلی جانب کی کسی اونچی عمارت کی جانب سے چلی تھی اور لڑکے پل بھر میں ہی اس عمارت کی چھت پر پہنچ چکے تھے لیکن وہاں انہیں سوائے دو چلی ہوئی گولیوں کے خالی خول کے علاوہ اور کچھ نہ ملا۔ چند لمحوں بعد ہی ہم موسیٰ اور سلو کو اپنی وین میں ڈالے قریبی ہسپتال کی جانب اڑے جا رہے تھے۔ موسیٰ کا سر میری گود میں تھا اور میرے کپڑے اس کے خون سے تر بتر ہو چکے تھے میں موسیٰ کے گال تھپتھپا کر اسے ہوش میں رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ "موسیٰ [illegible]

کھولیں مجھے دیکھ کر مسکرایا اور پھر بے ہوشی نے اسے بے سدھ کر دیا۔ سلو کا شانہ بھی بری طرح گھائل [illegible]
ہوش میں تھا لیکن اذیت کے مارے شدت سے آنکھیں بھینچے وین کے فرش پر رجب کی گود میں سر ڈالے پڑا
کو کسی نے جلسہ گاہ سے ہی اطلاع کر دی تھی اور وہ تقریباً ہمارے ساتھ ہی اڈے کے سینکڑوں لوگوں سمیت
گیٹ سے اندر داخل ہوا۔ ہسپتال میں ایک ساتھ اتنے ہجوم کو دیکھ کر ایک سراسیمگی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی
نے بمشکل ان سب کو ایمرجنسی کے باہر والے گھاس کے میدان میں رکنے کی التجا میں کر کے ہجوم کو اندر آ
میں نے زندگی میں پہلی بار رنگا کی آنکھیں بھیگی ہوئی دیکھیں "ہوش کر موسیٰ...... اپنے استاد کے ساتھ یہ بھی
ساتھ دیتے ہیں ہمیشہ ساتھ ہی چلیں گے ساجن......" لیکن رنگا کی باتوں کا جواب دینے والا اور اس کے
کہنے والا موسیٰ آج ہر سوال کے جواب میں خاموش تھا۔ سلو کو گھنٹے بھر بعد ایمرجنسی سے وارڈ میں منتقل کر
کچھ بہتر تھا لیکن موسیٰ کو جس آپریشن تھیٹر میں لے جایا گیا تھا اس کی سرخ بتی پانچ گھنٹے سے زیادہ جلتی ر
کسی سولی پر لٹکے باہر راہداری میں خود اپنے ہی چہرے نوچتے رہے۔ کچھ ہی دیر میں ریحان بھی رجب کے س
وہاں آ گیا لیکن میری حالت کے پیش نظر وہ خاموش ہی رہا اور بس میرے شانے دبا کر اور گلے لگا کر تسلیا
وہ جانتا تھا کہ میرے رشتوں کی کشتی گہری کا تھا ان اجالوں کے ساتھ بندھ چکی تھی۔ رات گئے نواب ص
بھی شدید پریشانی کے عالم میں راہداری میں نمودار ہوئے، لیکن موسیٰ ابھی تک آپریشن تھیٹر میں تھا۔ جانے
حالت تھی لیکن ہم سب یہاں باہر پل پل میں سو سو بار جی کر مر رہے تھے۔ ہسپتال کے باہر جمع ہوتا علاقے
کا ہجوم بے قابو ہو رہا تھا۔ اچانک میں نے اے سی پی بلال کو پریشانی کے عالم میں راہداری میں داخل ہو
"رنگیل چوک اور بابو کالونی کے آس پاس ہنگامہ آرائی اور جلاؤ گھیراؤ شروع ہو چکا ہے۔ وہا
شرانگیزی پر آمادہ ہیں اور باہر ہجوم بھی بے قابو ہو چکا ہے۔ میری آپ لوگوں سے درخواست ہے کہ کوئی
گران سے بات کرے ورنہ آج سارا شہر جل جائے گا......" گم سم بیٹھے سارنگا نے شاید اے ایس پی
نہیں۔ مجبوراً میں دھیرے سے اٹھ کر بلال کے ساتھ باہر گھاس کے میدان میں جمع بپھرے ہجوم کے پاس
نے مجھے دیکھ کر میرے حق میں نعرے لگانا شروع کر دیے۔ ایک جوشیلا لڑکا چیخ کر بولا "ہم سارے شہر کو آ
انو بھائی...... آج کوئی سرمایہ دار غدار نہیں بچے گا ہمارے ہاتھوں سے" وہ سب ایک ساتھ چیخنے لگے

میں نے بڑی مشکل سے ان سب کو چند لمحوں کے لیے خاموش کرایا۔ "اس وقت موسیٰ بھائی کو آ
کی ضرورت ہے...... سلو کی جان اللہ نے بچا لی ہے، لیکن اس کا خون بہت بہہ گیا ہے وہ بھی بستر پر پڑا "ا
کا انتظار کر رہا ہے جس کے لیے اس نے اپنا سیروں خون بہایا ہے" دفعتاً ایک نوجوان آگے بڑھا اور ا
جانب اشارہ کر کے چلایا "اس پولیس افسر سے پوچھو آیان بھائی...... یہ اس وقت کہاں تھا جب تم پر گولی
تب ساری علاقہ پولیس کہاں غائب تھی...... یہ سب ملے ہوئے ہیں آپس میں......"

ایک بار پھر شور مچ گیا۔ میں نے چلا کر کہا "خدا کے لیے آپ سب ہوش میں آ جائیں۔ دشمن
کر ہم غصے میں اپنے ہوش گنوا کر ان کے منصوبے کے مطابق شہر میں ہنگاموں کے لیے نکل کھڑے ہو
ورکر اور ووٹر پولنگ کا دن جیل یا ہسپتال میں گزاریں۔ اپنا یہ غصہ الیکشن والے دن کے لیے بچا کر رکھیں

پولیس سے بھی جواب مانگیں گے کہ جس دن ہم پر حملہ ہوا خاص اسی روز نفری کم کیوں ہوئی۔ ہم گولی چلانے والوں کو جواب دیں گے لیکن اپنے ووٹ کی صورت میں۔ یہ صرف میری نہیں، رنگا استاد کی بھی خواہش ہے۔ آپ سب چاہیں تو یہیں خاموشی سے دھرنا دیں لیکن اس وقت بس دعا اور صرف دعا کریں یہی میری آپ سب سے التجا ہے...... "میں نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ ان کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑ دیے۔ ان سب نے سر جھکا دیے اور پھر ہجوم میں سے ایک بزرگ نے باہر نکل کر دعا کے لیے ہاتھ فضا میں بلند کر دیے۔ باقی سب نے اس کی تقلید کی اور پھر ہم سب کی دعائیں عرش سے ٹکرانے کے لیے آسمانوں کی جانب پرواز کرنے لگیں اور پھر نہ جانے کس کی دعا عرش پار کر گئی اور جب میں دوبارہ راہداری میں پہنچا تو پاشا صاحب نے جلدی سے بڑھ کر میرے کان میں سرگوشی کی کہ ابھی ایک ڈاکٹر نے باہر آ کر بتایا ہے کہ موسیٰ نے کچھ دیر کے لیے آنکھیں کھولی تھیں، لیکن ابھی اگلے چوبیس گھنٹے بہت زیادہ اہم ہیں۔ حالت بگڑ گئی تو سنبھالنا تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔ میں نے کونے میں گم سم کھڑے سارنگا کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے چونک کر مجھے دیکھا "وہ حرام خور ٹھیک تو ہو جائے گا نا ساجن...... ایسا بے وفا تو کبھی نہ تھا......" میں نے رنگا کا ہاتھ پکڑ لیا" اسے کچھ نہیں ہو گا...... قدرت اتنی بے رحم نہیں ہو سکتی استاد...... موسیٰ کو واپس لوٹنا ہو گا آپ کے لیے...... ہم سب کے لیے......" دفعتاً رنگا نے زور سے جکڑ کر مجھے اپنے گلے لگا لیا اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا" اپنی ساری زندگی اس کلّے نے میرا حکم مانتے مانتے جلا دی۔ میرے کہنے پر بلوے کیے۔ لوگوں کو اٹھایا۔ انہیں مارا پیٹا، کاٹ ڈالا ہر آگ میں آنکھیں بند کر کے کودتا چلا گیا۔ پر آج میں کتنا بے بس ہوں کہ جب اسے میری ضرورت ہے تو میں اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اس حرام خور کا تو خون بھی الگ نمبر کا ہے...... میرا خون بھی اس کے کسی کام کا نہیں...... اگر وہ اس طرح اوپر چلا گیا تو میں اوپر والے کو کیا جواب دوں گا؟...... اس کو تو کوئی جواب دینا بھی نہیں آتا...... خدا نے اس سے کچھ پوچھا تو وہ پیچھے میری جانب ہی دیکھے گا۔ اور میرے پاس اس کے کسی سوال کا جواب نہیں ہو گا۔"

میں رنگا کی پیٹھ تھپکتا رہا۔ سارے زمانے کے لیے دہشت کی علامت سارنگا کو آج کوئی یوں معصوم بچوں کی طرح روتے دیکھتا تو شاید کبھی یقین نہ کرتا لیکن زندگی ایسی ہی انہونیوں کا نام ہے۔ کہیں پتھروں سے چشمے نکل آتے ہیں اور کہیں آنکھوں کا پانی بھی سوکھ کر پتھر بن جاتا ہے۔

باب 31

اور پھر موسیٰ نے دوبارہ آنکھیں کھولنے میں پورے تین دن لگا دیے اور یہ تین دن ہم
کمرے کی باہر والی راہداری کے چھت کی کڑیاں گنتے" اپنے پیروں پر کھڑے کھڑے گزار دیے" رنگا
میری انتخابی مہم سنبھالنے کی بہت کوشش کی لیکن میری غیر موجودگی کی وجہ سے اس کا گراف تیزی سے
میرے ورکرز لڑکے چلاتے رہے کہ ان آخری چند دنوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اور میرے جلسوں
فائدہ علاقے کا پرانا ایم پی اے خوب اٹھا رہا ہے اور وہ لوگوں میں یہ تاثر پھیلا رہا ہے کہ میں مقابلہ
پہلے ہی میدان چھوڑ گیا ہوں لیکن میرے لیے اس وقت موسیٰ کی جان اور صحت سے بڑھ کر اور کچھ نہیں
مجھ سے کئی بار کہا کہ منزل کے اتنے قریب پہنچ کر اب میں اسے اپنے ہاتھ سے کیوں کھو رہا ہوں" موسیٰ
سپرد کر کے اپنے محاذ پر نکل پڑوں لیکن رنگا خود بھی جانتا تھا کہ میں موسیٰ کو یوں زندگی اور موت کی سرحد
کر کہیں نہیں جاؤں گا، اور پھر قدرت کو ہم پر رحم آ ہی گیا اور تیسرے دن شام کو ڈاکٹر نے آ کر ہمیں اطلا
ہوش آ گیا ہے، لیکن فی الحال ہم اسے بے آرام نہ کریں تو بہتر ہے۔ یعقوب مینشن میں سات روز
کھول دیا گیا" رنگا کچھ یوں سجدے میں گرا کہ پھر ہم نے اسے گھٹنوں اٹھتے نہیں دیکھا۔ جامع مسجد
کی صحت یابی کے لیے خصوصی دعا کی درخواست کی گئی تھی۔ اُن سے ملنے کے لیے سارا یعقوب مینشن
چل کر جامع مسجد پہنچ گیا۔ شہر کا ہر ضرورت مند" مفلس اور بھکاری اس روز اڈے کے دروازے سے
کچھ نہ کچھ لے کر ہی گیا۔ اگلی صبح ہمیں تھوڑی دیر کے لیے موسیٰ کے کمرے میں جانے کی اجازت ملی
کے زرد چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ رنگا نے اس کا ہاتھ تھام لیا" اور کتنی روٹیاں توڑے گا تو اس ہسپتال
...... چل اب گھر چلیں......"۔ موسیٰ ہنس دیا" لیکن اس کی آواز نقاہت سے بھرپور تھی" ہسپتال کا لنگر
سال بیت گئے ہیں استاد...... یاد ہے پچھلی مرتبہ ہم دونوں ایک ساتھ ہی بھرتی ہوئے تھے......" رنگا کی
لگیں" ہاں...... پر اس بار تُو نے بڑی غداری کی موسیٰ...... بڑا ستایا ہے تُو نے ہم سب کو...... اور یہ تیرا
سارا راج پاٹ چھوڑ کر تیرے سرہانے سے لگا کھڑا ہے کتنے دن سے...... یہ بھی تیری طرح بڑا ضدی
نہیں مانتا اب تُو خود ہی اسے سمجھا دے نا......"

موسیٰ کو جب پتہ چلا کہ میں نے تقریباً اپنی الیکشن مہم ختم ہی کر دی ہے تو وہ شدید بے چین ہو گیا۔ "نہیں شہزادے ۔۔۔ یہ کیا کیا تم نے ۔۔۔ لڑے بغیر ہی جنگ ہار دی ۔۔۔ کیا تم میرا بہا خون بھی ضائع جانے دو گے ۔۔۔ میرا بدلہ نہیں لو گے ان لوگوں سے ۔۔۔" میں نے موسیٰ کا ہاتھ تھپتھپایا "تم ٹھیک ہو کر گھر واپس آ جاؤ ۔۔۔ یہی میری سب سے بڑی جیت ہو گی ۔۔۔ ویسے بھی۔ میرے بہت سے دن ضائع ہو چکے ہیں اور کل تو انتخابی مہم کا آخری دن ہے" لیکن موسیٰ کہاں ماننے والا تھا" چاہے کچھ بھی ہو جائے ۔۔۔ لیکن یوں لڑے بغیر ہم کسی کے لیے میدان خالی نہیں چھوڑیں گے ہر استاد اپنے شاگرد سے اپنے ہنر کی کوئی بھینٹ چاہتا ہے ۔۔۔ آج میں بھی تم سے اپنی استادی کا معاوضہ مانگتا ہوں، اور میری بھینٹ یہی ہے کہ تم اپنی جنگ آخر تک لڑو ۔۔۔ ہار یا جیت کے نتیجے کی پرواہ کیے بغیر ڈٹ کر مقابلہ کرو ۔۔۔"

اتنے میں پاشا نے کمرے میں آ کر نواب صاحب کو اطلاع دی کہ حویلی کا منیجر خانم کا کوئی پیغام لے کر آیا ہے۔ نواب صاحب نے اُسے کمرے میں ہی بلا لیا اور جب حمید کمرے میں داخل ہوا تو وہ ایک لمحے کے لیے مجھے دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا۔ میں خود بھی بالکل ہی بھلا بیٹھا تھا کہ خود میں نے ہی شیخ صاحب کو کہلوا کر حمید کو زمرد حویلی کے منیجر کی نوکری کے لیے نواب صاحب کے پاس بھجوایا تھا۔

حمید نے جلد ہی اپنے حواس پر قابو پا کر خانم کا پیغام نواب صاحب کو دے دیا۔ دراصل خانم موسیٰ کی صحت یابی کے بارے میں فکر مند تھیں اور انہوں نے اپنے طور پر نواب صاحب سے اجازت بھی طلب کی تھی کہ وہ موسیٰ کی صحت کے لیے حویلی میں ختم قرآن اور خصوصی دعا کی محفل منعقد کرنا چاہتی ہیں۔ نواب صاحب مسکرائے "ہاں ہاں بھئی کیوں نہیں ۔۔۔ اس میں بھلا اجازت طلب کرنے والی کیا بات ہے ۔۔۔ اور میاں تم جا کر خانم بی کو یہ بھی بتا دینا کہ موسیٰ استاد کی حالت اب بہت بہتر ہے اور ہم سب اُنہی کے ساتھ ہیں۔" حمید نے سر ہلایا۔ وہ ابھی تک اس حیرت سے ہی نہیں نکل پایا تھا کہ نواب صاحب جیسے وضع دار شخص کا ان اڈے کے لوگوں کے ساتھ بھلا کیا رابطہ؟ اور تعلق بھی ایسا کہ گزشتہ تین دن سے وہ اسی ہسپتال میں ایک ایسے شخص کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے کہ جسے سارا زمانہ ایک غنڈے کی حیثیت سے جانتا ہے۔ میں چپ رہا۔ نواب صاحب نے خانم کا بھیجا ہوا رقعہ پڑھنے کے بعد اپنی شیروانی کی جیب میں ڈال لیا اور میری طرف پلٹے "اور آیان میاں ۔۔۔ تمہارے لیے بھی خانم بی کا خاص حکم نامہ ہے کہ انتخابات کے بعد پہلی فرصت میں زمرد حویلی کا چکر لگاؤ۔ وہاں سب تمہیں اور تابندہ بیٹیا کو بہت یاد کرتے ہیں"۔ میں مسکرا کر رہ گیا۔ نواب صاحب نے حمید کو حویلی کے انتظامی معاملات کے بارے میں چند مزید ہدایات دے کر واپس بھیج دیا۔ کچھ دیر بعد میں کسی کام سے باہر نکلا تو حمید ابھی تک حویلی کے پرانے ڈرائیور کے ساتھ ہسپتال کے احاطے میں موجود تھا۔ مجھے باہر نکلتا دیکھ کر وہ تیزی سے میری جانب بڑھا "میں سوچ رہا تھا کہ آپ کو کس طرح کمرے سے باہر آنے کا کہوں ۔۔۔ اسی شش و پنج میں ابھی تک یہیں کھڑا ہوں ۔۔۔" میں نے اُسے غور سے دیکھا "کیوں ۔۔۔ سب خیریت تو ہے ۔۔۔ آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں ۔۔۔" حمید اب بھی کچھ الجھا ہوا تھا "جب ابا نے مجھے اپنے طور پر رقعہ لکھ کر زمرد حویلی میں پاشا صاحب سے ملنے کا کہا میں تب ہی سے سوچ رہا تھا کہ ان کی واقفیت اتنے بڑے لوگوں کے ساتھ کب اور کیسے ہوئی تھی کہ صرف اُن کے ایک رقعے پر مجھے منیجر کی نوکری دے دی گئی۔ آج مجھے اپنے اُس سوال کا جواب تو مل گیا ۔۔۔ لیکن ذہن میں کچھ نئے سوال بھی جنم لے چکے ہیں" میں نے اُسے تسلی دی "اپنے دل میں کسی وہم کو جگہ مت دیجئے ۔۔۔ آپ کو آپ کی اہلیت کے مطابق نوکری ملی ہے جسے آپ ثابت بھی کر رہے ہیں ۔۔۔ اور

یقین جانیے کہ اس بار آپ کا پالا بہت اعلیٰ ظرف اور خاندانی لوگوں کے ساتھ پڑا ہے ۔۔۔ اُن کی اڈے کے کسی ساتھ وابستگی سے کوئی غلط اندازہ مت لگا لیجئے گا۔" حمید گم سم سا کھڑا تھا "آج احساس ہو رہا ہے کہ میرے گزشتہ بھی کچھ درست ثابت نہیں ہوئے۔ ہو سکے تو میری معذرت قبول کر لیں۔ شاید میں بہت ظاہر پرست ہوں" حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے سب بھول جانے کا کہا اور خود آگے بڑھ گیا۔ ہسپتال کے احاطے م لڑکوں کو شام کے لیے ہدایات دے کر میں کمرے میں واپس لوٹ آیا۔ میں نے موسیٰ کی خاطر یہ ہاری ہوئی لڑ کا فیصلہ کر لیا تھا۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ اب میرے پاس وقت تقریباً ختم ہو چکا ہے لیکن اپنے محسن اور اپنے چڑھاوا چڑھانے کے لیے میں نے یہ آخری بازی لڑنے کی ٹھان لی تھی شام کو میں نے کیفے فراق سے دوبارہ آغاز کیا اور وہ رات ہم نے جاگ کر گزاری۔ میرے ساتھ رنگا کے دو ذاتی محافظ اور میرے کارندے لڑکوں کا ہم نے کیفے فراق، رنگیلی چوک، ڈاک یارڈ، پھول نگر اور سادات محلے کا ہر دروازہ کھٹکھٹا ڈالا۔ سادات محلے صاحب کی گلی میں داخل ہوتے وقت میرا دل اُسی وحشی انداز میں دھڑکا۔ وقت نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچ کہاں وہ کھلنڈرا لاپرواہ اور بے فکرا سا آنو اور کہاں یہ ذمہ داریوں اور فرائض کے نیچے جھکا آیان ۔۔۔؟

میں شیخ صاحب کے دروازے تک نہیں جانا چاہتا تھا لیکن گلی میں شور سن کر وہ خود ہی باہر نکل آ مجھے دیکھ کر وہ یوں بے تابی سے میری جانب لپکے جیسے کوئی اپنے کسی صدیوں سے بچھڑے عزیز کی جانب لپ "کہاں چلے گئے تھے آیان میاں ۔۔۔ بھئی میں تو اب تم سے ملنے کی امید ہی چھوڑ بیٹھا تھا ۔۔۔ بس شہر کی دیوارو پوسٹرز پر ہی تمہارا دیدار ہوتا ہے اب تو ۔۔۔ کوئی ایسا بھی کرتا ہے بھلا اپنوں کے ساتھ ۔۔۔؟؟؟" میں شیخ صا کے شکووں کے جواب میں صرف مسکرا کر ہوں ہاں ہی کرتا رہا۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا جیسے انہیں میرے کہیں کھو جانے کا شک ہو۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ فرصت ملتے ہی ضرور ان سے تفصیلی ملاقات ہو گ بگڑ گئے "کیا مطلب ۔۔۔ اب کیا دروازے سے یونہی پلٹ جاؤ گے ۔۔۔ ایسا ہرگز نہ ہو گا دو گھڑی کے لیے تو چلنا ہی ہو گا ۔۔۔ شمائلی جی کئی بار تمہارے بارے میں پوچھ چکی ہیں ۔۔۔ اور وہ سب حمید کی نوکری کے لیے بھی بے حد شکر گزار ہیں ۔۔۔ ان سب کا دل توڑو گے کیا ۔۔۔؟"

میں نے بے چارگی سے رنگا اور بالے کی طرف دیکھا۔ جس نے سر ہلا کر مجھے ان کے ساتھ جانے کہا کہ وہ جب تک سادات محلے کی دیواروں پر میرے بقیہ اشتہار چسپاں کرتے ہیں تب تک میں کچھ دیر صاحب کے ہاں سے ہو آؤں۔ میں شیخ صاحب کے ساتھ ان کے صحن میں داخل ہوا تو موتیے کی اسی مخصوص میرے حواس معطر کرنا شروع کر دیے جو ان کے صحن کی کیاری میں ستون کے ساتھ لپٹی بیل سے پھوٹتی تھی۔ شمائلی جی برآمدے میں ہی کھڑی تھیں۔ شاید انہیں میری گلی میں آمد کی خبر پہلے ہی مل چکی تھی۔ شمائلی جی نے م پر ہاتھ رکھ کر میری کامیابی کے لیے بہت ساری دعائیں کر ڈالیں۔ ستارہ نے شکوہ کیا "آپ تو ہمارے گھر کا بھول گئے آیان صاحب ۔۔۔ ابھی سے یہ حال ہے اپنے ووٹرز کے ساتھ بے رخی کا تو آگے چل کر کیا ہو گا کی بات پر شیخ صاحب اور شمائلی جی زور سے ہنس پڑے۔ مجھے کہیں نظر نہیں آ رہی تھی اور جانے کیوں آج میرا د تھا کہ وہ میرے سامنے نہ ہی آئے تو اچھا ہے کہیں برسوں کی "عشق جدائی" اور ریاضت پل بھر میں خاک نہ ہو شیخ صاحب مجھے بیٹھک میں بٹھا کر چند لمحوں کی اجازت لے کر باہر نکل گئے۔ میں گم سم سا بیٹھا

درودیوار کو تکتا رہا۔ اچانک درمیانی پردے کے پیچھے قدموں کی آہٹ ہوئی۔ میں سمجھا ستارہ یا شگفتی ہی چائے لے کر آئی ہیں، میری نظر اُٹھی اور وہ مجھے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی دکھائی دی۔ ہاں ..... وہ گہنا ہی تھی، وہی ..... سرتاپا گہنا..... سفید جوڑے پر وہی سیاہ شال ..... گلابی مہتاب چہرے کو چھوتی وہی ایک شریری لٹ ..... کون کہتا ہے کہ ثبات صرف ایک تغیر کو ہے زمانے میں ..... اور بھی بہت کچھ ایسا ہے جو کبھی بدلتا نہیں ..... اُس کا یہ حسن بے پرواہ ..... یہ بھی تو سدا یونہی قائم رہنے والا تھا۔ میں گھبرا کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا، لیکن آج اُس کی وہ روایتی شوخی مفقود سی تھی۔ وہ کچھ اُلجھی اُلجھی ..... کچھ کھوئی کھوئی سی تھی۔ آداب کے بعد اُس نے مجھ سے پوچھا "بہت دنوں کے بعد آپ کو ہماری یاد آئی..... اور وہ بھی شاید ابا کے اصرار پر ..... " میں چپ رہا اُس نے میری خاموشی کو معنی پہنا دیے "حمید بھائی آج سہ پہر کو کچھ دیر کے لیے گھر آئے تھے حویلی لوٹنے سے پہلے ..... وہ آپ سے اپنی آخری ملاقات اور رویے پر بہت شرمندہ تھے ..... " میں نے چونک کر اُسے دیکھا۔ اس کا مطلب جس دن اس بیٹھک میں میری حمید کے ساتھ آخری ملاقات ہوئی تھی، پردے کے پیچھے ہماری بات سننے والی گہنا ہی تھی۔ میں نے اس کا بوجھ ہلکا کرنے کی خاطر کہا "آپ کے بھیا نے اُس روز بھی کوئی غلط بات نہیں کی تھی۔ ایک بھائی کو اپنی بہنوں کے لیے اسی قدر فکر مند ہونا چاہیے ....."

"ہاں لیکن دوسرا کوئی اتنی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت نہیں دے سکتا تھا۔ آپ نے ان کی نوکری پکی کروا کر ابا کی بہت بڑی فکر دور کر دی ہے۔ انہوں نے آج تک یہ بات حمید بھائی سے چھپا کر رکھی تھی لیکن آج آپ سے ملاقات کے بعد یہ راز بھی ان پر کھل ہی گیا۔ وہ بتا رہے تھے کہ اب تو آپ ایک طرح سے ان کے ماتحتوں میں شمار ہوتے ہیں۔" میں نے جلدی سے تصحیح کی "نہیں نہیں ..... ایسا کچھ نہیں ہے ..... نواب صاحب تو بس ایک مہربان بزرگ کی طرح ہیں ..... اور یہ ان کا بڑاپن ہے کہ وہ مجھے اپنے قریب محسوس کرتے ہیں ..... " "لیکن گہنا آج کچھ اداس سی تھی۔ "نہیں ..... حمید بھائی نے بتایا کہ زمرد حویلی میں بھی سب چوبیس گھنٹے آپ ہی کے گن گاتے ہیں، اور نواب صاحب تو آپ اور آپ سے جڑے لوگوں کے بغیر سانس تک نہیں لیتے ..... آپ مجھے یہ بتائیں ..... اتنے بہت سے لوگوں کو کیسے جوڑے رکھتے ہیں آپ اپنے ساتھ۔ میں نے اپنی نظریں جھکائے رکھیں۔ ڈرتا کہ کہیں پھر سے خود کو نہ کھو دوں "کہاں جوڑ پایا میں کسی کو اپنے ساتھ ..... میرے تو اپنے بھی مجھ سے چھوٹ گئے ..... "

"جو آپ سے چھوٹ گئے ..... یہ ان کی اپنی قسمت ہے ..... لیکن مجھے یقین ہے کہ جلد وہ سب ایک بار پھر آپ کے ساتھ ہوں گے ..... ہم سب نے آپ کی کامیابی کے لیے بہت دعائیں کی ہیں۔" میں نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اُس کی نظر جھک گئی۔ مجھے ہمیشہ کے لیے مات دینے والا آج میری جیت کی دعا کر رہا تھا۔ اس کے ہونٹ لرز سے گئے۔ وہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن ٹھیک اسی وقت ستارہ اور شگفتی چائے کے لوازمات کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور گہنا جانے کچھ کہے بغیر اندر پلٹ گئی۔ کچھ دیر میں شیخ صاحب بھی تنویر سمیت بیٹھک میں داخل ہوئے "معاف کرنا میاں میں ذرا سامنے والی گلی سے تنویر کو بلانے گیا تھا۔ یہ آج کل وہیں چند دوسرے طالب علموں کے ساتھ مقابلے کے امتحان کی تیاری کرتے ہیں سارا دن۔ تحریری امتحان تو پاس کر لیا ہے اب اللہ کرے کہ زبانی امتحان میں بھی سرخرو ہو جائیں ..... " میں نے تنویر کو تحریری امتحان کی کامیابی پر بہت مبارک باد دی۔ اُس نے بتایا کہ اگلے ہفتے ہی اس کا زبانی امتحان (Viva) ہے، اور اُس نے اپنی طرف سے تیاری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ میں نے اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا اور شیخ صاحب سے واپسی کی اجازت چاہی۔ چلتے چلتے شیخ صاحب نے مجھے یہ اطلاع بھی دی کہ حمید چاہتا ہے

کہ اُس کے گھر والے اب زمرد حویلی کے اُس کوارٹر میں منتقل ہو جائیں جو نواب صاحب نے اُسے الاٹ کیا [illegible] ہے۔ کیونکہ اس کی نوکری کے فرائض کچھ ایسے ہیں کہ اُسے چوبیس گھنٹے حویلی میں ہی گزارنے پڑتے ہیں۔ [illegible] کے بقول وہ ہفتہ بھر میں حویلی کے کوارٹر میں منتقل ہو جائیں گے۔ میں نے انہیں تسلی دی کہ وہاں ان کا پالا [illegible] سے ہی پڑے گا لہٰذا وہ اطمینان سے روانگی کی تیاری کریں۔

میں رات گئے دیر سے یعقوب مینشن پہنچا، رات بارہ بجے تک اُمیدواروں کی مہم ختم ہو چکی تھی لیکن لوٹتے تین بج گئے۔ میں آخری جلسے کے بعد موسیٰ کو دیکھنے ہسپتال پہنچا تو وہ اور رنگا میرے ہی انتظار میں تھے [illegible] موسیٰ کے سرہانے بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا "میں نے تمہاری ضد پوری کر دی ..... اور اب تمہیں [illegible] کہ جلد از جلد یہ بستر چھوڑ کر پھر سے ہمارے ساتھ کھڑا ہونا ہوگا۔ تم جانتے ہو مجھے تمہارے بنا چلنے کی [illegible] ہے ..... " رنگا نے میرا شانہ دبایا "یہ بڑا حرام خور ہے بھیا ..... اسے کھینچ کر یہاں سے لے جانا ہوگا ورنہ اس [illegible] بھی زنگ لگ جائے گا"۔ موسیٰ ہم دونوں کی باتیں سن کر مسکراتا رہا۔ رنگا نے زبردستی مجھے کچھ دیر کے لیے [illegible] کہ میں کچھ دیر کے لیے کمر ٹکا لوں لیکن میں اپنے کمرے میں پہنچ کر بھی بقیہ ساری رات بستر پر کروٹیں بدلتا رہا [illegible] بے چین آنکھیں مجھے تمام شب ستاتی رہیں، اور میں خود کو کوستا رہا کہ سب کچھ جانتے بوجھتے میں بار بار پلٹ کر [illegible] جفا میں جاتا ہی کیوں ہوں؟ اب تو تنویر نے اس جفاکش کی فرمائش پر مقابلے کا امتحان بھی پاس کر لیا ہے اور [illegible] وہ آخری مرحلے سے گزرنے کے بعد افسر بن جائے گا ..... ویسا ہی افسر جیسا گہنا کے خوابوں میں بستا تھا۔ تنویر مجھے اپنے تحریری امتحان میں کامیاب ہونے کی نوید دے رہا تھا اس لمحے میں نے اس کی آنکھوں میں وہی [illegible] ہوا دیکھ لیا تھا جو گہنا کی پلکوں سے بندھا تھا، مگر آج گہنا کی آنکھیں بے خواب سی کیوں تھیں؟ یونہی آنکھوں [illegible] میری رات بھی بنا کسی خواب کے کٹ ہی گئی۔ کہتے ہیں خواب ہمیشہ بڑے دیکھنے چاہئیں تاکہ تعبیر بھی بڑی [illegible] مجھ جیسے شوریدہ سر کیا کریں کہ جن کی قسمت میں کوئی خواب ہی نہ ہو ..... ؟

ایک دن کے بعد پولنگ تھی اور شہر کا ماحول تناؤ کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔ رنگا نے اس روز خاص [illegible] ہسپتال سے تنہا کہیں باہر جانے سے منع کر رکھا تھا اور میں دن بھر موسیٰ کے کمرے میں ہی اس کے ساتھ بیٹھا [illegible] کیوں مجھے اب کسی بھی چیز کے نتیجے سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ امتحان کا مزہ تب تک ہی رہتا ہے جب تک [illegible] اچھے نتیجے کی آس یا بُرے نتیجے کا خوف رہتا ہے، لیکن اگر ہم اس آس اور خوف کی کیفیت ہی سے باہر نکل آ[illegible] کوئی امتحان، امتحان نہیں رہتا، بس ایک معمول بن جاتا ہے۔ میں بھی کسی "معمول" کی طرح بیٹھا اپنے سا[illegible] باقی تمام ساتھیوں کو رنگا کی سربراہی میں اگلے روز ہونے والے اس امتحان کی تیاری کرتے ہوئے دیکھتا ر[illegible] میرے اندر ہار یا جیت کی تحریک شاید ختم ہو چکی تھی۔ جو اپنی زندگی کی سب سے بڑی بازی ہار چکا ہو اُسے [illegible] معمولی بازیوں سے کیا سروکار ..... ؟؟؟

آخرکار پولنگ کا دن بھی آن پہنچا۔ رنگا اپنی جیپ میں مجھے بٹھا کر خود ڈرائیو کرتے ہوئے میر[illegible] جائزہ لینے کے لیے صبح سویرے اپنے باقی لشکر کے ساتھ نکل پڑا۔ موسیٰ نے جاتے وقت میرے سر پر ہاتھ رکھ [illegible] اور اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ مجھ سے پھر کمرے میں رکا نہیں گیا اور میں تیزی سے باہر نکل آیا۔ دھوپ [illegible] پولنگ اور ووٹوں کا مزاج بھی گرم ہوتا چلا گیا۔

شہر میں جا بجا دنگے فساد کی خبریں پھیل رہی تھیں، اور مخالفین اپنے حریفوں کو پچھاڑنے کے لیے اس روز ہر حربہ آزمانے کو تیار تھے۔ صبح سویرے سے گیارہ بجے تک ہمارے پولنگ اسٹیشن تقریباً ویران پڑے رہے، میری تین چار دن کی اپنی مہم سے غیر حاضری کے آثار اب دکھائی دینے لگے تھے۔ سارنگا بھی کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا نظر آیا۔ "کیا کہتا ہے ساجن..... تُو بولے تو لڑکوں سے کہہ کر تیرے حلقے کی ساری پولنگ بند کروا دوں.....؟" یہاں کا الیکشن ہی ختم کرائے دیتے ہیں..... "میں نے نفی میں سر ہلایا" نہیں..... اگر دھاندلی سے ہی جیتے تو پھر ہم میں اور ان میں فرق کیا رہ جائے گا جو آج سے پہلے بھی آپ کی طاقت کے بل پر جیتتے آئے ہیں۔ میں آج ہار بھی گیا تو ہم سب اسے آپ کی طرف سے انھیں ملی فتوحات کا کفارہ سمجھ کر قبول کریں گے..... بے ایمانی کی جیت سے ایمان داری کی ہار ہزار درجہ بہتر ہے۔" رنگا نے میرا شانہ تھپتھپایا..... "ٹھیک ہے بھاں..... آج تیری خاطر یہ پہلی ہار بھی قبول ہے سارنگا کو....."

سارنگا اور میں نے اپنا ووٹ کیفے فراق کے پیچھے بنے پرائمری اسکول کے پولنگ اسٹیشن میں ڈالا اور پھر اچانک ہی سے دوپہر بارہ بجے کے بعد رفتہ رفتہ لوگوں کا ہجوم بڑھنے لگا۔ میرے پولنگ بوتھس (Polling Booths) پر نوجوانوں کے جمگھٹے نظر آنے لگے۔ یہ سارے آس پاس کے علاقوں کے وہ نوجوان تھے جن کی آنکھ ہی بارہ بجے دن کو کھلتی ہے۔ چند ایک اسٹیشنوں پر رنگا کے کارندوں اور دیگر امیدواروں کے ورکرز کے درمیان ہاتھا پائی اور سر پھٹول بھی ہوئی لیکن رنگا کو ان حالات کا تجربہ باقی سب سے کہیں زیادہ تھا۔ لہٰذا اس کے بندوں نے جلد ہی حالات پر قابو پا لیا۔ سہ پہر تین بجے تک میرے اور میرے مخالفین کے حامیوں کی تعداد تقریباً برابر نظر آنے لگی تھی، لیکن صبح کے تین گھنٹے کا وقت اب بھی میرے خسارے میں شامل تھا۔ شام ساڑھے چار بجے جب پولنگ کا وقت ختم ہونے میں صرف آدھا گھنٹہ باقی رہ گیا تھا، رنگا مجھے لے کر کیفے فراق کے پچھلے اسٹیشن پر آ گیا اور ہم وہیں صحن میں درخت تلے بچھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ یہ وہی پرائمری اسکول تھا جہاں میں، رجب، بالا اور خشی پڑھا کرتے تھے، اور آج بھی وہی تینوں اس پولنگ اسٹیشن کے انتظامات سنبھال رہے تھے۔ ہم اپنی بازی کا آخری داؤ کھیل چکے تھے اور اب صرف پتے پلٹے جانے کا انتظار باقی تھا، اور پھر اچانک میں نے جو دیکھا وہ میرے ہوش اور گمان کی سرحد سے بالکل پرے تھا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا اور میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ ریحان ابا کو لیے میرے پولنگ اسٹیشن کے گیٹ سے اندر داخل ہو رہا تھا۔

باب 32

چند لمحوں کے لیے تو مجھے یوں لگا کہ جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں، لیکن وہ تعبیر تھی۔ میری زندگی
دیکھے ہوئے خوابوں کی تعبیر..... کہ کبھی ابا مجھ پر بھی اتنا ہی اعتماد اور اعتبار کریں جتنا انھیں ریحان پر تھا، میں یوں
کھڑا ان دونوں کو دیکھتا رہا اور وہ چلتے ہوئے میرے قریب پہنچ گئے۔ رنگا بھی ابا کو دیکھ کر حیرت سے کھڑا ہو گیا۔
منہ سے سلام کے لفظ بھی نہ نکل پائے۔ ریحان نے مجھے ہوش میں لانے کے لیے زور سے کھنکار کر کہا "کہاں گم
ابا تمھیں ووٹ ڈالنے کے لیے یہاں تک چل کر آئے ہیں....." میرے حلق میں نمکین پانی کا پھندا سا کستا چلا
میری آنکھیں بھیگنے لگیں، میں نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر میری آواز بیٹھ چکی تھی۔ ابا نے اپنی چھڑی کا دستہ میری
میں ڈالا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے وہ بچپن میں ڈانٹنے اور مجھے سرزنش کرنے کے لیے اسے میری گردن میں پھنسا
"مجھے تمہاری جیت یا ہار سے کوئی غرض نہیں ہے نالائق..... لیکن اگر جیت کر تم نے اپنے وہ سارے وعدے پور
کیے جو تم نے اس علاقے کے لوگوں کے ساتھ کیے ہیں تو پھر اس چھڑی کو حسبِ معمول یاد رکھنا..... کھال ادھیڑ د
تمہاری..... کیا سمجھے....."۔ میری آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ ابا دھاڑے "اب رونا کیوں
گدھے..... چلو مجھے اپنا بوتھ دکھاؤ....." ابا دو قدم آگے بڑھے، سارنگا نے جلدی سے ان کی رہنمائی کی۔ میں اپ
جما کھڑا رہا۔ ابا نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور پھر میرے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے، میں بلک بلک کر رونے
انھوں نے آگے بڑھ کر مجھے اپنے سینے سے لگا لیا، جانے کتنے جنموں کے بعد مجھے ان کے شانے پر سر رکھ کر رو
موقع دوبارہ ملا تھا۔ شاید میں ساتویں جماعت میں تھا جب سائیکل سے گرنے کے بعد چوٹ لگنے پر یوں ابا کے
لگ کر رویا تھا، ابا مجھے تھپکتے اور "ارے ارے" کہتے رہے اور میں یونہی پھڑکتا رہا۔ آس پاس کھڑے میرے دوست
رونے لگے اور خود رنگا بھی مجھے اپنے آنسو پونچھتا نظر آیا۔ ریحان بھی میرے کاندھے سہلاتے ہوئے سسکنے لگا۔ ابا
لیے ہم دونوں کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ "یہ لو..... چھوٹے میاں تو چھوٹے میاں..... بڑے میاں بھی بس سبحان اللہ
ہیں..... اب بس کرو نالائقو..... مجھے بھی رلاؤ گے کیا.....؟" "بڑی مشکل سے رنگا نے ہمیں سنبھالا اور ابا کے ہاتھ
میرے نام کی پرچی ڈبے میں ڈلوا دی۔" مٹھی ہائے" اور رفو نے زور زور سے تالیاں پیٹ کر آسمان سر پر اٹھا لیا، اور
[illegible]

ابا نے میرے حق میں ووٹ ڈال کر مجھے ہمیشہ کے لیے فتح یاب کر دیا تھا۔ ریحان نے دھیرے سے میرے کان میں بتایا کہ امی اور چھوٹی کو وہ لوگ زنانہ پولنگ اسٹیشن پر چھوڑ آئے تھے۔ جاتے جاتے ابا نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی "جیتے رہو....." اور اس دعا کے بعد آج میری زندگی ختم بھی ہو جاتی تو مجھے کوئی غم اور قدرت سے کوئی شکوہ نہ ہوتا۔ واپسی پر وہ چند قدم دور سر جھکائے اور کسی گہری سوچ میں گم رنگا کے پاس چند لمحوں کے لیے ٹھہرے "صرف جنم دینے سے ہی کوئی باپ نہیں بن جاتا..... آپ نے بھی اپنا فرض خوب نبھایا..... اور کسی باپ کی طرح ہی آج تک اس کی حفاظت کی ہے..... میرا لوگوں کو پرکھنے کا نظریہ شائد اس دور کے لیے فرسودہ ہو چکا ہے..... لیکن یہ نئی نسل اپنے راستے خود بنا لیتی ہے..... ہو سکے تو اسے گھر واپس بھیج دیجئے گا..... اس کی ماں ہمیشہ خود کو ہلکان کیے رکھتی ہے۔" ابا رنگا کا کاندھا تھپتھپا کر آگے بڑھ گئے، اور رنگا کسی فرمانبردار بچے کی طرح سر جھکائے وہیں کھڑا رہا، اور ٹھیک اسی لمحے نواب صاحب اور پاشا بھی پولنگ اسٹیشن میں داخل ہوتے نظر آئے۔ ابا نے چند گھڑیاں رک کر ان کے ساتھ سلام دعا کی اور آگے بڑھ گئے اور پھر نواب صاحب کی مسکراہٹ نے سارے بھید کھول دیے۔ وہ ہم سب کی لاعلمی تھی جب ہم موٹی کی زندگی کے لیے ہسپتال کی راہداریوں میں سرگرداں پھر رہے تھے، ابا سے مل آئے تھے۔ نواب صاحب کو اپنے دروازے پر ان کی گاڑی سے اترتا دیکھ کر چند لمحوں کے لیے ابا بھی پریشان ہو گئے ہوں گے، لیکن نواب صاحب نے انہیں الف تا ے ساری کہانی سنائی اور ابا کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ جیسے ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی ٹھیک اسی طرح ہر سیاہ کوئلہ نہیں ہوتا۔ کچھ ہیرے بھی اس کالک میں دبے رہ جاتے ہیں نواب صاحب نے میرے حق میں دلائل دیتے وقت ضرور اپنا زور بیاں آخری حد تک صرف کر دیا ہوگا۔ ابا کو ان کے آنے سے پہلے ہی مجھ پر چلائی گئی گولی اور موٹی کا مجھے بچاتے ہوئے خود کو قربانی کے لیے پیش کرنا بھی علاقے کی پولیس اور لوگوں سے حرف بہ حرف منتقل ہو چکا تھا، اور پھر جب سارے محلے والوں نے یک جا ہو کر ابا کا در کھٹکھٹایا اور میری اس واحد تقریر کا ذکر کیا جس میں میں نے مرتے دم تک اُن کے ساتھ کھڑے رہنے کا وعدہ کیا تھا تو آخر ابا کے دل کا سنگ بھی پگھل ہی گیا۔ حتمی آنچ نواب صاحب کے دلائل نے فراہم کر دی جب انہوں نے ابا سے صرف اتنا پوچھا کہ کیا انہیں نواب صاحب کے خاندان اور ان کے حسب نسب پر کوئی شبہ ہے.....؟..... اگر نہیں تو پھر وہ اپنے بیٹے پر اتنا یقین ضرور قائم رکھیں کہ اگر اس میں اتنی صلاحیت نہ ہوتی تو آج وہ نواب صاحب کے گھر کا ایک فرد نہ بن چکا ہوتا۔ نواب صاحب نے ابا سے یہ بھی کہا کہ انہیں ہمیشہ یہ حسرت ہی رہے گی کہ آیان احمد ان کا اپنا بیٹا کیوں نہیں ہے..... میں چپ چاپ ایک طرف بیٹھا پاشا کی زبانی رنگا کو سنائی جانے والی یہ داستان سنتا رہا جس نے ابا کی کایا پلٹ دی تھی۔ نواب صاحب کی فریاد اور دلائل کا نتیجہ آج میرے سامنے تھا۔ دو نسلوں کے درمیان کبھی نہ مٹنے والے فاصلے اور صدا کی گہری خلیج کو آج انہوں نے پاٹ دیا تھا۔ آج ابا نے تسلیم کر لیا تھا کہ شائد ہم دونوں ہی کہیں نہ کہیں اور ہمیشہ درست ہوتے تھے، بس ہمارا نظریہ جدا تھا۔

پولنگ کا وقت ختم ہو چکا تھا اور مغرب کے بعد سرکاری عملہ تمام سواد اور ڈبوں سمیت جا چکا تھا۔ ہم سب یعقوب مینشن لوٹ آئے۔ رات گئے سرکاری ٹی وی پر دھیرے دھیرے ایک ایک کر کے نتائج بھی چلنا شروع ہو گئے۔ رنگا نے اپنے بڑے ہجوم کے ساتھ واپس موٹی کے پاس ہسپتال جانے کے بجائے وہیں مینشن کے بڑے احاطے میں کارندوں کو ٹی وی لگانے کا حکم دے دیا تھا۔ ہسپتال انتظامیہ ہم سے پہلے بھی کئی بار درخواست کر چکی تھی کہ ہمارے ساتھ موجود ورکروں کی بھیڑ سے باقی مریضوں کے آرام میں بہت خلل پڑتا ہے، البتہ ابا کی درخواست پر موٹی کے لیے

اس کے کمرے میں خبریں لگا دی گئی تھیں۔ نواب صاحب اور پاشا وہیں موٹی کے کمرے میں ہی موجود تھے او[ر] وہ بھی میرے آخری نتیجے کا انتظار کرنے والے تھے۔

یعقوب مینشن میں ایک ہنگامہ برپا تھا اور ہر بار جب ہمارے حلقے کے کسی نئے پولنگ اسٹیشن کے [illegible]ر کے ووٹوں کی گنتی سنائی جاتی تو چاروں جانب ایک شور سا مچ جاتا تھا۔ کچھ من چلے نوجوانوں نے باقاعد[ہ] [illegible] تاشوں کا انتظام بھی کر رکھا تھا، لیکن شروع کے نتائج میرے حق میں نہیں تھے اور پہلی بار انہیں ڈھول بجا[نے] [illegible] رات ایک بجے کے بعد ملا جب سول لائن والے پولنگ اسٹیشن پر ووٹوں کی گنتی میں میرا شمار میرے قریبی حر[یف] [illegible] حلقے کے پرانے ایم پی اے سے کچھ زیادہ نکلا۔ میں اور پرانا ایم پی اے تقریباً ساتھ ساتھ ہی شمار میں برابر تھے [illegible] رات تین بجے کے بعد جب حتمی نتائج کا اعلان شروع ہوا تو میں کئی علاقوں میں اس سے ہار رہا تھا۔ رنگا کے چ[ہرے] اور میرے جوان کارندوں کے چہروں پر مایوسی چھانے لگی۔ مجھے یقین تھا کہ کچھ ایسی ہی پژمردگی مشی، راجہ، [illegible] [illegible]الے کے چہروں سے بھی ٹپک رہی ہوگی جو اس وقت کیمپ فراق کے ہال میں مرزا اور چچا فراق سمیت محلے [illegible] افراد کے ساتھ بیٹھ کر یہ نتائج دیکھ رہے ہوں گے، کالونی سے آنے والے ایک ورکر نے مجھے یہ بتایا تھا کہ ہمار[ے] [illegible] کے احاطے میں بھی ایک بڑا سا ٹی وی رکھے محلے کی تمام خواتین اس کے گرد جمع بیٹھی یہ نتائج تک رہی تھیں۔ جبکہ [illegible] چھوٹی کے بارے میں، میں یہاں بیٹھے ہوئے بھی یہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ وہ دونوں حسب معمول جائے نماز [illegible] گزاری اور میری کامیابی کی دعائیں اور منتیں مانگنے کے لیے سجدے میں پڑی ہوں گی۔ اس روز مجھے یہ بھی پ[تا] [illegible] اپنوں کے چہروں پر لمحہ بہ لمحہ چھلکتی ہوئی مایوسی کو دیکھنا کس قدر اذیت ناک ہو سکتا ہے۔ مجھ سے بھی رنگا اور اڈے [illegible] ساتھیوں کے چہرے پر چھلکتی ہوئی یہ ہار کی زیادہ دیر تک دیکھی نہ گئی اور میں نے احاطے سے اٹھ کر اپنے کمر[ے] [illegible] جانے کا فیصلہ کر لیا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ میرا اس طرح وہاں سے اٹھ جانا ان سب کو مزید اداس اور دکھی کر دے [illegible] میں خود پر جبر کر کے وہیں بیٹھا رہا..... پھر نہ جانے کیا ہوا..... شاید امی اور چھوٹی کے سجدے قبولیت کی چوکھٹ پا [illegible] گئے تھے، نتائج کے آخری لمحات میں میں اپنے حریفوں سے آگے نکل گیا اور پھر میرے اور پرانے ایم پی ا[ے] [illegible] درمیان صرف چند ووٹوں کا فرق باقی رہ گیا۔ اب تک وہی ہر علاقے سے سب کو ہراتا آ رہا تھا لیکن جب خاص [illegible] چوک، ڈاک یارڈ اور سادات محلے کی حتمی گنتی ختم ہونے لگی تو میں اس کے قریب آتا گیا اور ایک لمحہ ایسا بھی آ[یا] [illegible] تقریباً برابر ہو گئے۔ رنگا سمیت تمام استاد و شاگرد و کارندے اور اڈے کا باقی بھی عملہ حتیٰ کہ مرکزی گیٹ کے در[بان] [illegible] اپنی ڈیوٹی بھلا کر دم سادھے ٹی وی کے سامنے یوں بیٹھے تھے جیسے انہیں کوئی سانپ سونگھ گیا ہو۔ تقریباً تمام او[ر] [illegible] ووٹوں کی گنتی کے معاملے میں بھٹکانے جا چکے تھے، رنگا کے دستی فون سیٹ پر اس کے کارندے لمحہ بہ لمحہ بدلتی صور[تحال] [illegible] سے بھی آگاہ کر رہے تھے اور رات بارہ بجے تک تو وہ فون رنگا کے کان سے ہی لگا رہا تھا لیکن اب بے دھیانی [illegible] وہ فون بھی میز کے کنارے رکھ کر بھول گیا تھا اور اس کی بیٹری بار بار جل بجھ کر بند ہو رہی تھی لیکن اب فون سننے [illegible] ہی کسے تھا، اور پھر بابو محلے اور کیمپ فراق کی پولنگ اسٹیشن کا نتیجہ بھی آ گیا۔ گنتی کرنے والے اپنی گنتی بھول چکے [illegible]

"ارے کسی پڑھا لکھا نوجوان نے چیخ کر کہا" "لو بھائی کے ووٹ برابر ہو گئے ہیں" اڈا مچل اٹھا

"نہیں..... برابر نہیں..... یہ تو کچھ زیادہ بنتے ہیں....." [illegible] آپس میں کچھ گڑبڑ ہوئی اور کوئی [illegible]

دیکھا اور پھر اچانک سکرین کے بیچ چلتی پٹی پر میرا نام جگمگایا "غیر حتمی نتائج کے مطابق آیان احمد چودہ ہزار چار سو تین ووٹ سے اول اور ملک نذیر چودہ ہزار ستر ووٹ سے دوئم رہے۔" ایک لمحے کے لیے سب چپ ہو گئے اور ہم سب نے اپنی بصارتوں پر یقین کرنے کے لیے کچھ وقت لیا اور سب سے پہلے میرے مقابلے پر آنے والے اُستاد سلامی نے زور کا نعرہ لگایا "اوئے بادشاہو ..... الو جیت گیا ہے ..... پھاڑ ڈالو آج سارے نگاڑے ..... آواز آسمان تک جانی چاہیے بلو ....." اور پھر وہ طوفان آیا کہ واقعی یعقوب مینشن کے در و دیوار مدہوش ہونے لگے، رنگا نے بھاگ کر مجھے سینے سے لگایا اور ہوائی فائرنگ ڈھول اور نگاڑوں کی آواز سے آسمان لرزنے لگا۔

ابتدائی نتائج کے مطابق میں قریباً تین سو ووٹوں کے فرق سے اپنے حریف سے آگے رہتے ہوئے جیت چکا تھا، نوجوانوں نے بڑھ کر مجھے اپنے کاندھوں پر سوار کر لیا اور رنگا نے مینشن کے باہر رات بھر سے میری جیت کی اُمید میں بیٹھے فقیروں پر نوٹوں کی برسات کر دی۔ ٹھیک اُس لمحے جب میرا نام دوسری مرتبہ سکرین پر آیا اور ووٹوں کا فرق چار سو سے زائد بتایا گیا، تبھی قریبی مسجد سے فجر کی اذان گونجی "اللہ اکبر ..... اللہ اکبر ..... واقعی اللہ عظیم ہے ..... اُس نے مجھ جیسے بے گھر، بے آسرا اور بے نوا کو آج اتنا نواز دیا تھا کہ جسے پانے میں لوگ اپنی عمریں ضائع کر دیتے ہیں، اور پھر سب سے پہلے رنگا اور اس کے پیچھے تمام یعقوب مینشن سجدے میں گر گیا۔ یعقوب مینشن کے احاطے میں پہلی مرتبہ سب نے مل کر صبح کی نماز باجماعت ادا کی جس میں بھی ایک ساتھ سربسجود ہوئے۔ ٹھیک یہی منظر کیف فراق اور ہمارے محلے کی مسجد میں بھی دہرائے گئے ہوں گے، آج اُن کا الو بھی تو جیتا تھا۔ وہی آیان ..... جسے ہارنے کی عادت سی پڑ گئی تھی، وہ آج جیتا تو یوں جیتا کہ اس نے اپنوں کے ماضی کی تمام شکستوں کا بدلہ بھی چکا دیا تھا۔ روشنی ہونے سے پہلے ہی سارا محلہ، ریحان کی معیت میں مجھے مبارکباد دینے کے لیے یعقوب مینشن کے دروازے پر جمع ہو چکا تھا، لیکن آج اُن سب کے لیے دروازے کھلے تھے، آج یہ کسی استاد کا اڈہ نہیں اُن سب کا اپنا گھر بن چکا تھا۔ جمّی، بالا، راجہ، ریحان، مرزا اور چچا فراق بھی تو وہاں موجود تھے مجھ سے لپٹ کر مبارکبادیں دیتے ہوئے، میرے بال سہلاتے ہوئے، میرے گال کھینچتے ہوئے، شیخ صاحب تو باقاعدہ گھر کی کیاری سے جلدی میں توڑ دیئے گئے پھولوں کے ہار لے کر آئے تھے جو تنویر نے آگے بڑھ کر میرے گلے میں ڈال دیئے ..... جانے اس تحفے کا نام کسی نے ہار کیوں رکھ ڈالا تھا، اس کا نام تو جیت ہونا چاہیے تھا، کہ اس کا تعلق تو سدا جیت سے ہی رہا ہے، اماں کے بارے میں پوچھنے پر ریحان نے مجھے بتایا کہ انہوں نے شکرانے کے لیے کچھ نیاز مانگ رکھی تھی۔ اسی وہ بانٹ دیں، تبھی وہ گھر سے نکلیں گی۔ میں نے اُسی وقت رنگا سے گھر چلنے کا کہا اور ہم سب کچھ ہی دیر میں پیدل ہی گھر کی جانب چل پڑے تھے۔ راستے میں میری فتح کا جشن مناتے میرے نوجوان ورکر اور ساتھی ہمارے ساتھ چلتے گئے ..... اور قافلہ بنتا گیا ..... میں گھر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو میرے ذہن میں، گھر چھوڑتے وقت کا اپنا جملہ گونجا "اب میں اُسی وقت یہاں قدم رکھوں گا جب آپ کو کچھ بن کر دکھاؤں گا ....." غصے اور شدید جھنجھلاہٹ میں کہی گئی ایک بات کو قدرت نے میری دعا میں بدل دیا تھا۔ سچ ہے آہیں کب دعاؤں میں اور دعائیں کب آہوں میں بدل جاتی ہیں ..... یہ کوئی نہیں جانتا۔ اماں نے دعا ختم کر کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور پھر مجھے دروازے میں کھڑے دیکھ کر وہ وہیں بیٹھے بیٹھے رو پڑیں۔ میں نے لپک کر ان کے ہاتھ تھام لیے "اپنے الو کو ناشتے کا بھی نہیں پوچھیں گی کیا .....؟" کچھ ہی دیر میں چھوٹی اور ابا بھی برآمدے میں میرے گرد جمع ہو چکے تھے، ریحان باہر گلی میں رنگا اور باقی ہجوم کے ساتھ کھڑا میرے حق میں راجہ اور جمّی کے ساتھ مل کر نعرے

لگا رہا تھا "اپنا الو ..... آوے ہی آوے ..... دشمنوں کے دل پر ..... چھاوے ہی چھاوے ....." ابا نے مجھے یاد دلایا "آیان ..... اپنے کیے ہوئے وعدوں کو بھول نہ جانا ..... آج تمہاری خاطر یہ جو پورا علاقہ باہر امڈ پڑا انہیں تمہاری صورت میں ایک نئی اُمید نظر آ رہی ہے ..... وہ آس جو شائد برسوں پہلے مر چکی تھی، اب تمہاری زندہ ہونے لگی ہے ..... اسے اب دوبارہ مرنے نہ دینا ..... ورنہ یہ سب جیتے جی مر جائیں گے ....."

"آپ مطمئن رہیں ..... میں اپنا کوئی وعدہ نہیں بھولا ..... یہی محلہ اور یہی گھر ہمیشہ میرا مرکز رہے مجھ سے ملنے کے لیے کسی اونچی فصیل کو پار نہیں کرنا پڑے گا ....." ابا مسکرا دیئے "جیتے رہو ....."

باہر گلی میں لگتے نعروں میں تیزی آنے لگی تھی۔ میں جلدی سے اماں کے ہاتھ کی چائے اور چھوٹی سے بنے پراٹھے کے چند لقمے لے کر باہر نکل آیا۔ پھر وہ سارا دن کیسے لمحوں میں گزر گیا مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔ پہنچا تو موسیٰ اور نواب صاحب میرے ہی انتظار میں بے چین بیٹھے ہوئے تھے۔ رنگا موسیٰ کو دیکھتے ہی چلایا "موسیٰ ..... تیرا شاگرد تو اُستادوں کو بھی مات دے گیا ..... ایم پی اے بن گیا ہے تیرا لاڈلا ....." "آج موسیٰ کے مجھے دینے کے لیے وہی تحفہ تھا۔ یہ آنسو بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں۔ خوشی ہو یا چاہے غم ..... دونوں مواقع آنکھوں کا ساتھ نبھانے کے لیے ان کے یہی ساتھی سب سے پہلے دستک دیتے ہیں۔ میں بس موسیٰ کو تکتا رہا یہ آہنی نظر آنے والے میرے بڑے اندر سے اتنے موم کیوں ہوتے جا رہے تھے۔ یا شائد یہ موم سدا ہی سے اندر کا حصہ تھا، صرف کسی اپنے کی آنچ کی کمی تھی۔ نواب صاحب نے مجھے خانم اور فضہ کی جانب سے بھی مبارکباد کا پیغام سنایا اور یہ بھی کہ وہ بھی زمرد حویلی کے تمام مکینوں کے ساتھ میرا بے چینی سے انتظار کر رہے لیکن مجھے حویلی جاتے جاتے بھی تین دن لگ ہی گئے، کیونکہ اگلے دن موسیٰ کے زخموں کے ٹانکے کھلنا تھے اور ابتدائی نتائج حاصل کرنے اور علاقے کے معتبرین سے ملنے میں نکل گئے۔ تیسرے دن جب میں رنگا اور اما ساتھ حویلی پہنچا تو سورج ماند پڑ رہا تھا اور عصر کے وقت کی نرم سردیوں کی دھوپ نے زمرد حویلی کے گلشن تھے، چاروں طرف سنہری دھوپ کا سحر بکھرا ہوا تھا۔ خانم اور نواب صاحب نے حویلی کے دالان میں ہی میرا ا گیا۔ خانم بہت خوش نظر آ رہی تھیں۔ "لڑکے ..... تم نے آخر کر دکھایا ..... شاید تمہارے لیے ہی کہا ہے کسی نے لفظ کا وجود نہیں ہوتا ....." میں نے ان کا شکریہ ادا کیا "سب آپ لوگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔" اچانک پیچھے کی شرارتی آواز اُبھری "اچھا جناب آیان احمد صاحب ..... گویا ہماری دعاؤں کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے سارے میں ....." فضہ کی بات سن کر سبھی مسکرا دیئے۔ نواب صاحب رنگا کو لے کر خانم کے ساتھ اندر کی جانب بڑھ گئے اور فضہ ان کے پیچھے چل پڑے، اچانک فضہ رک گئی۔

"آیان ....." میں نے بھی رک کر دو قدم پیچھے کھڑی فضہ کو دیکھا۔ "میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ یہ آوارہ اور بنجارہ ایک دن زمانے بھر کو جیت لے گا۔ میری پیشین گوئی کا کوئی انعام نہیں دیں گے آپ ....." میں مسکرا دیا "انعا آپ ہی بتا دیں نجومن جی" فضہ بھی ہنس پڑی ..... "چلیں ..... یہ طے رہا کہ وقت آنے پر یہ نجومن اپنا انعام مانگ گی ....." اتنے میں اندر سے خانم ہمیں بلانے کے لیے باہر چلی آئیں، اور ہم دونوں ان کے پیچھے اندر ہال کی جانب گئے، جانے کیوں اس روز مجھے خانم کا چہرہ اور آنکھیں یہ کہتی ہوئی نظر آ رہی تھیں کہ وہ اپنی فضہ کے دل کے ہر راز سے آشنا

باب 33

اس روز کھانے کی میز پر میں نے نواب صاحب کے چھوٹے بیٹے سجاد کو بھی بہت دن کے بعد دیکھا۔ میں نے بڑے بیٹے کے بارے میں پوچھا تو نواب صاحب کے چہرے پر اُداسی چھا گئی۔ "وہ ناخلف اب مجھے معافی کی درخواستیں بھجوا رہا ہے، اور خانم بھی اُس کی طرف داری کرتی رہتی ہیں کہ مجھے اُسے معاف کر دینا چاہیے ....." میں نے بھی خانم کی تائید میں کہا "اگر وقار کو واقعی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے تو آپ کو اُسے معاف کر دینا چاہیے ..... شاید یہ آخری ٹھوکر اس کے لیے سبق آموز ثابت ہوئی ہو ....." نواب صاحب نے ہتھیار ڈال دیے "ٹھیک ہے میاں ..... اگر سب کی یہی مرضی ہے تو پھر میں اُسے معاف تو کر دوں گا لیکن صرف ایک شرط پر کہ وہ ولایت جا کر اپنی ادھوری تعلیم سب سے پہلے مکمل کرے ..... تب ہی میں اس کی شکل دیکھوں گا۔" وقار تک یہ پیغام پہنچانے کا فریضہ خانم نے سجاد کے سپرد کر دیا اور ہم اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف ہو گئے۔ حمید کی غیر حاضری کے بارے میں نواب صاحب نے بتایا کہ وہ اپنے گھر والوں کو زمرد حویلی کے پچھلے حصے میں بنی منیجر کی رہائش گاہ میں منتقل کروانے کے مقصد سے آج ہی شہر گیا ہے۔ حمید کے گھر والوں کی حویلی منتقلی کا سن کر فضہ نے چونک کر میری جانب دیکھا، میں اُسے اس رات حمید اور شیخ صاحب کے تمام خاندان کے بارے میں تفصیل سے بتا چکا تھا اور اُسے گہنا کو دیکھنے کا شدید اشتیاق بھی تھا۔ خانم نے رنگا سے ناہید کے بارے میں بھی بہت بار پوچھا اور اصرار کیا کہ رنگا اُسے چند دن کے لیے زمرد حویلی چھوڑ جائے تو کتنا اچھا ہو .....

تین دن پہلے جب میری کامیابی کا اعلان ہوا تھا اور میں اور سارنگا ناہید کی کوٹھی پہنچے تو اس نے وہاں دن میں بھی چراغاں کر رکھا تھا۔ رنگا اپنی لاڈلی کے دیوانے پن پر مسکراتا رہا اور وہ بھاگ بھاگ کر اپنے بابا اور بھیا کی خدمت میں ہلکان ہوتی رہی۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ اگر میں ہار جاتا تو پھر وہ کیا کرتی تو اُس نے رک کر کامل یقین اور عزم سے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا "آپ کو کبھی شکست نہیں ہو سکتی تھی آیان بھائی ..... یہ ایک بہن کا اُس کے خدا کے ساتھ معاملہ تھا..... اور مجھے یہ یقین بھی اُسی خدا نے بخشا ہے کہ آپ کی فتح یقینی تھی ....."

رنگا نے خانم سے وعدہ کیا کہ وہ جلد ناہید کو حویلی بھجوا دے گا۔ رات کے کھانے کے بعد ہم نے نواب صاحب سے رخصت طلب کی۔ وہ سب پورچ تک ہمیں چھوڑنے کے لیے آئے اور گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے فضہ نے

کر فضہ کو دیکھا "وہ میرا خواب ضرور تھی لیکن اُس خواب کی تعبیر میرا مقدر نہ بن سکی ..... کاش وہ خواب نہ ہوتی
تعبیر ہوتی ....." ہم یعقوب مینشن واپس پہنچے تو رات ڈھل چکی تھی۔ اگلے چند دن حکومت سازی اور جوڑ تو
اور کامیاب ارکان کا باقاعدہ اعلامیہ جاری کر دیا گیا، موسیٰ بھی ہسپتال سے فارغ ہو کر دوبارہ مینشن آ چکا
صبح ریحان اور ابا مجھے باقاعدہ لے جانے کے لیے مینشن آ گئے۔ ابا نے رنگا کی اُداسی دیکھ کر کہا۔ "میں جا
سب کے لیے بہت مشکل ہو گا لیکن آیان نے سب سے وعدہ کیا تھا کہ وہ چاہے حکومت میں بیٹھے یا
میں ..... لیکن وہ اپنا محلہ نہیں چھوڑے گا ....." رنگا نے ایک گہری سانس لی "جی ماسٹر صاحب ..... مجھے سب
لیکن یہ جاتے جاتے اس چار دیواری سمیت ہم سب کو ہمیشہ کے لیے اُداس کر جائے گا ..... موسیٰ کو تو
اُٹھنے لگے ہیں ....." لیکن وہ سب جانتے تھے کہ مجھے ایک نہ ایک دن یہاں سے جانا ہو گا۔ رنگا نے ابا سے
کہ اس کی خواہش ہے کہ مجھے باقاعدہ اعزاز کے ساتھ یعقوب مینشن سے رخصت کیا جائے لہٰذا وہ ایک
لیں۔ کل شام رنگا اور موسیٰ مجھے خود بابو محلے چھوڑ جائیں گے۔ ابا کے جانے کے بعد جب میرے جانے کی
سب کے چہرے واقعی مُرجھا سے گئے اور رات تک میں ان سب کو یہی سمجھاتا رہا کہ میں چاہے یہاں رہ
اپنے گھر میں ..... اب ہمارے درمیان جڑا رشتہ موت بھی نہیں توڑ سکتی۔ اگلے دن صبح سے یعقوب مینشن
کا تانتا بندھنے لگا۔ رنگا نے شائد سارے شہر کو ہی مدعو کر لیا تھا۔ اڈے کے پرانے ساتھی، سیاستدان، نوکر
تاجر ..... کون سا ایسا طبقہ تھا جو اُس شام رنگا کی دعوت میں مدعو نہیں تھا۔ شہر کے آئی۔ جی نے اس روز
یعقوب مینشن کی سیکورٹی پر پولیس کے افسروں اور نفری کی ڈیوٹی لگائی تھی، میں کسی کام سے گیٹ سے باہر
جانب اے ایس پی بلال کھڑا نظر آیا۔ مجھے دیکھ کر اس نے جھٹ سے سیلوٹ کیا "آئی۔ جی صاحب نے
ڈیوٹی آپ کے ساتھ لگا دی ہے۔ سنا ہے آپ نے سرکاری رہائش گاہ لینے سے انکار کر دیا ہے لہٰذا کل
آپ کے اپنے گھر کے باہر موجود ہو گی۔ آپ سے درخواست ہے کہ کہیں بھی جانے سے پہلے اپنا پروگرام
پولیس کو ضرور بھجوا دیا کریں ....." میں نے بلال کو غور سے دیکھا "کیا صرف ایک الیکشن جیت لینے سے کوئی
بن جاتا ہے؟" "تم سے آپ" کا سفر طے کر لیتا ہے .....؟" بلال کو بھی شائد وہ دن یاد آ گیا جب اُس نے
کے ایک لڑکے سے لڑنے کے جرم میں حوالات میں بند کر رکھا تھا۔ بلال نے میرا اشارہ سمجھ لیا تھا۔ وہ
"سب نظام کی بات ہے آیان صاحب ..... سچ تو یہ ہے کہ یہی نظام ہمیں مجرم بھی بناتا ہے اور یہی مجرم
بلال کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "میرا مقصد تمہیں شرمندہ کرنا ہرگز نہیں تھا۔ بس یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں
آیان ہوں جو کل تھا، اور تم بھی آج مجھ سے ایک وعدہ کرو کہ نظام چاہے کتنا ہی زنگ آلود کیوں نہ ہو جائے
اور جھوٹ کو جھوٹ کہنے کا حوصلہ سدا قائم رکھیں گے ..... اور اس عمل میں مجھے تم ہمیشہ اپنی مدد کے لیے اپنے
گے۔" بلال نے مسکرا کر میرا اس کے آگے پھیلا ہاتھ تھام لیا "ضرور ....." "مجھے چلتے چلتے کچھ یاد آیا۔
مجھے سیکورٹی کی قطعاً ضرورت نہیں ہے ..... جس دن مجھے اپنے علاقے اور اپنے لوگوں کے درمیان سیکورٹی
محسوس ہوئی، میں اُسی روز استعفیٰ دے دوں گا۔"

آخر کھانے کے بعد میرے الوداع کی گھڑی بھی آ گئی۔ میں فرداً فرداً اڈے کے ہر فرد

پہلے ہی احاطے کے دوسرے کونے میں جا کر اپنی بھیگی پلکیں سب سے چھپا رہے تھے، رنگا سب کو سنبھالنے کی خاطر خود پر ضبط کیے کھڑا تھا لیکن مجھ میں بھلا اتنے ضبط کا یارا کہاں تھا۔ میں آخری استاد سے مل کر تیزی سے پلٹا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتے ہوئے باہر کے احاطے میں کھڑی رنگا کی گاڑی میں جا کر بیٹھ گیا۔ وہ سب آخری گاڑی کے روانہ ہونے تک وہیں کھڑے ہاتھ ہلاتے رہے۔ دوسری جانب جب ہم بابو کالونی میں داخل ہوئے تو یکسر مختلف سماں تھا۔ سارے محلے میں میرے دوستوں نے چراغاں سا کر رکھا تھا۔ امی اور ابا نے چھوٹی اور ریحان سمیت گلی میں ہی میرا استقبال کیا۔ رنگا اور موسیٰ نے میرا کاندھا تھپتھپایا۔ رنگا بولا "اچھا ساجن ..... اب چلتے ہیں۔ ماسٹر صاحب آپ کی امانت آپ کے سپرد ہے ..... دیکھ لو کوئی کمی بیشی تو نہیں ہے۔" ابا ہنس پڑے "آپ نے تو اس نالائق کو بیش قیمت بنا کر واپس کیا ہے ..... کمی کا تو کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا ....." رنگا اور موسیٰ نے بھاری دل کے ساتھ مجھے گلے لگایا۔ خود میرا دل بھی اندر سے کٹ رہا تھا۔ میں نے اسماعیل کی دل گرفتگی کم کرنے کے لیے وعدہ کیا کہ میں کم از کم ہر جمعرات کی شام ان سب سے ملنے ضرور آیا کروں گا۔

رنگا اور موسیٰ نے جاتے جاتے بھی کئی بار مجھے گلے لگایا۔ ان کے پلٹتے ہی مجھے محلے والوں نے گھیر لیا اور مجھے اپنے گھر کے صحن میں قدم رکھتے رکھتے نصف شب ہو گئی۔ چھوٹی کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے وہ مجھ سے کوئی بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہے، لیکن پہلے محلے والوں کے رش اور پھر صحن میں دیر تک ابا اور امی کی موجودگی کی وجہ سے اُسے یہ موقع بہت دیر سے ملا۔ اس کی آواز سرگوشی میں بدل گئی۔ "بھائی ..... دو دن پہلے گہنا اور اُس کے گھر والے آئے تھے یہاں ..... آپ کی کامیابی کی مبارکباد دینے ....." میں نے چونک کر چھوٹی کو دیکھا "اور کون کون تھا ....."

"سبھی تھے، ستارہ، گہنا، ان کی امی اور ابا ..... وہ بتا رہے تھے کہ وہ لوگ اسی دن زمرد حویلی منتقل ہو رہے ہیں ..... اور ستارہ نے یہ بھی بتایا کہ تنویر بھائی نے مقابلے کا امتحان بڑے اچھے نمبروں سے پاس کر لیا ہے اور وہ جلد ٹریننگ کے لیے اکیڈمی جا رہے ہیں ....." میں کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بولا تو خود میری اپنی آواز مجھے اجنبی لگی۔ "چلو اچھا ہوا ..... تنویر کی محنت رنگ لائی" میں چھت کی سیڑھیوں کی جانب بڑھنے لگا تو چھوٹی نے پھر مجھے روک لیا۔

"پوری بات تو سن لیں آیان بھائی ..... گہنا جاتے جاتے آپ کے لیے پیغام دے گئی ہے کہ آپ ایک بار زمرد حویلی آ کر اس سے ضرور مل لیں۔ وہ آپ کا انتظار کرے گی ....." میں چونک سا گیا۔ اب گہنا کو مجھ سے بھلا کیا کام ..... ؟ شاید تنویر کی کامیابی کی خوش خبری خود مجھے اپنی زبانی سنانا چاہتی ہو ..... ؟ میں انہی سوچوں میں گم اوپر اپنے پرانے کمرے میں جا کر بستر پر پڑ گیا۔ ابا اور ریحان نے بہت کوشش کی تھی کہ میں نیچے برآمدے میں ریحان والا کمرہ لے لوں، لیکن میں نے انہیں بڑی مشکل سے یقین دلایا کہ مجھے اپنی پرانی شناسا دیواروں کے درمیان اور اُس مہربان چھت کے نیچے ہی سب سے اچھی نیند آئے گی، لیکن چھوٹی نے گہنا کا پیغام دے کر میری رہی سہی نیند بھی اڑا دی تھی، انجانا میں کھلے آسمان تلے آ کر لیٹ گیا اور پھر ساری رات میرے اپنے دوست تاروں کے ساتھ گلے شکوے چلتے رہے۔ وہ سب مجھ سے روٹھے رہے کہ میں تو انہیں بھلا ہی بیٹھا تھا، میں نے انہیں بڑی مشکل سے منایا کہ میں بھلا کب اُن سے جدا ہوں ..... ہاں بس کچھ دن کے جوگ کی وجہ سے کچھ دور ضرور ہو گیا تھا، اور پھر اسی روٹھنے منانے میں صبح ہو گئی، اور سب ستارے اگلی رات کے وعدے پر ماند پڑ گئے۔

آج میری نئی زندگی کی پہلی صبح تھی۔ ابا نے ریحان کو بھیج کر مجھے جلدی نیچے بلوا لیا۔ ناشتے کے بعد چھوٹی نے

پھر ..... بازو پر امام ضامن باندھا اور امی نے میرے سر پر قرآن کا سایہ کر کے مجھے گھر سے رخصت کیا
میرے تینوں دوست میرا انتظار کر رہے تھے، وہ میرے ساتھ بس اسٹاپ تک چلے آئے۔ مجھے اسمبلی جا
کی بس کا انتظار تھا، اس دن سفر کرنے والے کم اور میرے ساتھ جانے والے لوگ زیادہ تھے۔ بس حسب
وقت سے پندرہ منٹ لیٹ پہنچی، اور منشی نے اپنی کاپی میں درج کر لیا "بس کے اوقات درست ہونے
بس میں ہمیشہ کی طرح شدید بھیڑ اور خواتین والے حصے میں بھی مرد گھسے ہوئے تھے۔ کاپی میں درج ہو گیا
کی حالت زار ....." اور یوں اسمبلی تک پہنچتے پہنچتے وہ تینوں وہ سب درج کرتے گئے جس کو دیکھ کر
گزرتے آئے تھے، صفائی، ٹریفک، سگنل، تیز رفتاری، زیبرا کراسنگ کی کمی، بوڑھوں اور بزرگوں کے
کرنے کے لیے سیڑھی والے پل اور وہ سب کچھ جو میرے حلقے میں بدنظمی کا شکار تھا۔ اسمبلی کے اندر وہی مر
اونگھتے ہوئے وزیر اور بے زار سے اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر، وقت گزاری کی خاطر آنے والی اور تماشوں کی منتظر
نوکرشاہی کے ٹالنے والے جوابات، پہلے دن تو اسمبلی کو دیکھ کر مجھے اپنے پرائمری اسکول کی جماعت یاد آ گئی
ہی ہمیں گھر واپسی کی فکر پڑ جاتی تھی اور ہم کسی نہ کسی طرح اسکول کا وقت بےزاری، بے دلی اور انگڑائیاں لے
سے اتار کر پھینکنے کے انداز میں گزار کر فوراً گھر بھاگنے کی کیا کرتے تھے۔ واپسی کی بس پر پھر وہی معمول دہر
پہنچ کر میں نے کچھ آرام کے بعد امی سے بجلی کا تازہ بل لانے کو کہا۔ کچھ دیر بعد میں محلے کی بیرونی سڑک پ
میں بل جمع کروانے کے لیے کھڑا تھا۔ ان سب نے مجھے قطار میں اپنی اگلی جگہ کی پیشکش کی لیکن میرا مقصد
جیسا ثابت کرنا ہی تو تھا، سو میں مسکراتا ہوا اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ شام کی چائے ہم سب دوستوں نے کیفے فرا
اور وہیں مرزا کے کمرے کو میں نے اپنا دفتر بنانے کا اعلان بھی کر دیا۔ پہلے دن ہی میرے پاس قریباً دو در
جمع کرائی گئیں۔ میرے حلقے کے مسائل بھی میرے گھر کے مسائل کی طرح معصوم اور چھوٹے چھوٹے
بجلی کا بل زیادہ آیا تھا تو کسی کا بل جمع کروانے کے باوجود بھی میٹر کٹ گیا تھا۔ کسی کی گیس آتی ہی نہیں تھی
کنکشن کا کیچ سال بھر سے بند نہیں ہوا تھا۔ کسی کے بچے کو سرکاری اسکول سے لمبی غیر حاضری پر نکال دیا
اسکول کے دروازے سے اندر ہی داخل نہیں ہوا تھا کہیں سڑک بن کر ٹوٹی تھی اور کہیں ٹوٹی سڑک پر ہی بجری
کر بھر دیا گیا تھا۔ کسی کو پولیس صرف شک کی بنیاد پر اٹھا لے گئی تھی اور کوئی پولیس کے سامنے دہائیاں دے
گیا تھا مگر اس کی داد رسی نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے منشی، بالے اور رفیہ کو مختلف محکمے بانٹ دیے اور مرزا کو
مقرر کر دیا۔ چچا فراق نے ہمارے منتظم اعلیٰ کی ذمہ داریاں سنبھال لیں اور یہ سب کچھ ہوا، کی
ہوا۔ وہ سب جانتے تھے کہ اس وقت مجھے ان سب کی کتنی ضرورت ہے اور میرے ساتھ
قدر اہم ہے۔ سارنگا میری اس نئی چھاؤنی کا ... اور موسیٰ مجھے دیا
موسیٰ سارا دن لوگوں کے مسئلے سنتے اور انہیں طاقت کے بجائے سیاست سے حل کرنے کی کوشش کرتے
دوسرے روز ہی آئی۔ جی سے مل کر اپنے علاقے کی پولیس میں چند ضروری تبدیلیوں کی درخواست ک
شفقت سے اسی وقت تسلیم کر لیا گیا اور ماتحتوں کی جگہ دو چار طبیعت ملاقات کروا دیا گیا۔ بلال کا ساتھ
حاصل تھا۔ میں نے منشی، بالے اور رفیہ کے والدین سے پہلے روز ہی ان تینوں کو اپنی ٹیم میں شامل کرنے
طلب کر لی تھی۔ بالے کے ابا نے ہنس کر کہا تھا "ہم منع بھی کریں گے تو یہ نالائق ہماری بات تھوڑی مانیں

اس بار ہم سب اپنے دل کی گہرائیوں سے انہیں اجازت دیتے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ مل کر اس علاقے کی تقدیر بدل دیں۔ اب ہم بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں اپنے بچوں پر فخر ہے——"

اور پھر تین چار دن بعد جب یہ ساری خبریں ریڈیو، ٹی وی اور اخبار والوں کو پتہ چلنے لگیں اور ان کے رپورٹر اور کیمرہ مین میرے ساتھ ساتھ گھومنے لگا تو واقعی اگلے چوبیس گھنٹوں میں سب بدلنے لگا۔ سرکاری بس ٹھیک اپنے وقت پر آنے لگی۔ میونسپل کا عملہ صبح سویرے اپنی ڈیوٹی پر پہنچنے لگا۔ علاقے کی دیواروں پر قلعی اور سڑکوں پر نئی زیبرا کراسنگ جگمگانے لگی۔ اسکول وقت پر کھلنے اور دفتر کا عملہ وقت پر چھٹی کرنے لگا، بل درست ہونے لگے اور قطاریں گھٹنے لگیں۔ بجلی اب بھی جاتی تھی مگر مقررہ وقت پر، پانی اب بھی کم آتا تھا مگر روز آنے لگا تھا۔ گوالا اب بھی ملاوٹ کرتا تھا مگر اب اس نے پانی میں دودھ کے بجائے دودھ میں پانی ملانا شروع کر دیا تھا۔ غرض ہر بگڑی چیز نے درست ہونے کے لیے ایک انگڑائی ضرور لی تھی۔ ابا کے بقول یہ ساری تبدیلی صرف اس وجہ سے ہو پائی تھی کیونکہ میں نے اپنے علاقے سے ناطہ نہیں توڑا تھا۔ ورنہ یہی سارے محکمے اپنا سارا زور صرف میرے سرکاری گھر کو سدھارنے میں لگا دیتے۔ میرے نوجوان کارکن اور ساتھی اب بھی ہر قدم پر میرے ساتھ تھے اور ہم ہر دوسرے تیسرے دن رنگیلا یا صدر کے علاقے میں اپنی میٹنگز منعقد کر کے آگے کا لائحہ عمل طے کرتے رہتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو اس کی استعداد اور خصوصیت کے مطابق کام بانٹ دیا گیا تھا اور میں نے ان کے معاوضے کا منصوبہ بھی حکام بالا کو پیش کر دیا تھا کہ لاکھوں کروڑوں کے نقد تماشوں میں بے کار بانٹ دینے کے بجائے اگر اسی رقم کو ہر علاقے کے بے روزگار نوجوانوں کے ہنر کو اجاگر کرنے میں خرچ کیا جائے تو ہم چند سالوں میں ہی اس ملک کی تقدیر بدل سکتے ہیں۔ ان نوجوانوں نے میرے حلقے کی ہر گلی، ہر سڑک کا انتظام سنبھال لیا تھا اور یہ انہی کی کوششوں کا ثمر تھا کہ شہر کے سب سے بڑے اخبار نے دوسرے ہفتے ہی ہمارے علاقے کے بارے میں اپنے اخبار میں شہ سرخی جمائی۔

"نوجوان انقلاب——"

اس تمام عرصے میں مجھے ایک بات کا شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ ہم اگر تبدیلی چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے گھر اور گلی سے ابتداء کرنی ہو گی۔ گھر، گلی، محلہ، سڑک، یونین کونسل، شہر، ضلع، صوبہ اور پھر ملک—— یہ ترتیب رہے گی تبھی ہم اپنی منزل تک پہنچ سکیں گے ورنہ سدا بھٹکتے رہیں گے۔ خود کو تبدیل کیے بنا نظام کو بدلنے کی باتیں صرف ایک دھوکہ اور سراب ہوتی ہیں اور ہم شاید سدا سے ہی سرابوں کے پیچھے بھاگتے آئے ہیں۔

لیکن ہم سب نے مل کر اس سراب کو خواب اور پھر اس خواب کو ایک حقیقت میں بدلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ دن، ہفتوں میں اور پھر چار ہفتے ایک مہینے میں بدل گئے۔ میں روز زمرد حویلی کی طرف جانے کا سوچتا اور روز کسی نہ کسی کام میں پھنس کر رہ جاتا۔ آخر ٹھیک ایک مہینے بعد نواب صاحب کی گاڑی خود مجھے لینے آ پہنچی۔ اسماعیل نے بتایا کہ نواب صاحب نے رنگا، موسیٰ اور مجھے دعوت پر بلایا ہے اور سختی سے تاکید کی ہے کہ اگر اس بار میں نے غیر حاضری کی تو وہ باقاعدہ ناراض ہو جائیں گے۔ اب میرے پاس کوئی بہانہ نہیں بچا تھا، اور پھر ہم سب اُسی شام دو گاڑیوں میں زمرد حویلی کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہو رہے تھے۔ رنگا مجھے راستے میں ہی بتا چکا تھا کہ اس نے خانم کی درخواست پر نائیلہ کو کچھ دن کے لیے زمرد حویلی بھجوا دیا ہے۔

باب 34

اور پھر حویلی میں داخل ہوتے ہی میری پہلی نظر حمیدی پر پڑی جو باہر والان میں ہی موجود تھی، لیکن
سے بہت ناراض تھی اور اس نے باقاعدہ اعلان کر دیا کہ اب وہ مجھ سے کبھی بات کرے گی جب میں یہ وعدہ کر لوں
از کم دو دن زمرد حویلی سے باہر قدم بھی نہیں رکھوں گا، رنگا اور موسیٰ نے بھی میری معاونت سے انکار کر دیا اور مجھے
ہاں کرنی ہی پڑی۔ خانم نے مردانے اور زنانے کے انتظامات خوب سنبھال رکھے تھے اور فضہ ان کی مدد میں جٹی
تھی۔ ایک آدھ بار مردانے میں آتے جاتے اور ملازموں کو ہدایات دیتے حمیدہ پر بھی میری نظر پڑی۔ جا
صاحب اور ان کے گھر والے یہاں حویلی میں دل لگا پائے تھے یا نہیں——؟ نئی جگہ کے اپنے مسائل اور نئے
دعوے ہوتے ہیں، پھر چاہے وہ زمرد حویلی جیسا محل ہی کیوں نہ ہو، نئے مکینوں کو اپنی پرانی کٹیا کی یاد بھی ضرور آتی
لیکن میں چاہ کر بھی نواب صاحب یا فضہ سے گھما پھرا کر شیخ صاحب کے گھر والوں کی خیریت نہ پوچھ سکا۔ شاید میرے
دل کا کوئی چور تھا جو مجھے یہ سوال کرنے سے روکتا رہا۔ دل کے کھٹکے یوں تو سدا بے آواز ہوتے ہیں، لیکن ہر آہٹ
دل کے اندر بڑا شور مچاتے ہیں۔ ہاں مگر باہر والوں کو یہ شور کبھی سنائی نہیں دیتا۔

میرے اندر کا شور بھی بس خود مجھی کو سنائی دے رہا تھا اور جب انسان کے اپنے اندر اتنا شور ہو تو اُسے
باتیں ذرا کم ہی سنائی دیتی ہیں۔ مجھے بھی اس رات کھانے کی میز پر سب کے درمیان ہوتی گفتگو کا کچھ پتہ نہیں
ان سب کا ساتھ دینے کے لیے میں بس ہوں ہاں کرتا رہا۔ مجھے محسوس ہوا کہ فضہ میری اس کیفیت کو بھانپ چکی
کئی بار جب میں نے نظر اٹھائی تو میں نے اُسے اپنی جانب ہی دیکھتے ہوئے پایا۔ کھانے کے بعد ایرانی قہوہ
فرمائش کی گئی اور پھر سبھی باہر والان میں چہل قدمی کرنے کے لیے ادھر ادھر ٹولیوں میں بٹ گئے۔ میں چپ چاپ
نہر کے کنارے آ کر بیٹھ گیا۔ فضہ نے اپنی نگرانی میں سنگ مرمر منگوا کر نہر کے کنارے بہت ہی حسین سنگ
شفاف سلیں بنچوں کی صورت میں بچھوا دیں تھیں اور نظر کو دور تک بہت بھلا منظر محسوس ہوتا تھا۔ ان سلوں کی سا
راج ہنسوں کے تیرتے ہوئے جوڑوں کی طرز پر بنائی گئی تھی اور دور سے بہت سے راج ہنس نہر کے پانی پر
کرتے، بیٹھے نظر آتے تھے۔ لیکن کچھ ہنس اکیلے بھی تو ہوتے ہیں جن کی کوئی راج ہنسنی نہیں ہوتی۔ میں اس ماحو
وہی ایک اکیلا اور بچارا راج ہنس تھا "یہاں تنہا کیوں بیٹھے ہیں آپ——؟" میں چونک کر پلٹا فضہ چاہنے

تنویر ہی اس خاکے پر پورا اترتا نظر آیا تھا۔ لیکن خود ستارہ نے بھی تو کبھی ایسا کوئی اشارہ نہیں دیا۔"

"وہ کبھی اپنی زبان سے تنویر بھائی کی چاہت کا اقرار نہیں کریں گی۔ وہ تو تب بھی نہیں بولیں تھیں جب ابا نے ان کا ہاتھ کسی اور کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔۔۔" نگہت کی باتیں سن کر میرے اندر کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ نگہت نے اپنی بات جاری رکھی "ہاں۔۔۔ البتہ ایک وقت ایسا ضرور آیا تھا جب تنویر بھائی کے ساتھ میری بے تکلفی دیکھ کر خود ستارہ آپی اس غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھیں کہ شاید ان کی شادی کے بعد میں خود تنویر بھائی کی زندگی کا حصہ بن چکی ہوں، لیکن میری اور تنویر بھائی کی وہ گھنٹوں باتیں اور وہ چھپ چھپ کر کھسر پھسر بھی ستارہ آپی کو دوبارہ ان کی زندگی میں لانے کے لیے ہی ہوتی تھی۔ تنویر بھائی کی خواہش پر ہی یہ بات ان کے سی۔ ایس۔ ایس (CSS) کے امتحان کا نتیجہ نکلنے تک پوشیدہ رکھی گئی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ایک بار وہ یہ معرکہ سر کر لیں تبھی وہ ستارہ آپی اور ہمارے گھر والوں کے سامنے اس رشتے کی پیش کش رکھیں گے۔۔۔ کیونکہ ایک بار پہلے بھی بے روزگاری کی وجہ سے حمید بھائی ان کا ستارہ آپی کے لیے آیا ہوا رشتہ سختی سے ٹھکرا چکے تھے، اور تنویر بھائی صرف ایک جونیئر ٹیچر کی نوکری کے بل پر دوبارہ یہ پروپوزل نہیں بھیجنا چاہتے تھے کیونکہ ان کی ٹیچر کی نوکری بھی عارضی تھی۔۔۔" نگہت کی باتیں سن کر پل بھر میں میرے سامنے اب تک تنویر سے ہوئی سبھی ملاقاتیں ایک جھماکے کی صورت میں چمکیں۔۔۔ اوہ۔۔۔ تو اس کا والہانہ پن اور مقابلے کا امتحان پاس کرنے کا وہ جنون ستارہ کی خاطر تھا، لیکن میری بہت سی الجھنیں ابھی باقی تھیں۔

"لیکن آپ خود بھی تو ہمیشہ سے ایک منظم زندگی اور افسرانہ انداز کی شیدائی رہی ہیں۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ یہ درست ہے کہ مجھے سی ایس پی افسر اور ان کی زندگی کا ایک منظم انداز بہت پسند ہے۔۔۔ میں لڑکا ہوتی تو خود بھی ایسا ہی کوئی کیریئر چنتی یا پھر فوج میں کمیشن لے لیتی۔۔۔ بچپن سے میرے خوابوں کا شہزادہ ایسا ہی کوئی افسر رہا ہے۔۔۔ اور یہ بات ہمارے گھر میں کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔۔۔ بلکہ جب میں دسویں میں تھی اور امی نے ایک دن مجھے ڈانٹ کر یوں بھی کہہ دیا تھا کہ اگر میں نے گھر کا کام ٹھیک سے نہیں کیا تو وہ مجھے کسی کلرک کے ساتھ بیاہ دیں گی تو میں باقاعدہ رو پڑی تھی اور دو دن تک میرے آنسو بات بے بات ٹپک جاتے تھے، پھر خدا خدا کر کے پورے گھر نے میرے سامنے ہاتھ جوڑے تھے تب کہیں جا کر میں چپ ہوئی تھی۔۔۔ اسی لیے جب آپ سے میری ملاقات ہوئی تھی تو آپ صرف ایک اچھے انسان اور دوست لگے تھے، اور میں چاہتی تھی کہ ایک اچھا دوست اپنی زندگی کو یوں غیر منظم انداز میں گزار کر ضائع نہ کرے بلکہ خود کو کسی باقاعدہ اور سنجیدہ طرز حیات میں ڈھال کر اپنی صلاحیتیں بروئے کار لائے۔۔۔ لیکن تب کبھی میں نے آپ کے لیے اس سے سوا کچھ نہیں سوچا۔۔۔ کچھ نہیں چاہا۔۔۔ مگر جب آپ کی غیر حاضری کے وقفے طویل ہونے لگے تو نہ جانے کیوں مجھے آپ یاد آنے لگے، آپ کی شرارت آمیز باتیں، آپ کا وہ زندگی کو ایک پل میں جی لینے کا نظریہ اور وقت کو اپنے قابو میں کرنے کے بجائے خود کو وقت کے دھارے پر چھوڑے رکھنا۔۔۔ یہ سب اندر ہی اندر مجھے بھانے لگا۔۔۔ لیکن اس وقت میں خود اپنے اندر ہوتی اس تبدیلی سے انجان تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ محبت کسی نظم و ضبط یا ڈسپلن کی پابند نہیں ہوتی، محبت اپنا ڈسپلن خود قائم کرتی ہے۔۔۔ چاہے اس قیام کے لیے وہ دوسروں کے دلوں کا ہر نظم تلپٹ کر دے، ہر ضبط کو کسی تیز آندھی اور طوفان کی طرح اکھاڑ پھینکے۔۔۔ محبت ایک وحشی طوفان کی طرح ہمارے دل کے کواڑوں پر دستک دیتی ہے لیکن ایک بار وہ دل کے دریچوں سے اندر گھس جائے تو پھر اس تیز آندھی کے سامنے ہمارے تمام اصول، تمام قاعدے اور بندھن خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں۔ جب

مجھے ستارہ آپی نے آپ کے دل میں میرے لیے پلتے جذبے کے بارے میں بتایا تو ٹھیک یہی سب کچھ میرے
بھی ہوا۔ میرے تمام اصول، میرے تمام معیار اپنی جگہ موجود رہتے ہوئے بھی بے معنی سے ہوتے چلے گئے
شروع میں تو مجھے خود پر بھی بہت غصہ آتا تھا کہ یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے۔۔۔ لیکن تب مجھ پر ایک اور راز آ
ضروری نہیں کہ ہم عمر بھر جس معیار کو اپنے دل میں سجائے بیٹھے ہوں، صرف اس پر پورا اترتا کوئی شخص ہی ہماری
ثابت ہو سکتا ہے۔ اس معیار اور ان خوابوں کی تعبیر ہمارے دل میں ہمیشہ پلنے کے باوجود کوئی بالکل مخالف سمت
بھی ہمارے دل کے سنگھاسن پر آ کر براجمان ہو سکتا ہے۔ یعنی ہم اپنے آئیڈیل اور معیار کی ساری عمر عزت
ہیں۔۔۔ لیکن کبھی کبھی محبت کی تعبیر کسی اور کی صورت ہمارے دل میں وارد ہو جاتی ہے۔ ٹھیک یہی حادثہ میرے
ہوا۔ میرا آئیڈیل آج بھی میرے اندر کسی محترم شخصیت کی طرح پلتا ہے۔۔۔ لیکن وہ میری محبت نہیں بن سکا
میں اپنے دل کے آئیڈیل کی ہمیشہ عزت کرتی رہوں گی لیکن میں محبت آپ سے۔۔۔" نگہت روانی میں کچھ کہتے
گئی۔ وہ سر جھکائے میرے سامنے کھڑی تھی اور اس کا وجود کانپ رہا تھا۔ جیسے وہ صدیوں کی مسافت طے کر کے
تک پہنچی ہو۔ کچھ دیر ہم دونوں ہی خاموش رہے۔

"میں جانتی ہوں میں نے اپنے دل کے جذبوں کو سمجھنے میں بہت دیر کر دی ہے، آپ کی زندگی میں
اور لوگ بھی ہیں جو شاید مجھ سے زیادہ محرم اور محترم ہوں گے آپ کے لیے۔۔۔ لیکن اگر میں آپ کو یہ سب کچھ
عمر بھر یہ خلش مجھے بے چین کیے رکھتی۔۔۔" وہ شاید فضہ کی بات کر رہی تھی۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کچھ کہوں
ابھی گم صم کھڑا رہوں۔ میرے پاس کہنے کو کچھ باقی ہی کب تھا بھلا۔۔۔؟؟ نگہت نے اپنی بات جاری رکھی۔

"کتنی عجیب بات ہے کہ جس وقت میرا دل اپنے سارے اصول قاعدے اور معیار بھلا کر آپ کے
میرے من کو استوار کر رہا تھا اور مجھے آپ کی محبت کے دلائل سے لاجواب کر رہا تھا، ٹھیک اسی وقت فضہ یہاں
میں آپ کو وہ تمام قاعدے اور نظم و ضبط سکھا رہی تھیں جو میرے آئیڈیل کا تقاضہ تھے۔ انہوں نے آپ کو زندگی
سکھا کر کامیابی کی راہ پر گامزن کر دیا اور میرے دل نے میرے اندر کا ہر ڈسپلن اور قاعدہ توڑ ڈالا۔۔۔ میں اس
کھلنڈرے اور جھگڑالو کا انتظار کرتی رہی اور میرے سامنے ایک بدلا ہوا، سنجیدہ اور بردبار آیان آ گیا۔ وہ آ
جس کی زندگی اب کسی اور کی محبت کی مقروض تھی۔ فضہ نے پہلے روز ہی مجھ پر اپنے دل کی حالت کھول دی تھی، ا
ان کی سادہ دلی اور صاف گوئی کی ایک مثال ہے۔۔۔ مجھے انہیں اپنے اندر کی بات بتانے کا وقت ہی نہیں دیا
نے۔۔۔ شاید میں انہیں پہلے بتا دیتی تو وہ اتنی اعلیٰ ظرف ہیں کہ کبھی مجھ سے اپنی محبت کا ذکر نہ کرتیں۔۔۔ لیکن
انہیں یہ موقع پہلے دے کر اپنے فیصلے کا اعلان کر دیا تھا، اور سچ تو یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ فضہ ہی آپ کی حق
آیان۔۔۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ آپ نے انہیں میرے بارے میں سب بتا رکھا ہے اور ابھی ان کی محبت
قبولیت بھی نہیں بخشی۔۔۔ لیکن وہ تو اب بھی یہی سمجھتی ہیں کہ میرا آئیڈیل اور میری محبت کوئی اور ہے۔۔۔ آپ نہیں
اور اب میں یہ بات انہیں بتا کر ان کا حق بھی غصب نہیں کروں گی۔۔۔ شاید مجھے اس وقت آپ پر بھی اپنے دل
بھید ظاہر نہیں کرنے چاہیے تھے۔۔۔ لیکن میں مجبور تھی۔۔۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ آپ تمام عمر اس خلش کے ساتھ
دیں کہ میں نے آپ کو بھی ٹھکرایا تھا۔" میں گم صم کھڑا نگہت کی تمام بات سنتا رہا اور مجھ سے تو یہ بھی نہیں بولا گیا
خلش ختم کر کے

چاہتی...... "گہنا کی بات ابھی ادھوری تھی کہ اچانک قدموں کی چاپ اور فضہ کے دھیرے سے کھنکارنے کی آواز سنائی دی" معافی چاہتی ہوں لیکن آپ دونوں کی بات میں مخل ہونا ہی پڑا...... دراصل گہنا کی امی جان تین چار مرتبہ ان کا پوچھ چکی ہیں...... اور اب تو باقاعدہ شمن کے ہاتھ پیغام بھی آچکا ہے...... دیر بھی کافی ہو چکی ہے...... لہٰذا یہ ملاقات آپ دونوں کو اب یہیں برخواست کرنی پڑے گی...... "باقی آئندہ" کا بورڈ لگا کر......" فضہ کی شگفتگی نے ہمیں بھی مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ گہنا نے نظر اٹھا کر میری جانب دیکھا اور وہ دھیرے سے خدا حافظ کہہ کر پلٹ گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے یہ اس کا آخری الوداع ہو۔ ایک لمحے میں میرا دل جیسے آخری بار دھڑک کر ساکت ہو گیا۔ نظر کیا تھی...... ایک تیز دھار برچھی تھی جو گہنا کی آنکھ سے نکلی اور عین میرے دل میں پیوست ہو کر گزر گئی تھی۔

وہ دونوں کب کی واپس جا چکی تھیں اور میں اب تک وہیں اپنی جگہ جامد کھڑا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرا ہر سفر آج یہاں آ کر ختم ہو گیا ہو۔ ایک بار پھر وہی زمانے بھر کا ڈاکو کہ جس کا نام دل جلوں نے عشق رکھ چھوڑا ہے۔ اس سیاہ رات کی تنہائی میں میرے دل کا سارا چین و قرار لوٹ کر چلتا بنا تھا، اور میں پھر سے تہی دامن اور لٹا پٹا سا محبت کی پگڈنڈی پر کھڑا اس تاریکی میں اپنے مقدروں کو رو رہا تھا۔ ساری رات ٹھنڈ میں یوں باہر کھڑے رہنے نے صبح تک اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا اور سورج نکلنے سے پہلے میں شدید تیز بخار میں پھنک رہا تھا۔

......◆......

باب 35

قدرت کی یہ کیسی ستم ظریفی تھی کہ کبھی مجھے ایک محبت بھی میسر نہیں تھی، اور میں زمانے بھر سے بے
یعقوب مینشن کے جوگ میں پڑنے کے بعد خود کو بھی بھلا بیٹھا تھا اور آج جب مجھ سے محبت کی دعوے دار دو
نازنینیں تھیں کہ جو بذاتِ خود اپنے اندر محبت کی اک تکمیل اور عمر بھر کا جوگ لے جانے کے قابل تھیں...... تب
اسی قدر تنہا تھا، شائد کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ محبت کبھی مکمل نہیں ہو پاتی۔ یہ ایک سدا کا ادھورا اور نامکمل جذبہ
تکمیل دنیاوی جلن کے بس کی بات نہیں۔

میری طبیعت کے پیشِ نظر رنگا اور موسیٰ کو اپنی واپسی بھی ایک آدھ دن کے لیے موخر کرنی پڑی۔ صبح
بیسیوں مرتبہ شمن اور حویلی کی دیگر خادماؤں کے ہاتھ پیغام بھیج کر میری طبیعت کے بارے میں پوچھ چکی تھی
رات ٹھیک ہی کہا تھا کہ میری اس نئی زندگی کی بنیاد ڈالنے والی فضہ ہی تھی۔ میں آج اگر اس معاشرے میں محتر
سکا بھی مجھے فضہ کے ساتھ سے ہی ملی تھی۔ وہ میری ایسی محسن تھی جس نے میرے اندر کے آیان کو یہ حوصلہ اور
تھا کہ جس سے مجھے زندگی کی راہیں چننے اور منزلیں سر کرنے کا ہنر ملا تھا۔ تو میں اب منزل پر پہنچ جانے کے
رہبر کو، اپنے خضر کو کیسے بھول سکتا تھا؟

اور فضہ تو پہلے ہی مجھے تمام عمر انتظار کرنے کا عندیہ دے چکی تھی کہ میں جب بھی اپنی منزل پر پہنچ
پکاروں گا...... وہ میرے ہم قدم ہو گی۔ گہنا بھی یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ میں اپنی محسن کو اپنے انتظار کی س
کر خود نئی منزلیں سر کرنے کبھی نہیں نکلوں گا۔ اسی لیے اُس نے خود مجھ سے دست بردار ہو کر یہ قربانی دینے کی
تھی۔ زندگی کے دوراہوں سے بڑا معمہ اس جہاں میں کوئی اور نہیں ہو سکتا، یہ معمے بنانے والے بھلا کیا سو
ہوں گے۔ کوئی جا کر انہیں سمجھائے۔

آخر سہ پہر تک فضہ سے صبر نہیں ہوا اور وہ خود میری طبیعت کا پوچھنے میرے کمرے میں چلی آئی۔ "
اچانک کیا ہوا...... ؟...... ابھی کل رات تک تو آپ بھلے چنگے تھے......"

"شائد رات کو دیر تک باہر رہنے سے سردی لگ گئی ہے...... آپ پریشان نہ ہوں...... مجھ پر بد
دوسروں کی نسبت کچھ زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ جلد ٹھیک ہو جاؤں گا......" فضہ نے غور سے میری جانب دیک

کوئی موسم بدل گیا ہے کیا......؟" میں چونک گیا، لیکن اس کے چہرے پر وہی سدا کی ملاحت بکھری ہوئی تھی...... میں نے دھیرے سے جواب دیا "کچھ لوگوں کے مقدر کا موسم سدا ٹھہرا رہتا ہے اور کچھ مجھ جیسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کا نصیب ہر پل کروٹ بدلتا رہتا ہے...... آپ سے تو کچھ چھپا نہیں...... سب آپ کے سامنے ہی ہے" فضہ کے چہرے پر بشاشت آ گئی "ہاں...... آپ کا تمام سفر میرے سامنے ہے...... اور مجھے فخر ہے کہ میں بھی آپ کے اس سفر کے ایک چھوٹے سے پڑاؤ کی ہم سفر رہی ہوں......"

"آپ ہم سفر نہیں...... میری رہبر ہیں...... اور سدا رہیں گی......" فضہ نے مان سے پوچھا

"آیان...... آپ کو یاد ہے ناں...... آپ نے مجھ سے کچھ وعدہ کیا تھا۔ کچھ انعام دینے کا......"

"جی مجھے یاد ہے...... اور آپ نے کہا تھا کہ وقت آنے پر آپ اپنا انعام خود مانگ لیں گی...... میں ابھی تک اس وقت کا انتظار کر رہا ہوں......"

"تو بس پھر سمجھ لیں کہ وہ وقت آنے والا ہے آیان...... اس بار آپ کو زمرد حویلی سے رخصت ہونے سے پہلے مجھے میرا انعام دے کر ہی جانا ہوگا......"

میں نے فضہ کے چہرے پر ایک عجیب سا اطمینان دیکھا، جیسے اُسے وہ انعام مانگ کر ساری کائنات مل جائے گی...... میں نے دھیرے سے جواب دیا "آپ مجھے کبھی وعدہ خلاف نہیں پائیں گی......" فضہ کھل گئی "تو بس پھر طے رہا...... آپ اب تیار رہیے گا...... زیادہ وقت باقی نہیں رہا...... لیکن اس سے پہلے مجھے کچھ اپنوں سے بات کرنی ہے......" فضہ مجھے ایک نئی پہیلی میں ڈال کر خود وہاں سے چل پڑی۔ شائد وہ حتمی طور پر مجھ کو مجھ سے مانگنے سے پہلے اپنے بزرگوں کو اعتماد میں لینا چاہتی تھی۔ خانم تو پہلے ہی اس کی دل آشنا تھیں۔

مغرب تک میری حالت کچھ سنبھل گئی۔ میں تازہ ہوا میں چہل قدمی کی نیت سے بڑے دالان کی جانب نکل آیا، اور وہاں نواب صاحب، پاشا، موسیٰ اور رنگا کو کرسیاں ڈالے بیٹھا دیکھ کر ان کی جانب چلا آیا۔ نہ جانے مجھے ایسا کیوں لگا کہ رنگا اور موسیٰ کی آنکھیں کچھ نم ہیں، اور وہ گم سم سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے دیکھ کر نواب صاحب نے جلدی سے کہا "یہ لیں...... اپنے آیان میاں بھی آ گئے...... ان کی رائے بھی لینا ضروری ہے......" میرا دل زور سے دھڑکا۔ نہ جانے میری آمد سے قبل وہاں کیا گفتگو چل رہی تھی۔ میں نے سوالیہ نظروں سے رنگا کی جانب دیکھا لیکن وہ رقت آمیز کیفیت میں مبتلا تھا۔ آخر موسیٰ نے ہی یہ جان لیوا خاموشی توڑی "شہزادے...... نواب صاحب نے ہم سے رشتہ جوڑنے کی بات کی ہے......"

"کیا......؟...... کیا مطلب......؟" موسیٰ کی آواز جذبات سے لبریز تھی "وہ ہماری لاڈلی کو اپنے چھوٹے بیٹے وقار کی دلہن بنانا چاہتے ہیں...... اس حویلی کی بہو بنانا چاہتے ہیں......" اور پھر یہ سن کر میری اپنی حالت بھی سارنگا سے کچھ مختلف نہیں رہی...... اگلے ہی لمحے میں اٹھ کر اپنی نم آنکھیں چھپاتے اس مجبور باپ کو اپنے سینے سے لگا چکا تھا جسے عمر بھر بس اسی خدشے اور فکر نے مارے رکھا کہ اس کی بیٹی کو نہ جانے کوئی عزت دار گھر قبول کرے گا بھی یا وہ ساری عمر کسی اچھے رشتے کی آس میں اپنے گھر کی چوکھٹ پار نہیں کر پائے گی...... لیکن آج قدرت نے کتنا بڑا انعام اس باپ کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔ رنگا کو اب تک یقین نہیں آ رہا تھا لہٰذا میں نے ہی ناہید کے بھائی کی حیثیت سے نواب

بہو بن کر اس حویلی میں اترے...... لیکن کیا آپ نے وقار سے اس کی مرضی معلوم کر لی ہے...... کہیں اس
نواب صاحب نے جلدی سے میری بات کاٹ دی "نہیں نہیں...... سچ تو یہ ہے کہ یہ خود وقار کی بھی مرضی
نے سب سے پہلے خانم سے اپنی پسند کا تذکرہ کیا تھا اور بھی خانم تو پہلے دن سے ہی ناہید کی گرویدہ ہیں
آپ لوگ ہاں کر دیں تو ہم منگنی کی رسم کی تیاری شروع کریں......" رنگا کی آواز ابھی تک بھرائی ہوئی تھی
آپ کی بیٹیا ہے نواب صاحب...... جو مناسب سمجھیں طے کر دیں......" موسیٰ اور رنگا نے فوراً اٹھ کر نواب
گلے لگایا۔ پاشا صاحب بھی بہت خوش نظر آ رہے تھے، رنگا نے میرے ہاتھ تھام لیے "دیکھ لے سا جن
تیرے دم سے ہے...... اب تو ہی اپنی بہنا کو رخصت بھی کرے گا...... میں اور لاڈلی کا یہ چاچا موسیٰ تو بس
گے اس کی...... رنگا تیرے آنے سے پہلے اتنا خوش قسمت کب تھا بھلا......؟......"

اور پھر چند لمحوں میں ہی ناہید کے رشتے کی بات ساری حویلی میں پھیل گئی۔ میں نے اسے
طور پر اس کی مرضی معلوم کی لیکن اس کا جواب بڑا سادا تھا "جو آپ کی اور بابا کی پسند...... وہی میرا
آیان بھائی......"

نواب صاحب نے دو روز بعد ہی ناہید اور وقار کی مہندی اور اگلے روز منگنی کی تقریب کا اعلا
چاروں اطراف ایک ہل چل سی مچ گئی۔

رنگا اور موسیٰ نے تمام یعقوب مینشن سمیت ہمارے قریباً پورے محلے کو بھی تقریب میں مدعو کر رکھا
صاحب کی طرف سے خصوصی دعوت نامہ امی، ابا، ریحان اور پھوپھی کے نام خود پاشا اور رنگا جا کر دے آئے
سے منشی بالا اور رجب ایک دن پہلے ہی حویلی پہنچ گئے اور محلے کی شادیوں کی طرح وہ یہاں بھی خدائی خدمت
طرح حویلی کی سجاوٹ اور دیگر انتظامات میں جت گئے۔

رجب نے مجھے گم سم بیٹھا دیکھ کر چھیڑا......

"کیوں اتو...... کہے تو تیرے حصے کی لڑیاں بھی سجا دوں...... سنا ہے وہ تیرے شیخ صاحب کے گھر
اب بھی رہتے ہیں......" بالے اور منشی نے بھی شرارت سے ایک دوسرے کو آنکھ ماری، اب میں انہیں کیا
کے اتو کے مقدر میں کس کی لڑیاں لکھی ہوئی تھیں۔ تقریب کی شام ساری زمرد حویلی واقعی کسی اصول گھنے کی
رہی تھی۔ ابا اور امی کو رنگا نے خاص درخواست کر کے ناہید کی طرف سے اس کے بزرگ مقرر کر رکھا تھا۔ میں
تک اس شور اور ہنگامے کو بیٹھا دیکھتا اور یہ سوچتا رہا کہ جب میں اپنے گھر سے نکلا تھا تب میرا خاندان صرف
تھی تھا لیکن آج میرا گھرانہ کتنا پھیل چکا تھا۔ منگنی کی تقریب میں میں نے ستارہ اور شیخانی جی کو بھی پھوپھی کے
کاموں میں مصروف دیکھا لیکن گہنا مجھے کہیں نظر نہیں آئی۔ میرا جی چاہا کہ پاس سے گزرتے شیخ صاحب
پوچھوں لیکن میں چپ ہی رہا۔

شائد گہنا بھی اس وقت میری طرح خود اپنے اندر کے تمام آئینوں سے فرار چاہتی ہوئی تھی وہ اس
حصہ نہیں بن پائی تھی۔

میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک فضہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا "آپ یہاں تنہا کیوں

"آپ ابھی سے تھک گئے...... ابھی تو بڑا لمبا سفر باقی ہے......" میں نے مسکرا کر فضہ کو دیکھا "پھر تو مجھے تحریک دینے کے لیے میرے ہم سفر کو معمول سے کچھ زیادہ محنت کرنا ہو گی...... مجھے اپنے ساتھ ہم قدم رکھنے کے لیے......"

فضہ کی آواز لرز سی گئی "اور اگر ہم سفر گہنا بھی آپ کے دل کی محرم ہو تو...... پھر...... کیا پھر بھی آپ کے قدم نہیں اٹھ پائیں گے......"

میں چونک کر کھڑا ہو گیا۔ "گہنا......؟؟ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں......؟" فضہ کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔

"ہاں آیان...... گہنا...... وہی آپ کی اصل ہم سفر ہے...... میں تو بس ایک عارضی سرائے تھی جسے آپ کی کچھ دن کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کی آخری منزل کی ساتھی گہنا ہی ہے......"

"کیا آپ سے گہنا نے کچھ کہا ہے......؟"

"نہیں آیان...... وہ آپ کی پسند ہے...... وہ جیتے جی کبھی مجھ سے اپنا غم نہیں بانٹے گی...... اس رات جب میں گہنا کو بلانے کے لیے آئی تھی تو میں نے آپ دونوں کی باتیں سن لی تھیں...... مجھے اس فیصلے پر پہنچنے میں بڑی دشوار راہوں سے گزرنا پڑا ہے آیان...... میں آج آپ کو اپنی محبت سے آزاد کرتی ہوں...... محبت دو طرفہ نہ بھی ہو تو وہ دوسرے کو کسی نہ کسی ڈور میں باندھے رکھتی ہے...... میں آج یہ ڈور خود توڑ رہی ہوں......"

میں فضہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بے چین ہو گیا۔

"لیکن آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں...... میں نے گہنا سے کوئی اقرار نہیں باندھا"

"جانتی ہوں میں...... اور یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ دونوں ہی اتنے اعلیٰ ظرف ہیں کہ ساری عمر اس ان بندھے پیمان کو میری خاطر یونہی بے نام ہی رہنے دیں گے لیکن میں ایسا نہیں چاہتی۔ میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا آیان۔ محبت میں کوئی احسان نہیں ہوتا، نہ ہی محبت میں کوئی "دان" ہوتا ہے۔ میں اور آپ اس دان اور احسان کے بوجھ کے بنا تمام عمر ایک دوسرے کے اچھے دوست اور اچھی یاد بن کر بھی تو رہ سکتے ہیں، اور آپ کا ساتھ چاہے کسی بھی صورت میں ہو...... میرے لیے اعزاز ہو گا، محترم ہو گا......"

میں اب بھی اُلجھا ہوا تھا کیونکہ فضہ کی بہتی آنکھیں اس کے الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ "میں نے آغا جان کو منا لیا ہے کہ وہ مجھے دوبارہ تہران یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی اجازت دے دیں۔ دو دن کے بعد میں موسو کے ساتھ ایران چلی جاؤں گی آیان...... لیکن جانے سے پہلے آپ کو حسب وعدہ میرا انعام مجھے دینا ہو گا۔ بولیں دیں گے نا......؟"

خود میری آواز بھی ڈوبتی جا رہی تھی "آپ میری جان بھی انعام میں مانگ سکتی ہیں فضہ...... آپ کہہ کر تو دیکھیں......"

فضہ نے اپنی ستارہ و پلکوں کے موتی اپنی ہتھیلیوں کے چاند میں جذب کرنے کی ناکام کوشش کی۔ "آپ کی جان پر اختیار چاہیے مجھے......" میں نے ہتھیار ڈال دیے۔

"مجھے منظور ہے......" فضہ نے اپنی تمام ہمت مجتمع کی "میں جانتی تھی آپ میرا مان ضرور رکھیں گے...... میں چاہتی ہوں کہ آپ ابھی حویلی کی چھت سے جڑے بڑے چوبارے پر چلے جائیں...... گہنا وہاں آپ کا انتظار کر رہی ہے...... میں اُسے بتا کر آئی ہوں کہ آپ وہاں اس سے ملنے کے لیے ضرور آئیں گے......"

"لیکن آپ...... فضہ...... آپ یہ سب کیوں......" فضہ نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے

"آپ خود پر میرا اختیار مان چکے ہیں آیان...... اور میں نے کہا نا کہ محبت میں کوئی دان، کوئی احسان نہیں ہو
جانتی ہوں کہ آپ اور گہنا ایک دوسرے کے بنا سدا ادھورے رہیں گے...... اور میں نہیں چاہتی کہ میرے
اور سب سے پیارے دوست یوں عمر بھر ادھوری زندگی جئیں......" میری ہچکچاہٹ ابھی باقی تھی...... "لیکن گ

"میں اس سے بات کر چکی ہوں...... وہ تو آپ سے بھی کہیں زیادہ ضدی ہے لیکن میں نے
واسطہ دے کر اسے بھی منا لیا ہے...... وہ آپ کے بنا کبھی خوش نہیں رہ سکتی آیان...... جائیں دیر نہ کریں
کے جرم میں اب کوئی دراڑ نہ آنے دیجئے گا...... میری دعائیں سدا آپ دونوں کے ساتھ رہیں گی......"
ہاتھ پکڑ کر مجھے چھت کی جانب جاتی ہوئی راہ پر دھکیل دیا۔ میرا جی چاہا کہ میں اس کے ہاتھ تھام کر اس سے
اتنی چھوٹی سی عمر میں اس نے اتنا بڑا تیاگ کہاں سے سیکھ لیا ہے؟ لیکن پھر مجھے اپنے سوال پر خود ہنسی آ گئی
سے بڑا استاد اس جہاں میں اور کوئی کیا ہو گا؟ محبت از خود دنیا کا سب سے بڑا جوگ اور سب سے عظیم تیاگ
ہی انسان کو جوگی بناتا ہے۔

پیار، محبت اور عشق...... یہی تو آخری تین منزلیں ہوتی ہیں پریت تیاگ کی۔

میں دھڑکتے دل اور لرزتے قدموں کے ساتھ چوبارے پر پہنچا تو پیچھے حویلی کے دالان میں
بازی کی پھل جھڑیاں دور فضا کی بلندی میں پھوٹنا شروع ہو چکی تھیں۔ گہنا کسی گہری سوچ میں گم چوبارے کی
پاس کھڑی تھی اور آسمان میں اپنی گلابی روشنی کے ستارے چھوڑتی آتش بازی کی ضیا سے اس کا چہرہ بھی دمک
سفید آنچل کے نور تلے وہ گہنا کا گلابی چہرہ خود آسمان میں پھوٹتے کسی شرارے کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔
مبہوت سا کھڑا اسے دیکھتا رہا......

میرے قدموں کی آہٹ سن کر اس نے اپنی بھیگی پلکیں اٹھائیں...... "آپ آ گئے آیان......
کروا لیا آپ نے مجھے......" میں نے دھیرے سے جواب دیا "بڑی لمبی مسافت طے کر کے یہاں تک پہنچا ہو
کے ظرف کی سیڑھیاں طے کر کے کسی بلندی پر پہنچنا بہت مشکل ہوتا ہے......"

"جانتی ہوں...... میں خود بھی یہاں آنے سے پہلے ایسی ہی کسی کیفیت سے دوچار تھی...... لیکن مجھے
کہاں یہ یقین تھا کہ وہ آپ کو بھی منا کر یہاں بھیج دے گی...... تقدیر نے ہم تینوں کے ساتھ کیا کھیل
آیان...... ہم تینوں کے دل میں وہ یہ جذبے کیوں جگا گئی؟...... اور اب مقدر خود دور بیٹھ کر ہمارا تماشا دیکھ
کیسا انصاف ہے؟؟"۔

"محبت کا خود اپنا ایک نظام عدل ہوتا ہے گہنا...... اور بدقسمتی سے اس کا انصاف بہت کم خوش
راس آتا ہے...... محبت کی عدالت میں ایک کو تو سدا ہی سزاوار ٹھہرتا ہے...... اور ہماری محبت کی عدالت میں یہ سز
ہم دونوں کی خاطر خود اپنے لیے تجویز کی ہے...... حالانکہ اُسے خود کے لیے جزا، چننے کا اختیار بھی حاصل تھ
اس کا ظرف ہے کہ اس نے ہم دونوں کو سزاوار نہیں ٹھہرایا...... اور ہمارے نصیب کی عدالت سے اپنا زادِ
ہمیں ملا دیا"

گہنا نے نظر بھر کے مجھے دیکھا "آپ اس ملن سے خوش تو ہیں نا آیان......؟" "میری ہر خوشی

سے وابستہ ہے گھنا جی...... میرے دل کی حالت جاننے کے لیے اب آپ کو ہمیشہ خود اپنے اندر جھانکنا پڑے گا......'' گھنا نے شرارت سے میری جانب دیکھا ''لیکن میرا دل تو کچھ اور کہہ رہا ہے......'' میں چونک سا گیا ''کیا کہتا ہے آپ کا دل......؟......''

گھنا کے ہونٹوں پر اس کی مخصوص مسکراہٹ اُبھری ''جو دل کی باتیں جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں...... وہ سوال نہیں پوچھا کرتے...... بس خود جھانک کر پڑھ لیا کرتے ہیں......'' میں بھی مسکرا دیا ''ہاں...... شائد دلوں کی تحریر پڑھنے کا فن بھولتا جا رہا ہوں...... بہت سے وعدے ہیں جو نبھانے ہیں...... اپنوں نے بہت سی امیدیں وابستہ کر لی ہیں اپنے اس نکمے اتو سے......''

''لیکن میں جانتی ہوں کہ آپ اُن سب کی امیدوں پر ضرور پورا اتریں گے...... میں اس امتحان میں ہر قدم آپ کے ساتھ ہوں......''

''تو پھر وعدہ کریں کہ جب تک میں اپنی منزل پر نہیں پہنچ جاتا...... آپ میرا انتظار کریں گی...... ابھی بہت سی آنکھوں کے آنسو چننا باقی ہیں...... یہ تو سفر کا آغاز ہے...... مجھے اپنے علاقے کے لوگوں کے خواب تعبیر کرنا ہیں...... بولیں...... دیں گی میرا ساتھ......؟''

''میں زندگی کی آخری سانس تک آپ کا انتظار کروں گی آیان...... اور آخری دم تک آپ کا ساتھ دوں گی۔''

میں نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ ''وعدہ......''

گھنا نے پلکیں اُٹھا کر میری آنکھوں میں جھانکا اور پھر اپنا نازک ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا ''وعدہ......''

ہم دونوں مسکرا دیے۔ آسمان پر ایک ساتھ بہت سی مکمل پھلجڑیاں چھوٹیں اور فلک بھی گھنا کے پُرنور چہرے کی طرح گلنار ہو گیا۔